خوشبو

پروین شاکر

خوشبو

پروین شاکر

تعداد : ایک ہزار
اشاعت : ۱۹۸۸ء

طباعت : سیما آفسیٹ پریس، دہلی

ناشر : شانِ ہند پبلی کیشنز
فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ
دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

حقوق اشاعت
بنام پروین شاکر
محفوظ

قیمت :
۱۲/۵۰

اپنے عمّوؔ کے نام

جو

باقی دنیا کے لیے

احمد ندیمؔ قاسمی ہیں

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہے
موجِ ہوا کے ہاتھ میں اس کا سُراغ ہے

اعتراف

جانے کب تک تری تصویر نگاہوں میں رہی
ہو گئی رات ترے عکس کو تکتے تکتے
میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں
تیری تصویر پہ لب رکھ دیے آہستہ سے!

کھلی آنکھوں میں سپنا جھانکتا ہے
وہ سویا ہے کہ کچھ کچھ جاگتا ہے

تری چاہت کے بھیگے جنگلوں میں
مرا تن، مور بن کر ناچتا ہے

مجھے ہر کیفیت میں کیوں نہ سمجھے
وہ میرے سب حوالے جانتا ہے

میں اُس کی دسترس میں ہوں، مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

کسی کے دھیان میں ڈوبا ہُوا دل
بہانے سے مجھے بھی ٹالتا ہے

سڑک کو چھوڑ کر چلنا پڑے گا
کہ میرے گھر کا کچا راستہ ہے

رقص میں رات ہے بدن کی طرح
بارشوں کی ہوائیں ، بن کی طرح

چاند بھی میری کروٹوں کا گواہ
میرے بستر کی ہر شکن کی طرح

چاک ہے دامنِ قبائے بہار
میرے خوابوں کے پیرہن کی طرح

زندگی ، تجھ سے دور رہ کر ، میں
کاٹ لوں گی جلا وطن کی طرح

مجھ کو تسلیم ، میرے چاند ، کہ میں
تیرے ہمراہ ہوں گہن کی طرح

بارہا تیرا انتظار کیا
اپنے خوابوں میں اک دلہن کی طرح

آج ملبوس میں ہے کیسی تھکن کی خوشبو
رات بھر جاگی ہوئی جیسے دُلہن کی خوشبو

پیرہن میرا مگر اُس کے بدن کی خوشبو
اُس کی ترتیب ہے ایک ایک شکن کی خوشبو

موجۂ گُل کو ابھی اذنِ تکلم نہ ملے
پاس آتی ہے کسی نرم سخن کی خوشبو

قامتِ شعر کی زیبائی کا عالم مت پوچھ
مہرباں جب سے ہے اُس سرو بدن کی خوشبو

ذکر شاید کسی خورشید بدن کا بھی کرے
کُو بہ کُو پھیلی ہوئی میرے گہن کی خوشبو

عارضِ گُل کو چھُوا تھا کہ دھنک سی بکھری
کس قدر شوخ ہے ننھی سی کرن کی خوشبو

کس نے زنجیر کیا ہے رَمِ آہوچشماں
نکہتِ جاں ہے انھیں دشت و دمن کی خوشبو

اس اسیری میں بھی ہر سانس کے ساتھ آتی ہے
صحنِ زنداں میں انھیں دشتِ وطن کی خوشبو

قریۂ جاں میں کوئی پھول کھلانے آئے
وہ مرے دل پہ نیا زخم لگانے آئے

میرے ویران دریچوں میں بھی خوشبو جاگے
وہ مرے گھر کے در و بام سجانے آئے

اُس سے اک بار تو روٹھوں میں اُسی کی مانند
اور مری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

اِسی کوچے میں کئی اُس کے شناسا بھی تو ہیں
وہ کسی اور سے ملنے کے بہانے آئے

اب نہ پوچھوں گی میں کھوئے ہُوئے خوابوں کا پتہ
وہ اگر آئے تو کچھ بھی نہ بتانے آئے

ضبط کی شہر پناہوں کی، مرے مالک! خیر
غم کا سیلاب اگر مجھ کو بہانے آئے

چہرہ میرا تھا، نگاہیں اُس کی
خامشی میں بھی وہ باتیں اُس کی

میرے چہرے پہ غزل لکھتی گئیں
شعر کہتی ہوئی آنکھیں اُس کی

شوخ لمحوں کا پتہ دینے لگیں
تیز ہوتی ہوئی سانسیں اُس کی

ایسے موسم بھی گزارے ہم نے
صبحیں جب اپنی تھیں، شامیں اُس کی

دھیان میں اُس کے یہ عالم تھا کبھی
آنکھ مہتاب کی، یادیں اُس کی

رنگ جوئندہ وہ، آئے تو سہی!
پھول تو پھول ہیں، شاخیں اُس کی

فیصلہ موجِ ہوا نے لکھا!
آندھیاں میری، بہاریں اُس کی

خود پہ بھی کھلتی نہ ہو جس کی نظر
جانتا کون زبانیں اُس کی

نیند اس سوچ سے ٹوٹی اکثر
کس طرح کٹتی ہیں راتیں اُس کی

دور رہ کر بھی سدا رہتی ہیں
مجھ کو تھامے ہوئے باہیں اُس کی

عکسِ خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

کانپ اُٹھتی ہوں مَیں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی

جس طرح خواب مرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی

میں تو اُس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس اُمید پہ دروازے سے جھانکے کوئی

کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں۔ آئے کوئی

ہتھیلیوں کی دعا پھول لے کے آئی ہو
کبھی تو رنگ مرے ہاتھ کا حنائی ہو!

کوئی تو ہو جو مرے تن کو روشنی بھیجے
کسی کا پیار ہوا میرے نام لائی ہو!

گلابی پاؤں مرے چمپئی بنانے کو
کسی نے صحن میں مہندی کی باڑھ اگائی ہو!

کبھی تو ہو مرے کمرے میں ایسا منظر بھی
بہار دیکھ کے کھڑکی سے، مسکرائی ہو

وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو!

وہ رُت بھی آئی کہ میں پھول کی سہیلی ہُوئی
مہک میں چمپا کلی، روپ میں چنبیلی ہُوئی

میں سرد رات کی برکھا سے کیوں نہ پیار کروں
یہ رُت تو ہے مرے بچپن کی ساتھ کھیلی ہُوئی

زمیں پہ پاؤں نہیں پڑ رہے تکبّر سے
نگارِ غم کوئی دُلہن نئی نویلی ہُوئی

وہ چاند بن کے مرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اُس کے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہُوئی

جو حرف سادہ کی صورت ہمیشہ لکھی گئی
وہ لڑکی تیرے لیے کس طرح پہیلی ہُوئی

ہم سے جو کچھ کہنا ہے وہ بعد میں کہہ
اچھی ندیا! آج ذرا آہستہ بہہ

ہوا! مرے جُوڑے میں پھول سجاتی جا
دیکھ رہی ہوں اپنے من موہن کی رہ

اُس کی خفگی جاڑے کی نرماتی دھوپ
پاروسکھی! اس حدّت کو ہنس کھیل کے سہہ

آج تو سچ مچ کے شہزادے آئیں گے
ندیا پیاری! آج نہ کچھ پریوں کی کہہ

دوپہروں میں جب گہرا سناٹا ہو
شاخوں شاخوں موجِ ہوا کی صورت بہہ

بعد مُدّت اُسے دیکھا، لوگو
وہ ذرا بھی نہیں بدلا، لوگو
خوش نہ تھا مجھ سے بچھڑ کر وہ بھی
اُس کے چہرے پہ لکھا تھا، لوگو
اُس کی آنکھیں بھی کہے دیتی تھیں
رات بھر وہ بھی نہ سویا، لوگو

اجنبی بن کے جو گزرا ہے ابھی
تھا کسی وقت میں اپنا، لوگو
دوست تو خیر کوئی کس کا ہے
اُس نے دشمن بھی نہ سمجھا، لوگو
رات وہ درد مرے دل میں اُٹھا
صبح تک چین نہ آیا، لوگو
پیاس صحراؤں کی پھر تیز ہوئی
ابر پھر ٹوٹ کے برسا، لوگو

اپنی رسوائی، ترے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور میں کیا کیا دیکھوں

نیند آ جائے تو کیا محفلیں برپا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو تنہائی کا صحرا دیکھوں

شام بھی ہو گئی، دھندلا گئیں آنکھیں بھی مری
بھولنے والے، میں کب تک ترا رستا دیکھوں

ایک اک کر کے مجھے چھوڑ گئیں سب سکھیاں
آج میں خود کو تری یاد میں تنہا دیکھوں

کاش صندل سے مری مانگ اُجالے آکر
اتنے غیروں میں وہی ہاتھ، جو اپنا دیکھوں

تو مرا کچھ نہیں لگتا ہے مگر جانِ حیات!
جانے کیوں تیرے لیے دل کو دھڑکتا دیکھوں

بند کر کے مری آنکھیں وہ شرارت سے ہنسے
بوجھے جانے کا میں ہر روز تماشہ دیکھوں

سب ضدیں اُس کی میں پوری کروں ہر بات سنوں
ایک بچے کی طرح سے اُسے ہنستا دیکھوں

مجھ پہ چھا جائے وہ برسات کی خوشبو کی طرح
انگ انگ اپنا اسی رُت میں مہکتا دیکھوں

پھول کی طرح مرے جسم کا ہر لب کھل جائے
پنکھڑی پنکھڑی اُن ہونٹوں کا سایا دیکھوں

میں نے جس لمحے کو پوجا ہے اُسے بس اک بار
خواب بن کر تری آنکھوں میں اُترتا دیکھوں

تو مری طرح سے یکتا ہے، مگر میرے حبیب!
جی میں آتا ہے، کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں

ٹوٹ جائیں کہ پگھل جائیں مرے کچے گھڑے
تجھ کو میں دیکھوں کہ یہ آگ کا دریا دیکھوں!

سکوں بھی خواب ہُوا، نیند بھی ہے کم کم پھر
قریب آنے لگا دُوریوں کا موسم پھر

بنا رہی ہے تری یاد مجھ کو سلکِ گہر
پرو گئی مری پلکوں میں آج شبنم پھر

وہ نرم لہجے میں کچھ کہہ رہا ہے پھر مجھ سے
چھڑا ہے پیار کے کومل سُروں میں مدّھم پھر

تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سُنوں
اُلجھ رہا ہے مرے فیصلوں کا ریشم پھر

نہ اُس کی بات مَیں سمجھوں نہ وہ مری نظریں
معاملاتِ زباں ہو چلے ہیں مُبہم پھر

یہ آنے والا نیا دُکھ بھی اس کے سَر ہی گیا
چٹخ گیا مری انگشتری کا نیلم پھر

وہ ایک لمحہ کہ جب سارے رنگ ایک ہُوئے
کسی بہار نے دیکھا نہ ایسا سنگم پھر

بہت عزیز ہیں آنکھیں مری اُسے، لیکن
وہ جاتے جاتے انھیں کر گیا ہے پُرنم پھر

اِتنا معلوم ہے!

اپنے بستر پہ بہت دیر سے میں نیم دراز
سوچتی تھی کہ وہ اس وقت کہاں پہ ہو گا
میں یہاں ہوں مگر اُس کوچۂ رنگ و بو میں
روز کی طرح سے وہ آج بھی آیا ہو گا
اور جب اُس نے وہاں مجھ کو نہ پایا ہو گا۔!؟

آپ کو علم ہے، وہ آج نہیں آئی ہیں ؟
میری ہر دوست سے اُس نے یہی پوچھا ہو گا
کیوں نہیں آئی وہ — کیا بات ہُوئی ہے آخر
خود سے اس بات پہ سو بار وہ اُلجھا ہو گا
کل وہ آئے گی تو میں اُس سے نہیں بولوں گا
آپ ہی آپ کئی بار وہ روٹھا ہو گا

وہ نہیں ہے تو بلندی کا سفر کتنا کٹھن
سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اُس نے یہ سوچا ہوگا
راہداری میں، ہرے لان میں، پھولوں کے قریب
اُس نے ہر سمت مجھے آن کے ڈھونڈا ہوگا

نام بھُولے سے جو میرا کہیں آیا ہوگا
غیر محسوس طریقے سے وہ چونکا ہوگا
ایک جملے کو کئی بار سنایا ہوگا
بات کرتے ہوئے سو بار وہ بھُولا ہوگا
یہ جو لڑکی نئی آئی ہے، کہیں وہ تو نہیں
اُس نے ہر چہرہ یہی سوچ کے دیکھا ہوگا
جانِ محفل ہے، مگر آج، فقط میرے بغیر
ہائے کس درجہ وہی بزم میں تنہا ہوگا
کبھی سناٹوں سے وحشت جو ہُوئی ہوگی اُسے
اُس نے بے ساختہ پھر مجھ کو پکارا ہوگا
چلتے چلتے کوئی مانوس سی آہٹ پاکر
دوستوں کو بھی کسی عذر سے روکا ہوگا

یاد کر کے مجھے، نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
"آنکھ میں پڑ گیا کچھ" کہہ کے یہ ٹالا ہو گا
اور گھبرا کے کتابوں میں جو لی ہو گی پناہ
ہر سطر میں مرا چہرہ اُبھر آیا ہو گا
جب ملی ہو گی اسے میری علالت کی خبر
اُس نے آہستہ سے دیوار کو تھاما ہو گا
سوچ کر یہ، کہ بہل جائے پریشانیٔ دل
یونہی بے وجہ، کسی شخص کو روکا ہو گا!

اتفاقاً مجھے اُس شام مری دوست ملی
میں نے پوچھا کہ سنو۔ آئے تھے وہ؟ - کیسے تھے -؟
مجھ کو پوچھا تھا -؟ مجھے ڈھونڈا تھا چاروں جانب؟
- اُس نے اک لمحے کو دیکھا مجھے اور پھر ہنس دی
اس ہنسی میں تو وہ تلخی تھی کہ اس سے آگے
کیا کہا اُس نے - مجھے یاد نہیں ہے - لیکن
اتنا معلوم ہے، خوابوں کا بھرم ٹوٹ گیا!

پھر مرے شہر سے گزرا ہے وہ بادل کی طرح
دستِ گُل پھیلا ہُوا ہے مرے آنچل کی طرح

کہہ رہا ہے کسی موسم کی کہانی اب تک
جسم برسات میں بھیگے ہُوئے جنگل کی طرح

اُونچی آواز میں اُس نے تو کبھی بات نہ کی
خفگیوں میں بھی وہ لہجہ رہا کومل کی طرح

ل کے اُس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اُٹھتی ہے نظر، پاؤں کی چھاگل کی طرح

پاس جب تک وہ رہے، درد تھما رہتا ہے
پھیلتا جاتا ہے پھر آنکھ کے کاجل کی طرح

اب کسی طَور سے گھر جانے کی صورت ہی نہیں
راستے میرے لیے ہو گئے دلدل کی طرح

جسم کے تیرہ و آسیب زدہ مندر میں
دل، سرِ شام سُلگ اُٹھتا ہے صندل کی طرح

میں جب بھی چاہوں، اُسے چھُو کے دیکھ سکتی ہوں
مگر وہ شخص کہ لگتا ہے اب بھی خواب ایسا!

○

دروازہ جو کھولا تو نظر آئے کھڑے وہ
حیرت ہے مجھے، آج کدھر بھول پڑے وہ

بھولا نہیں دل، ہجر کے لمحات کڑے وہ
راتیں تو بڑی تھیں ہی، مگر دن بھی بڑے وہ!

کیوں جان پہ بن آئی ہے، بگڑا ہے اگر وہ
اُس کی تو یہ عادت کہ ہواؤں سے لڑے وہ

الفاظ تھے اُس کے کہ بہاروں کے پیامات
خوشبو سی برسنے لگی، یوں پھول جھڑے وہ

ہر شخص مجھے، تجھ سے جدا کرنے کا خواہاں
سُن پائے اگر ایک تو دس جا کے جڑے وہ

بچّے کی طرح چاند کو چھُونے کی تمنّا
دل کو کوئی شہ دے دے تو کیا کیا نہ اڑے وہ

طوفاں ہے تو کیا غم، مجھے آواز تو دیجے
کیا بھول گئے آپ مرے کچے گھڑے وہ!

یہ غنیمت ہے کہ اُن آنکھوں نے پہچانا ہمیں
کوئی تو سمجھا دیارِ غیر میں اپنا ہمیں

وہ کہ جن کے ہاتھ میں تقدیرِ فصلِ گُل رہی
دے گئے سُوکھے ہُوئے پتّوں کا نذرانہ ہمیں

وصل میں تیرے خرابے بھی لگیں گھر کی طرح
اور تیرے ہجر میں بستی بھی ویرانہ ہمیں

سچ تمھارے سارے کڑوے تھے، مگر اچھے لگے
پھانس بن کر رہ گیا بس ایک افسانہ ہمیں

اجنبی لوگوں میں ہو تم اور اتنی دُور ہو
ایک اُلجھن سی رہا کرتی ہے روزانہ ہمیں

ق

سُنتے ہیں قیمت تمھاری لگ رہی ہے آج کل
سب سے اچھے دام کس کے ہیں، یہ بتلانا ہمیں
تا کہ اُس خوش بخت تاجر کو مبارکباد دیں
(اور اُس کے بعد دل کو بھی ہے سمجھانا ہمیں)

صرف ایک لڑکی

اپنے سرد کمرے میں
میں اُداس بیٹھی ہوں
نیم وا دریچوں سے
نم ہوائیں آتی ہیں
میرے جسم کو چھُو کر
آگ سی لگاتی ہیں
تیرا نام لے لے کر
مجھ کو گدگداتی ہیں

کاش میرے پر ہوتے
تیرے پاس اُڑ آتی
کاش میں ہوا ہوتی
تجھ کو چھُو کے لوٹ آتی
میں نہیں مگر کچھ بھی
سنگ دل رواجوں کے
آہنی حصاروں میں
عمر قید کی ملزم
صرف ایک لڑکی ہوں!

لمحاتِ وصل کیسے حجابوں میں کٹ گئے
وہ ہاتھ بڑھ نہ پائے کہ گھونگھٹ سمٹ گئے

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بدگمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے

ملنا — دوبارہ ملنے کا وعدہ — جدائیاں
اتنے بہت سے کام اچانک نمٹ گئے

روئی ہوں آج کھل کے، بڑی مدتوں کے بعد
بادل جو آسمان پہ چھائے تھے، چھٹ گئے

کس دھیان سے پرانی کتابیں کھلی تھیں کل
آئی ہوا تو کتنے ورق ہی الٹ گئے

شہرِ وفا میں دھوپ کا ساتھی کوئی نہیں
سورج سروں پہ آیا تو سائے بھی گھٹ گئے

اتنی جسارتیں تو اُسی کو نصیب تھیں
جھونکے ہوا کے، کیسے گلے سے لپٹ گئے

دستِ ہوا نے جیسے درانتی سنبھال لی
اب کے سروں کی فصل سے کھلیان پٹ گئے

ٹوٹی ہے میری نیند مگر تم کو اس سے کیا!
بجتے رہیں ہواؤں سے در، تم کو اس سے کیا!

تم موج موج مثلِ صبا گھومتے رہو
کٹ جائیں میری سوچ کے پر، تم کو اس سے کیا

اوروں کا ہاتھ تھامو، انھیں راستہ دکھاؤ
میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر، تم کو اس سے کیا

ابرِ گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گُہر، تم کو اس سے کیا!

لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر، تم کو اس سے کیا

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر، تم کو اس سے کیا!

مقدّر

میں وہ لڑکی ہوں
جس کو پہلی رات
کوئی گھونگھٹ اُٹھا کے یہ کہہ دے —
میرا سب کچھ ترا ہے، دل کے سوا!

لو! میں آنکھیں بند کیے لیتی ہوں اب تم رخصت ہو
دل تو جانے کیا کہتا ہے، لیکن دل کا کہنا کیا!

چاند اُس دیس میں نکلا کہ نہیں !
جانے وہ آج بھی سویا کہ نہیں !

اے مجھے جاگتا پاتی ہوئی رات
وہ مری نیند سے بہلا کہ نہیں !

بھیڑ میں کھویا ہُوا بچہ تھا
اُس نے خود کو ابھی ڈھونڈا کہ نہیں !

مجھ کو تکمیل سمجھنے والا
اپنے معیار میں بدلا کہ نہیں !

گنگناتے ہُوئے لمحوں میں اُسے
دھیان میرا کبھی آیا کہ نہیں !

بند کمرے میں کبھی میری طرح
شام کے وقت وہ رویا کہ نہیں !

میری خود داری برتنے والے !
تیرا پندار بھی ٹوٹا کہ نہیں !

الوداع ثبت ہُوئی تھی جس پر
اب بھی روشن ہے وہ ماتھا کہ نہیں !

سبز موسم کی خبر لے کے ہوا آئی ہو
کاش پت جھڑ کے اسیروں کی دعا آئی ہو

لوٹ آئی ہو وہ شب جس کے گزر جانے پر
گھاٹ سے پائلیں بجنے کی صدا آئی ہو

اسی اُمید میں ہر موجِ ہوا کو چوما
چھو کے شاید مرے پیاروں کی قبا آئی ہو

گیت جتنے لکھے اُن کے لیے اے موجِ صبا!
دل یہی چاہا کہ تو اُن کو سنا آئی ہو

آہٹیں صرف ہواؤں کی ہی دستک نہ بنیں
اب تو دروازوں پہ مانوس صدا آئی ہو

یوں سرِ عام، کھلے سر میں کہاں تک بیٹھوں
کسی جانب سے تو اب میری ردا آئی ہو

جب بھی برسات کے دن آئے، یہی جی چاہا
دھوپ کے شہر میں بھی گھر کے گھٹا آئی ہو

تیرے تحفے تو سب اچھے ہیں مگر، موجِ بہار!
اب کے میرے لیے خوشبوئے حنا آئی ہو

کُو بہ کُو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

— کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اُس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

— وہ کہیں بھی گیا، لَوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

تیرا پہلو، ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شبِ تنہائی کی

اُس نے جلتی ہُوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اُٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

دل پہ اک طُرفہ قیامت کرنا
مسکراتے ہُوئے رخصت کرنا

اچھی آنکھیں جو ملی ہیں اُس کو
کچھ تو لازم ہُوا وحشت کرنا

جُرم کس کا تھا، سزا کس کو ملی
کیا گئی بات پہ حجّت کرنا

— کون چاہے گا تمھیں میری طرح
اب کسی سے نہ محبّت کرنا

— گھر کا دروازہ کھُلا رکھا ہے
وقت مِل جائے تو زحمت کرنا!

نیند اب خواب ہوگئی شاید
جنسِ نایاب ہوگئی شاید

اپنے گھر کی طرح وہ لڑکی بھی
نذرِ سیلاب ہوگئی شاید

تجھ کو سوچوں تو روشنی دیکھوں
یاد، مہتاب ہوگئی شاید

ایک مدت سے آنکھ روئی نہیں
جھیل پایاب ہوگئی شاید

ہجر کے پانیوں میں عشق کی ناؤ
کہیں غرقاب ہوگئی شاید

چند لوگوں کی دسترس میں ہے
زیست کم خواب ہوگئی شاید

عذاب اپنے بکھیروں کہ مرتسم کر لوں
میں ان سے خود کو ضرب دوں کہ منقسم کر لوں

میں آندھیوں کی مزاج آشنا رہی ہوں مگر
خود اپنے ہاتھ سے کیوں گھر کو منہدم کر لوں

بچھڑنے والوں کے حق میں کوئی دعا کر کے
شکستِ خواب کی ساعت کو محتشم کر لوں

بجاؤ شیشوں کے گھر کا تلاش کر ہی لیا
یہی کہ سنگ بدستوں کو منصرم کر لوں

میں تھک گئی ہوں اس اندر کی خانہ جنگی سے
بدن کو "سامرا"، آنکھوں کو "معتصم" کر لوں

مری گلی میں کوئی شہریار آتا ہے
ملا ہے حکم کہ لہجے کو محترم کر لوں

دعا کا ٹوٹا ہُوا حرف، سرد آہ میں ہے
تری جُدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے

ترے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے

عذاب دے گا تو پھر مجھ کو خواب بھی دے گا
میں مطمئن ہوں، مرا دل تری پناہ میں ہے

بکھر چکا ہے مگر مسکرا کے ملتا ہے
وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کجکلاہ میں ہے

جسے بہار کے مہمان خالی چھوڑ گئے
وہ اک مکان ابھی تک مکیں کی چاہ میں ہے

یہی وہ دن تھے جب اک دوسرے کو پایا تھا
ہماری سالگرہ ٹھیک اب کے ماہ میں ہے

— میں بچ بھی جاؤں تو تنہائی مار ڈالے گی
مرے قبیلے کا ہر فرد، قتل گاہ میں ہے

آنگنوں میں اُترا ہے، بام و در کا سناٹا
میرے دل پہ چھایا ہے میرے گھر کا سناٹا

رات کی خموشی تو پھر بھی مہرباں نکلی
کتنا جان لیوا ہے دوپہر کا سناٹا

صبح میرے جُوڑے کی ہر کلی سلامت تھی
گونجتا تھا خوشبو میں رات بھر کا سناٹا

اپنی دوست کو لے کر تم وہاں گئے ہو گے
مجھ کو پوچھتا ہو گا رہگزر کا سناٹا

خط کو چوم کر اُس نے آنکھ سے لگایا تھا
کُل جواب تھا گویا لمحہ بھر کا سناٹا

تُو نے اُس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا قاصد!
کچھ تو کہہ رہا ہو گا اُس نظر کا سناٹا

آنکھوں سے میری، کون مرے خواب لے گیا
چشمِ صدف سے گوہرِ نایاب لے گیا

اس شہرِ خوش جمال کو کس کی لگی ہے آہ
کس دل زدہ کا گریۂ خوناب لے گیا

— کچھ ناخدا کے فیض سے ساحل بھی دور تھا
کچھ قسمتوں کے پھیر میں گرداب لے گیا

واں شہر ڈوبتے ہیں، اِدھر بحث کہ اُنھیں
خُم لے گیا ہے یا خمِ محراب لے گیا

کچھ کھوئی کھوئی آنکھیں بھی موجوں کے ساتھ تھیں
شاید اُنھیں بہا کے کوئی خواب لے گیا

طوفانِ ابر و باد میں سب گیت کھو گئے
جھونکا ہوا کا ہاتھ سے مضراب لے گیا

— غیروں کی دشمنی نے نہ مارا، مگر ہمیں
اپنوں کے التفات کا زہراب لے گیا

اے آنکھ! اب تو خواب کی دنیا سے لوٹ آ
"مژگاں تو کھول! شہر کو سیلاب لے گیا"

شدید دُکھ تھا اگرچہ تری جدائی کا   سوا ہے رنج ہمیں تیری بے وفائی کا

تجھے بھی ذوق نئے تجربات کا ہوگا   ہمیں بھی شوق تھا کچھ بخت آزمائی کا

جو میرے سر سے دوپٹہ نہ ہٹنے دیتا تھا   اُسے بھی رنج نہیں میری بے ردائی کا

سفر میں رات جو آئی تو ساتھ چھوڑ گئے   جنھوں نے ہاتھ بڑھایا تھا رہنمائی کا

ردا چھنی مرے سر سے، مگر میں کیا کہتی   کٹا ہوا تو نہ تھا ہاتھ میرے بھائی کا

ملے تو ایسے، رگِ جاں کو جیسے چھو آئے   جُدا ہوئے تو وہی کرب نارسائی کا

کوئی سوال جو پوچھے، تو کیا کہوں اُس سے   بچھڑنے والے! سبب تو بتا جُدائی کا

میں سچ کو سچ ہی کہوں گی، مجھے خبر ہی نہ تھی   تجھے بھی علم نہ تھا میری اِس برائی کا

نہ دے سکا مجھے تعبیر، خواب تو بخشے
مَیں احترام کروں گی تری بڑائی کا

چراغِ ماہ لیے تجھ کو ڈھونڈتی گھر گھر
تمام رات میں یاقوت چُن رہی تھی مگر
یہ کیا کہ میں تری خوشبو کا صرف ذکر سُنوں
تو عکسِ موجۂ گُل ہے تو جسم و جاں میں اُتر
ذرا یہ حبس کٹے، کھُل کے سانس لے پاؤں
کوئی ہوا تو رواں ہو، صبا ہو یا صَرصَر
گئے دنوں کے تعاقب میں تتلیوں کی طرح
ترے خیال کے ہمراہ کر رہی ہوں سفر
ٹھہر گئے ہیں قدم، راستے بھی ختم ہُوئے
مسافتیں رگ و پے میں اُتر رہی ہیں مگر
میں سوچتی تھی، ترا قرب کچھ سکوں دے گا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر
ترا خیال، کہ ہے تارِ عنکبوت تمام
مرا وجود، کہ جیسے کوئی پُرانا کھنڈر!

نیند تو خواب ہے اور ہجر کی شب خواب کہاں
اس اماوس کی گھنی رات میں مہتاب کہاں

رنج سہنے کی مرے دل میں تب و تاب کہاں
اور یہ بھی ہے کہ پہلے سے وہ اعصاب کہاں

میں بھنور سے تو نکل آئی، اور اب سوچتی ہوں
موجِ ساحل نے کیا ہے مجھے غرقاب کہاں

میں نے سوچی تھی تجھے آخری پونجی اپنی
چھوڑ آیا ہے مری ناؤ تہہِ آب کہاں

ہے رواں آگ کا دریا مری شریانوں میں
موت کے بعد بھی ہو پائے گا پایاب کہاں

بند باندھا ہے سَروں کا مرے دہقانوں نے
اب مری فصل کو لے جائے گا سیلاب کہاں

گونگے لبوں پہ حرفِ تمنا کیا مجھے
کس کورچشم شب میں ستارا کیا مجھے

زخمِ ہنر کو سمجھے ہوئے ہے گُلِ ہنر
کس شہرِ ناسپاس میں پیدا کیا مجھے

جب حرف ناشناس یہاں لفظ فہم ہیں
کیوں ذوقِ شعر دے کے تماشا کیا مجھے

خوشبو ہے، چاندنی ہے، لبِ جُو ہے، اور میں
کس بے پناہ رات میں تنہا کیا مجھے

دی تشنگی خدا نے تو چشمے بھی دے دیے
سینے میں دشت، آنکھوں میں دریا کیا مجھے

میں یوں سنبھل گئی کہ تری بے وفائی نے
بے اعتباریوں سے شناسا کیا مجھے

وہ اپنی ایک ذات میں کُل کائنات تھا
دُنیا کے ہر فریب سے مِلوا دیا مجھے

— ق —

اَوروں کے ساتھ میرا تعارف بھی جب ہُوا
ہاتھوں میں ہاتھ لے کے وہ سوچا کیا مجھے
بیتے دنوں کا عکس نہ آئندہ کا خیال
بس خالی خالی آنکھوں سے دیکھا کیا مجھے

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
میرے ہاتھوں کی لکیروں سے اُلجھ جاتی ہیں

جستجو کھوئے ہوؤں کی عمر بھر کرتے رہے
چاند کے ہمراہ ہم ہر شب سفر کرتے رہے

راستوں کا علم تھا ہم کو نہ سمتوں کی خبر
شہرِ نامعلوم کی چاہت مگر کرتے رہے

ہم نے خود سے بھی چھپایا اور سارے شہر کو
تیرے جانے کی خبر دیوار و در کرتے رہے

وہ نہ آئے گا ہمیں معلوم تھا، اس شام بھی —
انتظار اس کا مگر کچھ سوچ کر، کرتے رہے

آج آیا ہے ہمیں بھی اُن اُڑانوں کا خیال
جن کو تیرے زعم میں، بے بال و پر کرتے رہے

زندگی سے نظر ملاؤ کبھی
ہار کے بعد مسکراؤ کبھی

ترکِ اُلفت کے بعد اُمیدِ وفا
ریت پر چل سکی ہے ناؤ کبھی!

اب جفا کی صراحتیں بیکار
بات سے بھر سکا ہے گھاؤ کبھی

شاخ سے موجِ گل تھمی ہے کہیں!
ہاتھ سے رُک سکا بہاؤ کبھی

اندھے ذہنوں سے سوچنے والو
حرف میں روشنی ملاؤ کبھی

بارشیں کیا زمیں کے دُکھ بانٹیں!
آنسوؤں سے بُجھا الاؤ کبھی

اپنے اسپین کی خبر رکھنا
کشتیاں تم اگر جلاؤ کبھی!

سمندروں کے اُدھر سے کوئی صدا آئی
دلوں کے بند دریچے کھُلے، ہوا آئی

سرک گئے تھے جو آنچل، وہ پھر سنوارے گئے
کھُلے ہوئے تھے جو سَر، اُن پہ پھر ردا آئی

اُتر رہی ہیں عجب خوشبوئیں رگ و پے میں
یہ کس کو چھُو کے مرے شہر میں صبا آئی

اُسے پکارا تو ہونٹوں پہ کوئی نام نہ تھا
محبتوں کے سفر میں عجب فضا آئی

کہیں رہے وہ، مگر خیریت کے ساتھ رہے
اُٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دُعا آئی

سحاب تھا کہ ستارہ، گریز پا ہی لگا
وہ اپنی ذات کے ہر رنگ میں ہوا ہی لگا

میں ایسے شخص کی معصومیت پہ کیا لکھوں
جو مجھ کو اپنی خطاؤں میں بھی بھلا ہی لگا

زباں سے چپ ہے مگر آنکھ بات کرتی ہے
نظر اُٹھائی ہے جب بھی تو بولتا ہی لگا

جو خواب دینے پہ قادر تھا، میری نظروں میں
عذاب دیتے ہوئے بھی مجھے خدا ہی لگا

نہ میرے لطف پہ حیراں نہ اپنی اُلجھن پر
مجھے یہ شخص تو ہر شخص سے جدا ہی لگا

تیرا گھر اور میرا جنگل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ
ایسی برساتیں کہ بادل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

بچپنے کا ساتھ ہے، پھر ایک سے دونوں کے دُکھ
رات کا اور میرا آنچل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

وہ عجب دنیا کہ سب خنجر بکف پھرتے ہیں۔ اور
کانچ کے پیالوں میں صندل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

بارشِ سنگِ ملامت میں بھی وہ ہمراہ ہے
مَیں بھی بھیگوں، خود بھی پاگل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

لڑکیوں کے دُکھ عجب ہوتے ہیں، سُکھ اُس سے عجیب
ہنس رہی ہیں اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

بارشیں جاڑے کی اور تنہا بہت میرا کسان
جسم اور اکلوتا کمبل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

بجا کہ آنکھ میں نیندوں کے سلسلے بھی نہیں
شکستِ خواب کے اب مجھ میں حوصلے بھی نہیں

نہیں نہیں! یہ خبر دشمنوں نے دی ہو گی
وہ آئے! آ کے چلے بھی گئے! ملے بھی نہیں!

یہ کون لوگ اندھیروں کی بات کرتے ہیں
ابھی تو چاند تری یاد کے ڈھلے بھی نہیں

ابھی سے میرے رفوگر کے ہاتھ تھکنے لگے
ابھی تو چاک مرے زخم کے سِلے بھی نہیں

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے
وہ برہمی ہے کہ ہم سے اُنھیں گلے بھی نہیں

دسترس سے اپنی، باہر ہو گئے
جب سے ہم اُن کو میسّر ہو گئے
ہم جو کہلائے طلوعِ ماہتاب
ڈوبتے سورج کا منظر ہو گئے

— شہرِ خوباں کا یہی دستور ہے
مُڑ کے دیکھا اور پتھّر ہو گئے
بے وطن کہلائے اپنے دیس میں
اپنے گھر میں رہ کے بے گھر ہو گئے

— سُکھ تری میراث تھے، تجھ کو ملے
دُکھ ہمارے تھے، مقدّر ہو گئے
وہ سراب اُترا رگ و پے میں کہ ہم
خود فریبی میں سمندر ہو گئے
تیری خود غرضی سے خود کو سوچ کر
آج ہم تیرے برابر ہو گئے

دسترس سے اپنی، باہر ہو گئے
جب سے ہم اُن کو میسّر ہو گئے

ہم جو کہلائے طلوعِ ماہتاب
ڈوبتے سورج کا منظر ہو گئے

— شہرِ خوباں کا یہی دستور ہے
مُڑ کے دیکھا اور پتّھر ہو گئے

بے وطن کہلائے اپنے دیس میں
اپنے گھر میں رہ کے بے گھر ہو گئے

— سُکھ تری میراث تھے، تجھ کو ملے
دُکھ ہمارے تھے، مقدّر ہو گئے

وہ سراب اُترا رگ و پے میں کہ ہم
خود فریبی میں سمندر ہو گئے

تیری خود غرضی سے خود کو سوچ کر
آج ہم تیرے برابر ہو گئے

ٹھہر کے دیکھے تو رُک جائے نبضِ ساعت کی
شبِ فراق کی قامت ہے کس قیامت کی

وہ رت جگے، وہ گئی رات تک سخن کاری
شبیں گزاری ہیں ہم نے بھی کچھ ریاضت کی

وہ مجھ کو برف کے طوفاں میں کیسے چھوڑ گیا
ہوائے سرد میں بھی جب مری حفاظت کی

سفر میں چاند کا ماتھا جہاں بھی دُھندلایا
تری نگاہ کی زیبائی نے قیادت کی!

ہوا نے موسمِ باراں سے سازشیں کر لیں
مگر شجر کو خبر ہی نہیں شرارت کی

مسئلہ

"پتھر کی زباں" کی شاعرہ نے
اک محفلِ شعر و شاعری میں
جب نظم سناتے مجھ کو دیکھا
کچھ سوچ کے دل میں، مسکرائی!

جب میز پہ ہم ملے تو اُس نے
بڑھ کر مرے ہاتھ ایسے تھامے
جیسے مجھے کھوجتی ہو کب سے
پھر مجھ سے کہا کہ — آج، پروین!
جب شعر سُناتے تم کو دیکھا
میں خود کو بہت ہی یاد آئی!
وہ وقت، کہ جب تمھاری صورت
میں بھی یونہی شعر کہہ رہی تھی

مسئلہ

"پتھر کی زباں" کی شاعرہ نے
اک محفلِ شعر و شاعری میں
جب نظم سناتے مجھ کو دیکھا
کچھ سوچ کے دل میں، مسکرائی!

جب میز پہ ہم ملے تو اُس نے
بڑھ کر مرے ہاتھ ایسے تھامے
جیسے مجھے کھوجتی ہو کب سے
پھر مجھ سے کہا کہ — آج، پروین!
جب شعر سُناتے تم کو دیکھا
میں خود کو بہت ہی یاد آئی!
وہ وقت، کہ جب تمھاری صورت
میں بھی یونہی شعر کہہ رہی تھی

اوتھیلو

اپنے فون پہ اپنا نمبر
بار بار ڈائل کرتی ہوں
سوچ رہی ہوں
کب تک اُس کا ٹیلی فون اینگیج رہے گا
دل کڑھتا ہے
اتنی اتنی دیر تلک
وہ کس سے باتیں کرتا ہے!

متاعِ قلب و جگر ہیں، ہمیں کہیں سے ملیں
مگر وہ زخم جو اُس دستِ شبنمیں سے ملیں

نہ شام ہے، نہ گھنی رات ہے، نہ پچھلا پہر
عجیب رنگ تری چشمِ سُرمگیں سے ملیں

میں اِس وصال کے لمحے کا نام کیا رکھوں
ترے لباس کی شکنیں تری جبیں سے ملیں

ستائشیں مرے احباب کی نوازش ہیں
مگر صلے تو مجھے اپنے نکتہ چیں سے ملیں

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کہ پل بھر ملیں، یقیں سے ملیں

یہی رہا ہے مقدر، مرے کسانوں کا
کہ چاند بوئیں اور ان کو گہن زمیں سے ملیں

عکسِ شکستِ خواب بہر سُو بکھیریے
چہرے پہ خاک، زخم پہ خوشبو بکھیریے

کوئی گزرتی رات کے پچھلے پہر کبھی
لمحوں کو قید کیجیے، گیسو بکھیریے

دھیمے سُروں میں کوئی مدھر گیت چھیڑیے
ٹھہری ہُوئی ہواؤں میں جادو بکھیریے

گہری خفیفتیں بھی اُترتی رہیں گی پھر
خوابوں کی چاندنی تو لبِ جُو بکھیریے

دامانِ شب کے نام کوئی روشنی تو ہو
تارے نہیں نصیب تو آنسو بکھیریے

دشتِ غزال سے کوئی خوبی تو مانگیے
شہرِ جمال میں رمِ آہُو بکھیریے

وہ تو خوشبو ہے، ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے، بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا

وہ ہواؤں کی طرح خانہ بجاں پھرتا ہے
ایک جھونکا ہے جو آئے گا، گزر جائے گا

وہ جب آئے گا تو پھر اُس کی رفاقت کے لیے
موسمِ گُل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آخرش وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اُتر جائے گا

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا

پانیوں پانیوں جب چاند کا ہالہ اُترا
نیند کی جھیل پہ اک خواب پرانا اُترا

آزمائش میں کہاں عشق بھی پورا اُترا
حسن کے آگے تو تقدیر کا لکھا اُترا

دھوپ ڈھلنے لگی، دیوار سے سایا اُترا
سطح ہموار ہوئی، پیار کا دریا اُترا

یاد سے نام مٹا، ذہن سے چہرہ اُترا
چند لمحوں میں نظر سے تری کیا کیا اُترا

آج کی شب میں پریشاں ہوں تو یوں لگتا ہے
آج مہتاب کا چہرہ بھی ہے اُترا اُترا

میری وحشت رمِ آہو سے کہیں بڑھ کر تھی
جب مری ذات میں تنہائی کا صحرا اُترا

اک شبِ غم کے اندھیرے پہ نہیں ہے موقوف
تو نے جو زخم لگایا ہے وہ گہرا اُترا

خوشبو بھی اُس کی طرزِ پذیرائی پر گئی
دھیرے سے میرے ہاتھ کو چھُو کر گزر گئی

آندھی کی زد میں آئے ہُوئے پھول کی طرح
میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کے فضا میں بکھر گئی

شاخوں نے پھول پہنے تھے کچھ دیر قبل ہی
کیا ہو گیا، قبائے شجر کیوں اُتر گئی

اُن اُنگلیوں کا لمس تھا اور میری زُلف تھی
گیسو بکھر رہے تھے تو قسمت سنور گئی

اُترے نہ میرے گھر میں وہ مہتاب رنگ لوگ
میری دعائے نیم شبی بے اثر گئی

پورا دُکھ اور آدھا چاند! ہجر کی شب اور ایسا چاند!
دن میں وحشت بہل گئی تھی رات ہوئی اور نکلا چاند
کس مقتل سے گزرا ہوگا اتنا سہما سہما چاند
یادوں کی آباد گلی میں گھوم رہا ہے تنہا چاند
میری کروٹ پر جاگ اُٹھے نیند کا کتنا کچا چاند
میرے منہ کو کس حیرت سے دیکھ رہا ہے بھولا چاند
اتنے گھنے بادل کے پیچھے کتنا تنہا ہوگا چاند
آنسو روکے نور نہائے دل دریا، تن صحرا چاند
اتنے روشن چہرے پر بھی سورج کا ہے سایا چاند
جب پانی میں چہرہ دیکھا تو نے کس کو سوچا چاند

برگد کی ایک شاخ ہٹا کر   جانے کس کو جھانکا چاند
بادل کے ریشم جھولے میں   بھور سمے تک سویا چاند
رات کے شانوں پر سر رکھے   دیکھ رہا ہے سپنا چاند
سُوکھے پتّوں کے جُھرمٹ پر   شبنم تھی یا ننّھا چاند
ہاتھ ہلا کر رخصت ہوگا   اُس کی صورت ہجر کا چاند
صحرا صحرا بھٹک رہا ہے   اپنے عشق میں سچّا چاند

رات کے شاید ایک بجے ہیں —
سوتا ہوگا میرا چاند!

دل و نگاہ پہ کس طور کے عذاب اُترے
وہ ماہتاب ہی اُترا، نہ اُس کے خواب اُترے

کہاں وہ رُت کہ جبینوں پہ آفتاب اُترے
زمانہ بیت گیا ان کی آب و تاب اُترے

میں اُس سے کھُل کے ملوں، سوچ کا حجاب اُترے
وہ چاہتا ہے مری رُوح کا نقاب اُترے

اُداس شب میں، کڑی دوپہر کے لمحوں میں
کوئی چراغ، کوئی صورتِ گلاب اُترے

کبھی کبھی ترے لہجے کی شبنمی ٹھنڈک
سماعتوں کے دریچوں پہ خواب خواب اُترے

فصیلِ شہرِ تمنا کی زرد بیلوں پر
ترا جمال کبھی صورتِ سحاب اُترے

تری ہنسی میں نئے موسموں کی خوشبو تھی
نوید ہو کہ بدن سے پرانے خواب اُترے

سپردگی کا مجسّم سوال بن کے کِھلوں
مثالِ قطرۂ شبنم ترا جواب اُترے

تری طرح، مری آنکھیں بھی معتبر نہ رہیں
سفر سے قبل ہی رستوں میں وہ سراب اُترے

ہمیں خبر ہے، ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا، کہ ذرا دیر کو رُکے بھی نہیں!

یارب! مرے سکوت کو نغمہ سرائی دے
زخمِ ہُنر کو حوصلۂ لب کشائی دے

لہجے کو جُوئے آب کی وہ نے نوائی دے
دنیا کو حرف حرف کا بہتا سنائی دے

رگ رگ میں اُس کا لمس اُترتا دکھائی دے
جو کیفیت بھی جسم کو دے، انتہائی دے

شہرِ سخن سے روح کو وہ آشنائی دے
آنکھیں بھی بند رکھوں تو رستہ سجھائی دے

تخئیلِ ماہتاب ہو، اظہارِ آئینہ
آنکھوں کو لفظ لفظ کا چہرہ دکھائی دے

دل کو لہو کروں تو کوئی نقش بن سکے
تو مجھ کو کربِ ذات کی سچّی کمائی دے

دُکھ کے سفر میں منزلِ نایافت کچھ نہ ہو
زخمِ جگر سے زخمِ ہُنر تک رسائی دے

میں عشقِ کائنات میں زنجیر ہو سکوں
مجھ کو حصارِ ذات کے شر سے رہائی دے

پہروں کی تشنگی پہ بھی ثابت قدم رہوں
دشتِ بلا میں، روح مجھے کربلائی دے

دھنک دھنک مری پوروں کے خواب کر دے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کر دے گا

قبائے جسم کے ہر تار سے گزرتا ہُوا
کرن کا پیار مجھے آفتاب کر دے گا

جنوں پسند ہے دل اور تجھ تک آنے میں
بدن کو ناؤ، لہو کو چناب کر دے گا

میں سچ کہوں گی، مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا، اور لاجواب کر دے گا

انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اُٹھ کے بند مری ہر کتاب کر دے گا

سکوتِ شہرِ سخن میں وہ پھول سا لہجہ
سماعتوں کی فضا خواب خواب کر دے گا

اسی طرح سے اگر چاہتا رہا پیہم
سخن وری میں مجھے انتخاب کر دے گا

مری طرح سے کوئی ہے جو زندگی اپنی
تمھاری یاد کے نام انتساب کر دے گا!

کمالِ ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
مَیں اپنے ہاتھ سے اُس کی دُلھن سجاؤں گی

سپُرد کر کے اُسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی

بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
مَیں دل میں روؤں گی، آنکھوں میں مسکراؤں گی

وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی، کسے مناؤں گی

اب اُس کا فن تو کسی اَور سے ہُوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

وہ ایک رشتۂ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اُس کے اشاروں پہ سر جھکاؤنگی

بُجھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اُٹھے تو خوابوں کی راکھ اُٹھاؤں گی

سماعتوں میں گھنے جنگلوں کی سانسیں ہیں
میں اب کبھی تری آواز سُن نہ پاؤں گی

جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبّت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اُس کو بھول جاؤں گی!

کچے زخموں سے بدن سجنے لگے راتوں کے
سبز تحفے مجھے آنے لگے برساتوں کے

جیسے سب رنگ دھنک کے مجھے چھونے آئے
عکس لہراتے ہیں آنکھوں میں مری ساتوں کے

بارشیں آئیں اور آنے لگے خوشرنگ عذاب
جیسے صندوقچے کھلنے لگے سوغاتوں کے

چھو کے گزری تھی ذرا جسم کو بارش کی ہوا
آنچ دینے لگے ملبوس جواں راتوں کے

پھر وہ باتیں وہ ہری بیلوں کے سائے سائے
واقعے خواب ہوئے ایسی ملاقاتوں کے

قریۂ جاں میں کہاں اب وہ سخن کے موسم
سوچ چمکاتی رہے رنگ گئی باتوں کے

کن لکیروں کی نظر سے ترا رستہ دیکھوں
نقش معدوم ہوئے جاتے ہیں ان ہاتھوں کے

تو مسیحا ہے، بدن تنگ ہے تری چارہ گری
تیرے امکاں میں کہاں زخم کڑی باتوں کے

قافلے نکہت و انوار کے بے سمت ہوئے
جب سے دولھا نہیں ہونے لگے باراتوں کے

پھر رہے ہیں مرے اطراف میں بے چہرہ وجود
ان کا کیا نام ہے، یہ لوگ ہیں کن ذاتوں کے

آسمانوں میں وہ مصروف بہت ہے — یا پھر
بانجھ ہونے لگے الفاظ مناجاتوں کے

نم ہیں پلکیں تری اے موجِ ہَوا، رات کے ساتھ
کیا تجھے بھی کوئی یاد آتا ہے برسات کے ساتھ

روٹھنے اور منانے کی حدیں ملنے لگیں
چشم پوشی کے سلیقے تھے، شکایات کے ساتھ

تجھ کو کھو کر بھی رہوں، خلوتِ جاں میں تیری
جیت پائی ہے محبت نے عجب، مات کے ساتھ

نیند لاتا ہُوا، پھر آنکھ کو دُکھ دیتا ہُوا
تجربے دونوں ہیں وابستہ ترے ہات کے ساتھ

کبھی تنہائی سے محروم نہ رکھا مجھ کو
دوست ہمدرد ہیں کتنے، مری ذات کے ساتھ:

جب ہوا تک یہ کہے، نیند کو رخصت جانو
ایسے موسم میں جو خواب آئیں غنیمت جانو

جب تک اُس سادہ قبا کو نہیں چھونے پاتی
موجۂ رنگ کا پندار سلامت جانو

جس گھروندے میں ہوا آتے ہوئے کترائے
دھوپ آجائے تو یہ اُس کی مروّت جانو

دشتِ غربت میں جہاں کوئی شناسا بھی نہیں
ابر رُک جائے ذرا دیر تو رحمت جانو

منہ پہ چھپڑ کا دیا ہو، اندر سے جڑیں کاٹی جائیں
اُس پہ اصرار، اسے عین محبت جانو

ورنہ یوں طنز کا لہجہ بھی کسے ملتا ہے
اُن کا یہ طرزِ سخن خاص عنایت جانو!

جب ہوا تک یہ کہے، نیند کو رخصت جانو
ایسے موسم میں جو خواب آئیں غنیمت جانو

جب تک اُس سادہ قبا کو نہیں چھونے پاتی
موجۂ رنگ کا پندار سلامت جانو

جس گھروندے میں ہوا آتے ہوئے کترائے
دھوپ آجائے تو یہ اُس کی مروّت جانو

دشتِ غربت میں جہاں کوئی شناسا بھی نہیں
ابر رُک جائے ذرا دیر تو رحمت جانو

منہ پہ چھڑکاؤ ہو، اندر سے جڑیں کاٹی جائیں
اُس پہ اصرار، اسے عین محبت جانو

ورنہ یوں طنز کا لہجہ بھی کسے ملتا ہے
اُن کا یہ طرزِ سخن خاص عنایت جانو!

کیا کیا نہ خواب ہجر کے موسم میں کھو گئے
ہم جاگتے رہے تھے مگر بخت سو گئے

اُس نے پیام بھیجے تو رستے میں رہ گئے
ہم نے جو خط لکھے وہ ہَوا بُرد ہو گئے

مَیں شہرِ گُل میں زخم کا چہرہ کسے دکھاؤں
شبنم بدست لوگ تو کانٹے چبھو گئے

آنچل میں پھول لے کے کہاں جا رہی ہوں مَیں
جو آنے والے لوگ تھے، وہ لوگ تو گئے

کیا جانیے، اُفق کے اُدھر کیا طلسم ہے
لَوٹے نہیں زمین پہ، اک بار جو گئے

جیسے بدن سے قوسِ قزح پھوٹنے لگی
بارش کے ہاتھ پھول کے سب زخم دھو گئے

آنکھوں میں دھیرے دھیرے اُتر کے پُرانے غم
پلکوں میں ننھے ننھے ستارے پرو گئے

وہ بچپنے کی نیند تو اب خواب ہو گئی
کیا عمر تھی کہ رات ہُوئی اور سو گئے!

کیا دُکھ تھے، کون جان سکے گا، نگارِ شب!
جو میرے اور تیرے دوپٹے بھگو گئے!

ویسے تو کج ادائی کا دکھ کب نہیں سہا — آج اُس کی بے رُخی نے مگر دل دُکھا دیا

موسم مزاج تھا، نہ زمانہ سرشت تھا — میں اب بھی سوچتی ہوں وہ کیسے بدل گیا

دکھ سب کے مشترک تھے مگر حوصلے جُدا — کوئی بکھر گیا تو کوئی مُسکرا دیا

جھوٹے تھے سارے پھول جو پیڑوں میں آئے تھے — کوئی شگوفہ بھی تو ثمر ور نہیں ہُوا

وہ چوٹ کیا ہُوئی کہ جو آنسو نہ بن سکی — وہ درد کیا ہُوا کہ جو مصرعہ نہ بن سکا

ایسے بھی زخم تھے کہ چھپاتے پھرے ہیں ہم — درپیش تھا کسی کے کرم کا معاملہ

آلودۂ سخن بھی نہ ہونے دیا اُسے — ایسا بھی دکھ ملا جو کسی سے نہیں کہا

تیرا خیال کر کے میں خاموش ہو گئی — ورنہ زبانِ خلق سے کیا کیا نہیں سُنا

میں جانتی ہوں میری بھلائی اسی میں تھی — لیکن یہ فیصلہ بھی کچھ اچھا نہیں ہُوا

میں برگ برگ اُس کو نمو بخشتی رہی
وہ شاخ شاخ میری جڑیں کاٹتا رہا!

ڈسنے لگے ہیں خواب مگر کس سے بولیے
میں جانتی تھی، پال رہی ہوں سنپولیے!

بس یہ ہُوا کہ اُس نے تکلّف سے بات کی
اور ہم نے روتے روتے دوپٹّے بھگو لیے

پلکوں پہ کچی نیندوں کا رس پھیلتا ہو جب
ایسے میں آنکھ دھوپ کے رُخ کیسے کھولیے

تیری برہنہ پائی کے دُکھ بانٹتے ہُوئے
ہم نے خود اپنے پاؤں میں کانٹے چبھو لیے

میں تیرا نام لے کے تذبذب میں پڑ گئی
سب لوگ اپنے اپنے عزیزوں کو رو لیے!

"خوشبو کہیں نہ جائے" یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ ذرا زلف کھولیے

تصویر جب نئی ہے، نیا کینوس بھی ہے
پھر طشتری میں رنگ پرانے نہ گھولیے

یاد کیا آئی کہ روشن ہو گئے آنسو کے گھر
جنگلوں میں شام اُتری، جل اُٹھے جگنو کے گھر

رات کی رانی کا آنچل تھام کر چلتی ہوں میں
آج کی شب زندگی مہماں ہوئی، خوشبو کے گھر

رات میں بھیگے ہُوئے جنگل کا منظر دیکھنے
شب گزیدہ لوگ کیسے جائیں گے جگنو کے گھر

کیا عجب جو سر کٹے لوگوں کی پرچھائیں ملی
شہر میں کُھلنے لگے ہیں جا بجا جادو کے گھر

تجھ میں خواہش تھی کہ گہری رات کا تارہ بنے
آ، کہ اب پہلے سے بھی تاریک ہیں گیسو کے گھر

پہلے یہ منظر پڑھا تھا صرف، اب دیکھا بھی ہے
بانسری بجتی رہی، جلتے رہے نِیرو کے گھر!

درد پھر جاگا، پرانا زخم پھر تازہ ہُوا
فصلِ گُل کتنے قریب آئی ہے، اندازہ ہُوا

صبح یوں نکلی، سنور کے جس طرح کوئی دُلھن
شبنم آویزہ ہُوئی، رنگِ شفق غازہ ہُوا

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اُس کے گھر کا دروازہ ہُوا

ریل کی سیٹی میں کیسے ہجر کی تمہید تھی
اُس کو رخصت کر کے گھر لوٹے تو اندازہ ہُوا

یاد کیا آئیں گے وہ لوگ جو آئے، نہ گئے
کیا پذیرائی ہو اُن کی جو بُلائے نہ گئے

اب وہ نیندوں کا اُجڑنا تو نہیں دیکھیں گے
وہی اچھے تھے جنھیں خواب دکھائے نہ گئے

رات بھر میں نے کھُلی آنکھوں سے سپنا دیکھا
رنگ وہ پھیلے کہ نیندوں سے چُرائے نہ گئے

بارشیں رقص میں تھیں اور زمیں ساکت تھی
عام تھا فیض مگر رنگ کمائے نہ گئے

پر سمیٹے ہُوئے شاخوں میں پرندے آ کر
ایسے سوئے کہ ہوا سے بھی جگائے نہ گئے

تیز بارش ہو، گھنا پیڑ ہو، اک لڑکی ہو
ایسے منظر کبھی شہروں میں تو پائے نہ گئے

روشنی آنکھ نے پی اور سرِ مژگانِ خیال
چاند وہ چمکے کہ سورج سے بجھائے نہ گئے!

گلاب ہاتھ میں ہو، آنکھ میں ستارہ ہو
کوئی وجود محبت کا استعارہ ہو

میں گہرے پانی کی اس رو کے ساتھ بہتی رہوں
جزیرہ ہو کہ مقابل کوئی کنارہ ہو

کبھی کبھار اُسے دیکھ لیں، کہیں مل لیں
یہ کب کہا تھا کہ وہ خوش بدن ہمارا ہو

قصور ہو تو ہمارے حساب میں لکھ جائے
محبتوں میں جو احسان ہو، تمھارا ہو

یہ اتنی رات گئے کون دستکیں دے گا
کہیں ہوا کا ہی اُس نے نہ روپ دھارا ہو

افق تو کیا ہے، درِ کہکشاں بھی چھو آئیں
مسافروں کو اگر چاند کا اشارہ ہو

میں اپنے حصّے کے سُکھ جس کے نام کر ڈالوں
کوئی تو ہو جو مجھے اس طرح کا پیارا ہو

اگر وجود میں آہنگ ہے تو وصل بھی ہے
میں چاہے نظم کا ٹکڑا، وہ نثر پارہ ہو!

نیم خوابی کا فسوں ٹوٹ رہا ہو جیسے
آنکھ کا نیند سے دل چھوٹ رہا ہو جیسے

رنگ پھیلا تھا لہو میں نہ ستارہ چمکا
اب کے ہر لمس ترا جھوٹ رہا ہو جیسے

پھر شفق رنگ ہوئی کوچۂ جاناں کی زمیں
آبلہ پاؤں کا پھر پھوٹ رہا ہو جیسے

روشنی پائی نہیں، رات بھی باقی ہے ابھی
چاند سے ربط مگر ٹوٹ رہا ہو جیسے!

سرخ بیلیں تو ستونوں میں چڑھی ہیں لیکن
کوئی آنگن کا سکوں لوٹ رہا ہو جیسے!

ہَوا کی دُھن پر بن کی ڈالی ڈالی گائے
کوئل کو کے جنگل کی ہریالی گائے

رُت وہ ہے جب کونپل کی خوشبو سُر مانگے
پُروا کے ہمراہ عمر یا بالی گائے

مورنی بن کر پروا سنگ میں جب بھی ناچوں
پُروا بھی بن میں ہو کر متوالی گائے

رات گئے میں بندیا کھو جنے جب بھی نکلوں
کنگن کھنکے اور کانوں کی بالی گائے

رنگ منایا جائے، خوشبو کھیلی جائے
پھول ہنسیں، پتّے ناچیں اور مالی گائے

میرے بدن کا رواں رواں اس میں بھیگے
نشّے میں اور ہوا بھوپالی گائے

سجے ہوئے ہیں پلکوں پر خوش رنگ دیئے سے
آنکھ ستاروں کی چھاؤں دیوالی گائے

ہوا کے سنگ چلے رہ رہ کے سئے ہنسی کی
جیسے دریا پار کوئی بھٹیالی گائے

ساجن کا اصرار کہ ہم تو گیت سنیں گے
گوری چپ ہے لیکن مکھ کی لالی گائے

منہ سے نہ بولے، نین مگر مسکاتے جائیں
اُجلی دھوپ نہ بولے، رینا کالی گائے

دھانی بانکیں جب بھی سہاگن کو پہنائے
شوخ سُروں میں کیا کیا چوڑی والی گائے

محنت کی سندرتا کھیتوں میں پھیلی ہے
نرم ہوا کی دھن پر دھان کی بالی گائے

خود کو بکتے دیکھ رہی ہے لیکن چپ ہے
میری صورت بھولی صورت والی گائے

سجے ہوئے ہیں پلکوں پر خوش رنگ دیئے سے
آنکھ ستاروں کی چھاؤں دیوالی گائے

ہوا کے سنگ چلے رہ رہ کے سئے ہنسی کی
جیسے دریا پار کوئی بھٹیالی گائے

ساجن کا اصرار کہ ہم تو گیت سنیں گے
گوری چپ ہے لیکن مکھ کی لالی گائے

منہ سے نہ بولے، نین مگر مسکاتے جائیں
اُجلی دھوپ نہ بھولے، رینا کالی گائے

دھانی بانکیں جب بھی سہاگن کو پہنائے
شوخ سُروں میں کیا کیا چوڑی والی گائے

محنت کی سندرتا کھیتوں میں پھیلی ہے
نرم ہوا کی دھن پر دھان کی بالی گائے

خود کو بکتے دیکھ رہی ہے لیکن چپ ہے
میری صورت بھولی صورت والی گائے

خوشبو ہے وہ تو چھُو کے بدن کو گزر نہ جائے
جب تک مرے وجود کے اندر اُتر نہ جائے

خود پھُول نے بھی ہونٹ کیے اپنے نیم وا
چوری تمام رنگ کی، تتلی کے سر نہ جائے

ایسا نہ ہو کہ لمس بدن کی سزا بنے
جی پھول کا، ہوا کی محبت سے بھر نہ جائے

اس خوف سے وہ ساتھ نبھانے کے حق میں ہے
کھو کر مجھے، یہ لڑکی کہیں دُکھ سے مر نہ جائے

شدت کی نفرتوں میں سدا جس نے سانس لی
شدت کا پیار پا کے خلا میں بکھر نہ جائے

اُس وقت تک کناروں سے ندی چڑھی رہے
جب تک سمندروں کے بدن میں اُتر نہ جائے

پلکوں کو اُس کی، اپنے دوپٹے سے پونچھ دوں
کل کے سفر میں آج کی گردِ سفر نہ جائے

مَیں کس کے ہاتھ بھیجوں اُسے آج کی دعا
قاصد، ہوا، ستارہ، کوئی اُس کے گھر نہ جائے

خوشبو ہے وہ تو چھُو کے بدن کو گزر نہ جائے
جب تک مرے وجود کے اندر اُتر نہ جائے

خود پھُول نے بھی ہونٹ کیے اپنے نیم وا
چوری تمام رنگ کی، تتلی کے سر نہ جائے

ایسا نہ ہو کہ لمس بدن کی سزا بنے
جی پھول کا، ہوا کی محبت سے بھر نہ جائے

اس خوف سے وہ ساتھ نبھانے کے حق میں ہے
کھو کر مجھے، یہ لڑکی کہیں دُکھ سے مر نہ جائے

شدت کی نفرتوں میں سدا جس نے سانس لی
شدت کا پیار پا کے خلا میں بکھر نہ جائے

اُس وقت تک کناروں سے ندی چڑھی رہے
جب تک سمندروں کے بدن میں اُتر نہ جائے

پلکوں کو اُس کی، اپنے دوپٹے سے پونچھ دوں
کل کے سفر میں آج کی گردِ سفر نہ جائے

مَیں کس کے ہاتھ بھیجوں اُسے آج کی دعا
قاصد، ہوا، ستارہ، کوئی اُس کے گھر نہ جائے

اپنی ہی صدا سنوں کہاں تک
جنگل کی ہوا رہوں کہاں تک

ہر بار ہَوا نہ ہو گی در پر
ہر بار مگر اُٹھوں کہاں تک

دم گھٹتا ہے گھر میں حبس وہ ہے
خوشبو کے لیے رُکوں کہاں تک

پھر آکے ہوائیں کھول دیں گی
زخم اپنے رفو کروں کہاں تک

ساحل پہ سمندروں سے بچ کر
میں نام ترا لکھوں کہاں تک

تنہائی کا ایک ایک لمحہ
ہنگاموں سے قرض لوں کہاں تک

گر لمس نہیں تو لفظ ہی بھیج
میں تجھ سے جُدا رہوں کہاں تک

سُکھ سے بھی تو دوستی کبھی ہو
دکھ سے ہی گلے ملوں کہاں تک

منسوب ہو ہر کرن کسی سے
اپنے ہی لیے جلوں کہاں تک

آنچل مرے بھر کے پھٹ رہے ہیں
پھوُل اُس کے لیے چُنوں کہاں تک

دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اُتر گیا ہے وہ سرطان کی طرح

جکڑے ہُوئے ہے تن کو مرے اس کی آرزو
پھیلا ہُوا ہے جال سا شریان کی طرح

دیوار و دیوار نے جس کے لیے ہجر کاٹے تھے
آیا تھا چند روز کو، مہمان کی طرح

دُکھ کی رُتوں میں پیڑ نے تنہا سفر کیا
پتّوں کو پہلے بھیج کے سامان کی طرح

گہرے خنک اندھیرے میں اُجلے تکلّفات
گھر کی فضا بھی ہو گئی شیزان کی طرح

ق

ڈوبا ہُوا ہے حسنِ سخن میں سکوتِ شب
تارِ ربابِ رُوح میں کلیان کی طرح

آہنگ کے جمال میں انجیل کی دعا
زمی میں اپنی سورۂ رحمان کی طرح

چھُونے سے قبل رنگ کے پیکر پگھل گئے
مُٹھی میں آنہ پائے کہ جگنو نکل گئے

پھیلے ہوئے تھے جاگتی نیندوں کے سلسلے
آنکھیں کھُلیں تو رات کے منظر بدل گئے

کب حدتِ گلاب پہ حرف آنے پائے گا
تتلی کے پر اُڑان کی گرمی سے جل گئے

آگے تو صرف ریت کے دریا دکھائی دیں
کن بستیوں کی سمت مسافر نکل گئے

پھر چاندنی کے دام میں آنے کو تھے گلاب
صد شکر نیند کھونے سے پہلے سنبھل گئے

چہرہ نہ دکھا، صدا سُنا دے　　جینے کا ذرا تو حوصلہ دے

دکھلا کسی طور اپنی صورت　　آنکھوں کو مزید مت سزا دے

چھُو کر مری سوچ - میرے تن میں　　بیلیں ہرے رنگ کی اُگا دے

جاناں! نہ خیالِ دوستی کر　　دے زہر جو اَب تو تیز سا دے

شدّت ہے مزاج میرے خوں کا　　نفرت کی بھی دے تو انتہا دے

ٹوٹی ہوئی شام منتظر ہے　　جھک کر مجھے آئنہ دکھا دے

دل پھٹنے لگا ہے ضبطِ غم سے　　مالک! کوئی دردِ آشنا دے

سوئی ہے ابھی تو جاگ کے شبنم　　ایسا نہ ہو موجِ گُل اُٹھا دے

چکھوں ممنوعہ ذائقے بھی

دل! سانپ سے دوستی بڑھا دے

دستِ شب پر دکھائی کیا دیں گی
سلوٹیں روشنی میں اُبھریں گی

گھر کی دیواریں میرے جانے پر
اپنی تنہائیوں کو سوچیں گی

اُنگلیوں کو تراش دوں، پھر بھی
عادتاً اُس کا نام لکھیں گی

رنگ و بُو سے کہیں پناہ نہیں
خواہشیں بھی کہاں اماں دیں گی

ایک خوشبو سے بچ بھی جاؤں اگر
دوسری نکہتیں جکڑ لیں گی

خواب میں تتلیاں پکڑنے کو
نیندیں بچوں کی طرح دوڑیں گی

کھڑکیوں پر دبیز پردے ہوں
بارشیں پھر بھی دستکیں دیں گی!

دستِ شب پر دکھائی کیا دیں گی
سلوٹیں روشنی میں اُبھریں گی

گھر کی دیواریں میرے جانے پر
اپنی تنہائیوں کو سوچیں گی

اُنگلیوں کو تراش دوں، پھر بھی
عادتاً اُس کا نام لکھیں گی

رنگ و بُو سے کہیں پناہ نہیں
خواہشیں بھی کہاں اَماں دیں گی

ایک خوشبو سے بچ بھی جاؤں اگر
دوسری نکہتیں جکڑ لیں گی

خواب میں تتلیاں پکڑنے کو
نیندیں بچوں کی طرح دوڑیں گی

کھڑکیوں پہ دبیز پردے ہوں
بارشیں پھر بھی دستکیں دیں گی!

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے مری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ

تتلی سے مرا پیار کچھ ایسے بھی بڑھا ہے
دونوں میں رہا لذتِ پرواز کا رشتہ

سب لڑکیاں اک دوسرے کو جان رہی ہیں
یوں عام ہوا مسلکِ شہناز کا رشتہ

راتوں کی ہوا اور مرے تن کی مہک میں
مشترکہ ہوا اک درِ کم باز کا رشتہ

تتلی کے لبوں اور گلابوں کے بدن میں
رہتا ہے سدا چھوٹے سے اک راز کا رشتہ

ملنے سے گریزاں ہیں، نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے کس انداز کا رشتہ!

حلقۂ رنگ سے باہر دیکھوں
خود کو خوشبو میں سمو کر دیکھوں

اُس کو بینائی کے اندر دیکھوں
عمر بھر دیکھوں کہ پل بھر دیکھوں

کس کی نیندوں کے چُرالائی رنگ
موجۂ زلف کو چُھو کر دیکھوں

زرد برگد کے اکیلے بن میں
اپنی تنہائی کے منظر دیکھوں

موت کا ذائقہ لکھنے کے لیے
چند لمحوں کو ذرا مَر دیکھوں!

کیسے کیسے تھے جزیرے خواب میں
بہہ گئے سب نیند کے سیلاب میں

لڑکیاں بیٹھی تھیں پاؤں ڈال کر
روشنی سی ہو گئی تالاب میں

جکڑے جانے کی تمنا تیز تھی
آ گئے پھر حلقۂ گرداب میں

ڈوبتے سورج کی نارنجی تھکن
تیرتی ہے دیدۂ خوناب میں

وہ تو میرے سامنے بیٹھا تھا — پھر
کس کا چہرہ نقش تھا مہتاب میں!

مشترکہ دُشمن کی بیٹی

ننھے سے اک چینی ریستوران کے اندر
میں اور میری نیشنلسٹ کولیگز
کیٹس کی نظموں جیسے دلآویز دھندلکے میں بیٹھی
سُوپ کے پیالے سے اُٹھتی، خوش لمس مہک کو
تن کی سیرابی میں بدلتا دیکھ رہی تھیں
باتیں "ہوا نہیں پڑھ سکتی"، تاج محل، میسور کے ریشم
اور بنارس کی ساڑی کے ذکر سے جھلمل کرتی
پاک و ہند سیاست تک آ نکلیں
پینسٹھ — اُس کے بعد اکہتّر — جنگی قیدی
امرتسر کا ٹی وی —
پاکستانی کلچر — محاذِ نو — خطرے کی گھنٹی . . . .

میری جوشیلی کولیگز
اس حملے پر بہت خفا تھیں

میں نے کچھ کہنا چاہا، تو
اُن کے منہ یوں بگڑ گئے تھے
جیسے سُوپ کے بدلے اُنھیں کونین کا رس پینے کو ملا ہو
ریستوران کے مالک کی ہنس مکھ بیوی بھی
میری طرف شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی
(شاید سنہ باسٹھ کا کوئی تیر ابھی تک اُس کے دل میں ترازو تھا!)

ریستوران کے در و دیوار جیسے
ہائی بلڈ پریشر انساں کے جسم کی جیسی جھلّاہٹ در آئی تھی
یہ کیفیت کچھ لمحے رہتی
تو ہمارے ذہنوں کی شریانیں پھٹ جاتیں
لیکن اُس پل، آرکسٹرا خاموش ہُوا
اور لتا کی رس ٹپکاتی، شہد آگیں آواز، کچھ ایسے اُبھری
جیسے حبس زدہ کمرے میں
دریا کے رُخ والی کھڑکی کھلنے لگی ہو!
میں نے دیکھا
جسموں اور چہروں کے تناؤ پر

ان دیکھے ہاتھوں کی ٹھنڈک
پیار کی شبنم چھڑک رہی تھی
مسخ شدہ چہرے جیسے پھر سنور رہے تھے
میری نیشنلسٹ کولیگز
ہاتھوں کے پیالوں میں اپنی ٹھوڑیاں رکھے
ساکت و جامد بیٹھی تھیں
گیت کا جادو بول رہا تھا!
میز کے نیچے
ریستوران کے مالک کی ہنس مکھ بیوی کے
نرم گلابی پاؤں بھی
گیت کی ہمراہی میں تھرک رہے تھے!

مشترکہ دشمن کی بیٹی
مشترکہ محبوب کی صورت
اُجلے ریشم لہجوں کی باہیں پھیلائے
ہمیں سمیٹے
ناچ رہی تھی!

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

لہرا رہی ہے برف کی چادر ہٹا کے گھاس
سورج کی شہ پہ تنکے بھی بے باک ہو گئے

بستی میں جتنے آب گزیدہ تھے سب کے سب
دریا کے رُخ بدلتے ہی تیراک ہو گئے

سورج دماغ لوگ بھی ابلاغِ فکر میں
زُلفِ شبِ فراق کے پیچاک ہو گئے

جب بھی غریبِ شہر سے کچھ گفتگو ہوئی
لہجے ہوائے شام کے نمناک ہو گئے

کیا ڈوبتے ہوؤں کی صدائیں سمیٹتیں
سیلاب کی سماعتیں، آندھی کو رہن تھیں

کائی کی طرح لاشیں چٹانوں پہ اُگ گئیں
زرخیزیوں سے اپنی پریشان تھی زمیں

پیڑوں کا ظرف وہ کہ جڑیں تک نکال دیں
پانی کی پیاس ایسی کہ بجھتی نہ تھی کہیں

بچّوں کے خواب پی کے بھی حلقوم خشک تھے
دریا کی تشنگی میں بڑی وحشتیں رہیں

بارش کے ہاتھ چُنتے رہے بستیوں سے خواب
نیندیں ہوائے تند کی موجوں کو بھا گئیں

کیا ڈوبتے ہوؤں کی صدائیں سمیٹتیں
سیلاب کی سماعتیں، آندھی کو رہن تھیں

کائی کی طرح لاشیں چٹانوں پہ اُگ گئیں
زرخیزیوں سے اپنی پریشان تھی زمیں

پیڑوں کا ظرف وہ کہ جڑیں تک نکال دیں
پانی کی پیاس ایسی کہ بجھتی نہ تھی کہیں

بچّوں کے خواب پی کے بھی حلقوم خشک تھے
دریا کی تشنگی میں بڑی وحشتیں رہیں

بارش کے ہاتھ چُنتے رہے بستیوں سے خواب
نیندیں ہوائے تند کی موجوں کو بھا گئیں

ملبے سے ہر مکان کے، نکلے ہُوئے تھے ہاتھ
آندھی کو تھامنے کی بڑی کوششیں ہوئیں

تعویذ والے ہاتھ مگر مجھ کے پاس تھے
تہہ سے، دعا لکھی ہُوئی پیشانیاں ملیں

موجوں کے ساتھ سانپ بھی پھنکارنے لگے
جنگل کی وحشتیں بھی سمندر سے مل گئیں

بس رقص پانیوں کا تھا وحشت کے راگ پر
دریا کو سب دھنیں تو ہواؤں نے لکھ کے دیں!

رات کے زہر سے رسیلے ہیں
صبح کے ہونٹ کتنے نیلے ہیں!

ریت پر تیرتے جزیرے ملیں
پانیوں پر ہوا کے ٹیلے ہیں

ریزگی کا عذاب سہنا ہے
خوف سے سارے پیڑ پیلے ہیں

ہجر، سناٹا، پچھلے پہر کا چاند
خود سے ملنے کے کچھ وسیلے ہیں

دستِ خوشبو کرے مسیحائی
ناخنِ گل نے زخم چھیلے ہیں

عشق سورج سے وہ بھی فرمائیں
جو شبِ تار کے رکھیلے ہیں

خوشبوئیں پھر بچھڑ نہ جائیں کہیں
ابھی آنچل ہوا کے گیلے ہیں

کھڑکی دریا کے رخ پہ جب سے کھلی
فرش کمروں کے سیلے سیلے ہیں

زمیں کے حلقے سے نکلا تو چاند پچھتایا
کشش بچھانے لگا ہے ہر اگلا سیّارہ

ہیں پانیوں کی مسافر، وہ آسمانوں کا
کہاں سے ربط بڑھائیں کہ درمیاں ہے خلا

بچھڑتے وقت دلوں کو اگرچہ دکھ تو ہُوا
کھُلی فضا میں مگر سانس لینا اچھا لگا

جو صرف روح تھا، فرقت میں بھی، وصال میں بھی!
اُسے بدن کے اثر سے رہا تو ہونا تھا

گئے دنوں میں جو تھا ذہن و جسم کی لذّت
وہی وصال طبیعت کا جبر بننے لگا

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا!

برس سکے تو برس جائے اس گھڑی، ورنہ
بکھیر ڈالے گی بادل کے سارے خواب، ہوا

ہیں جگنوؤں کی طرح رات بھر کا چاند ہوئی
ذرا سی دھوپ نکل آئی اور ماند ہوئی

حدودِ رقص سے آگے نکل گئی تھی کبھی
سو مورنی کی طرح عمر بھر کو راند ہوئی

مہِ تمام! ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تری روشنی بھی ماند ہوئی

ٹکے کا چارہ نہ گیتاں کو زندگی میں دیا
جو مر گئی ہے تو سونے کے مول ناند ہوئی

نہ پوچھ، کیوں اُسے جنگل کی رات اچھی لگی
وہ لڑکی جو کہ کبھی تیرے گھر کا چاند ہوئی

اب کون سے موسم سے کوئی آس لگائے
برسات میں بھی یاد نہ جب اُن کو ہم آئے

مٹی کی مہک سانس کی خوشبو میں اُتر کر
بھیگے ہوئے سبزے کی ترائی میں بلائے

دریا کی طرح موج میں آئی ہوئی برکھا
زردائی ہوئی رُت کو ہرا رنگ پلائے

بوندوں کی چھما چھم سے بدن کانپ رہا ہے
اور مست ہوا رقص کی لَے تیز کیے جائے

شاخیں ہیں تو وہ رقص میں، پتّے ہیں تو رم میں
پانی کا نشہ ہے کہ درختوں کو چڑھا جائے

ہر لہر کے پاؤں سے لپٹنے لگے گھنگھرو
بارش کی ہنسی تال پہ پازیب جو چھنکائے

انگور کی بیلوں پہ اُتر آئے ستارے
رُکتی ہوئی بارش نے بھی کیا رنگ دکھائے

ہمارے عہد میں شاعر کے نرخ کیوں نہ بڑھیں
امیرِ شہر کو لاحق ہوئی سخن فہمی

ہمارے عہد میں شاعر کے نرخ کیوں نہ بڑھیں
امیرِ شہر کو لاحق ہوئی سخن فہمی

سرگوشئ بہار سے خوشبو کے در کھُلے
کس اسم کے جمال سے بابِ ہُنر کھُلے

جب رنگ پابہ گِل ہوں، ہوائیں بھی قید ہوں
کیا اُس فضا میں پرچمِ زخمِ جگر کھُلے

خیمے سے دُور، شام ڈھلے، اجنبی جگہ
نکلی ہوں کس کی کھوج میں، بے وقت، سر کھُلے

شاید کہ چاند بھُول پڑے راستہ کبھی
رکھتے ہیں اس امید پہ کچھ لوگ گھر کھُلے

وہ مجھ سے دُور، خوش ہے؟ خفا ہے؟ اُداس ہے؟
کس حال میں ہے؟ کچھ تو مرا نامہ بر کھُلے

ہر رنگ میں وہ شخص نظر کو بھلا لگے
حد یہ کہ روٹھ جانا بھی اُس شوخ پر کُھلے

کھل جائے کن ہواؤں سے ریشمِ بدن ہی
خلوت میں پھول سے کبھی تتلی اگر کُھلے

راتیں تو قافلوں کی معیّت میں کاٹ لیں
جب روشنی بٹی تو کئی راہبر کُھلے

کہاں آرام لمحہ بھر رہا ہے
سفر، میرا تعاقب کر رہا ہے

رہی ہوں بے اماں موسم کی زد پر
ہتھیلی پہ ہوا کی، سر رہا ہے

میں اک نوزائیدہ چڑیا ہوں لیکن
پرانا باز، مجھ سے ڈر رہا ہے

پذیرائی کو میری، شہرِ گل میں
صبا کے ہاتھ میں پتھر رہا ہے

ہوائیں چھُو کے رستہ بھول جائیں
مرے تن میں کوئی منتر رہا ہے

میں اپنے آپ کو ڈسنے لگی ہوں
مجھے اب زہر اچھا کر رہا ہے

کھلونے پا لیے ہیں مَیں نے لیکن
مرے اندر کا بچّہ مر رہا ہے!

نہ قرضِ ناخنِ گُل، نام کو، لوں
ہَوا ہُوں، اپنی گرہیں آپ کھولوں

تری خوشبو بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں

کھُلی آنکھوں سے سپنے قرض لے کر
تری تنہائیوں میں رنگ گھولوں

ملے گی آنسوؤں سے تن کو ٹھنڈک
بڑی لُو ہے، ذرا آنچل بھگو لوں

وہ اب میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا، اُس سے نہ بولوں

میں چڑیا کی طرح، دن بھر تھکی ہوں
ہوئی ہے شام تو کچھ دیر سو لوں

چلوں مقتل سے اپنے شام، لیکن
میں پہلے اپنے پیاروں کو تو رو لوں

مرا نوحہ کناں کوئی نہیں ہے
سو اپنے سوگ میں خود بال کھولوں

عمر بھر کے لیے اب تو سوئی کی سوئی ہی معصوم شہزادیاں رہ گئیں
نیند چُنتے ہُوئے ہاتھ ہی تھک گئے وہ بھی جب آنکھ کی سوئیاں رہ گئیں

لوگ گلیوں سے ہو کر گزرتے رہے، کوئی ٹھٹکا، نہ ٹھہرا، نہ واپس ہُوا
ادھ کھُلی کھڑکیوں سے لگی، شام سے راہ تکتی ہُوئی لڑکیاں رہ گئیں

پاؤں چھُو کر پُجاری الگ ہو گئے، نیم تاریک مندر کی تنہائی میں
آگ بنتی ہُوئی تن کی نوخیز خوشبو سمیٹے ہُوئے دیویاں رہ گئیں

وہ ہَوا تھی کہ کچے مکانوں کی چھت اُڑ گئی، اور مکیں لاپتہ ہو گئے
اب تو موسم کے ہاتھوں (خزاں میں) اُجڑنے کو بس خواب کی بستیاں رہ گئیں

عمر بھر کے لیے اب تو سوئی کی سوئی ہی معصوم شہزادیاں رہ گئیں
نیند چُنتے ہُوئے ہاتھ ہی تھک گئے وہ بھی جب آنکھ کی سوئیاں رہ گئیں

لوگ گلیوں سے ہو کر گزرتے رہے، کوئی ٹھٹکا، نہ ٹھہرا، نہ واپس ہُوا
ادھ کھُلی کھڑکیوں سے لگی، شام سے راہ تکتی ہُوئی لڑکیاں رہ گئیں

پاؤں چھُو کر پُجاری الگ ہو گئے، نیم تاریک مندر کی تنہائی میں
آگ بنتی ہُوئی تن کی نوخیز خوشبو سمیٹے ہُوئے دیویاں رہ گئیں

وہ ہَوا تھی کہ کچے مکانوں کی چھت اُڑ گئی، اور مکیں لاپتہ ہو گئے
اب تو موسم کے ہاتھوں (خزاں میں) اُجڑنے کو بس خواب کی بستیاں رہ گئیں

جانے پھر اگلی صدا کس کی تھی
نیند نے آنکھ پہ دستک دی تھی

موج در موج ستارے نکلے
جھیل میں چاند کرن اُتری تھی

پریاں آئی تھیں کہانی کہنے
چاندنی رات نے لوری دی تھی

بات خوشبو کی طرح پھیل گئی
پیرہن میرا، شکن تیری تھی

آنکھ کو یاد ہے وہ پل اب بھی
نیند جب پہلے پہل ٹوٹی تھی

عشق تو خیر تھا اندھا لڑکا
حسن کو کون سی مجبوری تھی

کیوں وہ بے سمت ہُوا، جب میں نے
اُس کے بازو پہ دعا باندھی تھی

دُکھ نوشتہ ہے تو آندھی کو لکھا! آہستہ
اے خدا اب کے چلے زرد ہوا، آہستہ

خواب جل جائیں، مری چشمِ تمنا بُجھ جائے
بس ہتھیلی سے اُڑے رنگِ حنا آہستہ!

زخم ہی کھولنے آئی ہے تو عجلت کیسی
چُھو مرے جسم کو، اے بادِ صبا! آہستہ!

ٹوٹنے اور بکھرنے کا کوئی موسم ہو
پھول کی ایک دُعا — موجِ ہوا! آہستہ

جانتی ہوں کہ تجھے ساتھ تو رکھنا ہے مگر
پر مری جان! سزا دے بھی تو کیا آہستہ

میری چاہت میں بھی اب سوچ کا رنگ آنے لگا
اور ترا پیار بھی شدت میں ہُوا آہستہ

نیند پر جال سے پڑنے لگے آوازوں کے
اور پھر ہونے لگی تیری صدا آہستہ

رات جب پھول کے رخسار پہ دھیرے سے جھکی
"چاند نے جھک کے کہا اور ذرا آہستہ!"

منظر ہے وہی ٹھٹھک رہی ہوں
حیرت سے پلک جھپک رہی ہوں

یہ تُو ہے کہ میرا واہمہ ہے!
بند آنکھوں سے تجھ کو تک رہی ہوں

جیسے کہ کبھی نہ تھا تعارف
یوں ملتے ہُوئے جھجک رہی ہوں

پہچان! میں تیری روشنی ہوں
اور تیری پلک پلک رہی ہوں

کیا چین ملا ہے۔ سر جو اُس کے
شانوں پہ رکھے سسک رہی ہوں

پتھر پہ کھِلی، پہ چشمِ گُل میں
کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہوں

جگنو کہیں تھک کے گر چکا ہے
جنگل میں کہاں بھٹک رہی ہوں

گڑیا مری سوچ کی چھنی گیا
بچّی کی طرح بلک رہی ہوں

اک عمر ہوئی ہے خود سے لڑتے
اندر سے تمام تھک رہی ہوں

رس پھر سے جڑوں میں جا رہا ہے
میں شاخ پہ کب سے پک رہی ہوں

تخلیقِ جمالِ فن کا لمحہ!
کلیوں کی طرح چٹک رہی ہوں

پتھر پہ کھِلی، پہ چشمِ گُل میں
کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہوں

جگنو کہیں تھک کے گِر چکا ہے
جنگل میں کہاں بھٹک رہی ہوں

گُڑیا مری سوچ کی چھِنی کیا
بچّی کی طرح بلک رہی ہوں

اک عمر ہُوئی ہے خود سے لڑتے
اندر سے تمام تھک رہی ہوں

رس پھر سے جڑوں میں جا رہا ہے
میں شاخ پہ کب سے پک رہی ہوں

تخلیقِ جمالِ فن کا لمحہ!
کلیوں کی طرح چٹک رہی ہوں

ڈھونڈا کیے ہاتھ جگنوؤں کے
میلے سے. بچھڑے کے آنسوؤں کے

اِک رات کِھلا تھا اُس کا وعدہ
آنگن میں ہجوم خوشبوؤں کے

شہروں سے ہوا جو ہو کے آئی
دم چھننے لگے ہیں آہوؤں کے

کس بات پہ کائنات تج دیں
کھلتے نہیں بھید سادھوؤں کے

تنہا مری ذات دشتِ شب میں
اطراف میں خیمے بدوؤں کے!

یہ بول ہوا کے لب پہ ہیں — یا
منتر ہیں قدیم جادوؤں کے!

یوں تیری شناخت مجھ میں اُترے
پہچان تک اپنی بھول جاؤں

تیرے ہی بھلے کو چاہتی ہوں
میں تجھ کو کبھی نہ یاد آؤں

قامت سے بڑی صلیب پا کر
دُکھ کو کیوں کر گلے لگاؤں

دیوار سے بیل بڑھ گئی ہے
پھر کیوں نہ ہوا میں پھیل جاؤں

من تھکنے لگا ہے تن سمیٹے
بارش کی ہوا میں بن سمیٹے

ایسا نہ ہو، چاند بھید پا لے
پیراہنِ گُل شکن سمیٹے

سوتی رہی آنکھ دن چڑھے تک
دلہن کی طرح تھکن سمیٹے

گزرا ہے چمن سے کون ایسا
بیٹھی ہے ہوا بدن سمیٹے

شاخوں نے کلی کو بد دعا دی
بارش ترا بھولپن سمیٹے

آنکھوں کے طویل رتجگوں پر
چاند آیا بھی تو گہن سمیٹے

احوال مرا وہ پوچھتا تھا
لہجے میں بڑی چبھن سمیٹے

من تھکنے لگا ہے تن سمیٹے
بارش کی ہوا میں بن سمیٹے

ایسا نہ ہو، چاند بھید پالے
پیراہنِ گُل شکن سمیٹے

سوتی رہی آنکھ دن چڑھے تک
دلہن کی طرح تھکن سمیٹے

گزرا ہے چمن سے کون ایسا
بیٹھی ہے ہوا بدن سمیٹے

شاخوں نے کلی کو بد دعا دی
بارش ترا بھولپن سمیٹے

آنکھوں کے طویل رتجگوں پر
چاند آیا بھی تو گہن سمیٹے

احوال مرا وہ پوچھتا تھا
لہجے میں بڑی چبھن سمیٹے

پھُول آئے، نہ برگِ تر ہی ٹھہرے
دُکھ پیڑ کے سب ثمر ہی ٹھہرے

ہیں تیز بہت ہوا کے ناخن،
خوشبو سے کہو کہ گھر ہی ٹھہرے

کوئی تو بنے خزاں کا ساتھی
پتّہ نہ سہی، شجر ہی ٹھہرے

اس شہرِ سخن فروشگاں میں
ہم جیسے تو بے ہنر ہی ٹھہرے

اَن چکھی اُڑان کی بھی قیمت
آخر مرے بال و پر ہی ٹھہرے

روغن سے چمک اُٹھے تو مجھ سے
اچھّے مرے بام و در ہی ٹھہرے

*

کچھ دیر کو آنکھ رنگ چھُو لے
تتلی پہ اگر نظر ہی ٹھہرے

وہ شہر بس ہے، یہی بہت ہے
کس نے کہا، میرے گھر ہی ٹھہرے

چاند اُس کے نگر میں کیا رُکا ہے
تارے بھی تمام اُدھر ہی ٹھہرے

ہم خود ہی تھے سوختہ مقدّر
ہاں! آپ ستارہ گر ہی ٹھہرے

میرے لیے منتظر ہو وہ بھی
چاہے سرِ رہگزر ہی ٹھہرے

پازیب سے پیار تھا، سو میرے
پاؤں میں سدا بھنور ہی ٹھہرے

*

کچھ دیر کو آنکھ رنگ چھُو لے
تتلی پہ اگر نظر ہی ٹھہرے

وہ شہر ہیں ہے، یہی بہت ہے
کس نے کہا، میرے گھر ہی ٹھہرے

چاند اُس کے نگر میں کیا رُکا ہے
تارے بھی تمام اُدھر ہی ٹھہرے

ہم خود ہی تھے سوختہ مقدّر
ہاں! آپ ستارہ گر ہی ٹھہرے

میرے لیے منتظر ہو وہ بھی
چاہے سرِ رہگزر ہی ٹھہرے

پازیب سے پیار تھا، سو میرے
پاؤں میں سدا بھنور ہی ٹھہرے

اب کیسی پردہ داری ، خبر عام ہو چکی
ماں کی ردا تو ، دن ہُوئے نیلام ہو چکی

اب آسماں سے چادرِ شب آئے بھی تو کیا
بے چادری زمین پہ الزام ہو چکی

اُجڑے ہُوئے دیار پہ پھر کیوں نگاہ ہے
اس کشت پر تو بارشِ اکرام ہو چکی

سورج بھی اُس کو ڈھونڈ کے واپس چلا گیا
اب ہم بھی گھر کو لوٹ چلیں ، شام ہو چکی

شملے سنبھالتے ہی رہے مصلحت پسند
ہونا تھا جس کو پیار میں بدنام ہو چکی

آنکھیں ہیں اور صبح تلک تیرا انتظار
مشعل بدست رات ترے نام ہو چکی

کوہِ ندا سے بھی سخن اُترے اگر تو کیا
نا سامعوں میں حرمتِ الہام ہو چکی!

جگا سکے نہ ترے لب، لکیر ایسی تھی
ہمارے بخت کی ریکھا بھی میر ایسی تھی

یہ ہاتھ چُومے گئے، پھر بھی بے گلاب رہے
جو رُت بھی آئی، خزاں کے سفیر ایسی تھی

وہ میرے پاؤں کو چُھونے جھکا تھا جس لمحے
جو مانگتا اُسے دیتی، امیر ایسی تھی

شہادتیں مرے حق میں تمام جاتی تھیں
مگر خموش تھے منصف، نظیر ایسی تھی

کتر کے جال بھی صیّاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اُڑتی، اسیر ایسی تھی

پھر اُس کے بعد نہ دیکھے وصال کے موسم
جُدائیوں کی گھڑی چشم گیر ایسی تھی

بس اک نگاہ مجھے دیکھتا، چلا جاتا
اُس آدمی کی محبت فقیر ایسی تھی

ردا کے ساتھ لٹیرے کو زادِ رہ بھی دیا
تری فراخ دلی میرے وِیر ایسی تھی

نہ سر کو پھوڑ کے تو مَر سکا تو کیا شکوہ
وفا شعار کہاں ہیں بھی ہیر ایسی تھی

کبھی نہ چاہنے والوں کا خوں بہا مانگا
نگارِ شہرِ سخن بے ضمیر ایسی تھی

میرے چھوٹے سے گھر کو یہ کس کی نظر، اے خدا! لگ گئی
کیسی کیسی دعاؤں کے ہوتے ہُوئے بد دعا لگ گئی

ایک بازو بریدہ شکستہ بدن قوم کے باب میں
زندگی کا یقیں کس کو تھا، بس یہ کہیے، دوا لگ گئی

جھوٹ کے شہر میں آئینہ کیا لگا، سنگ اُٹھائے ہُوئے
آئینہ ساز کی کھوج میں جیسے خلقِ خدا لگ گئی

جنگلوں کے سفر میں تو آسیب سے بچ گئی تھی، مگر
شہر والوں میں آتے ہی پیچھے یہ کیسی بلا لگ گئی

نیم تاریک تنہائی میں سرخ پھولوں کا بن کھل اُٹھا
ہجر کی زرد دیوار پر تیری تصویر کیا لگ گئی

وہ جو پہلے گئے تھے، ہمیں اُن کی فرقت ہی کچھ کم نہ تھی
جان! کیا تجھ کو بھی شہرِ نامہرباں کی ہوا لگ گئی؟

دو قدم چل کے ہی چھاؤں کی آرزو سر اُٹھانے لگی
میرے دل کو بھی شاید ترے حوصلوں کی ادا لگ گئی

میز سے جانے والوں کی تصویر کب ہٹ سکی تھی مگر؛
درد بھی جب تھما، آنکھ بھی جب ذرا لگ گئی!

وہی پرند کہ کل گوشہ گیر ایسا تھا
پلک جھپکتے، ہوا میں لکیر ایسا تھا

اُسے تو دوست کے ہاتھوں کی سُوجھ بوجھ بھی تھی
خطا نہ ہوتا کسی طور، تیر ایسا تھا

پیام دینے کا موسم نہ ہم نوا پاکر
پلٹ گیا دبے پاؤں، سفیر ایسا تھا

کسی بھی شاخ کے پیچھے پناہ لیتی میں
مجھے وہ توڑ ہی لیتا، شریر ایسا تھا

ہنسی کے رنگ بہت مہربان تھے لیکن
اُداسیوں سے ہی نبھتی، خمیر ایسا تھا

ترا کماں کہ پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں
غزالِ شوق کہاں کا اسیر ایسا تھا!

گوری کرت سنگھار

بال بال موتی چمکائے
روم روم مہکار
مانگ سیندور کی سندرتا سے
چمکے چندن وار
جُوڑے میں جوہی کی بینی
بانہہ میں ہار سنگھار
کان میں جگ مگ بالی پتّہ
گلے میں جگنو، ہار
صندل ایسی پیشانی پر
بندیا لائی بہار
سبز کٹارا سی آنکھوں میں
کجرے کی دو دھار
گالوں کی سُرخی میں جھلکے
ہردے کا اقرار

ہونٹ پر کچھ پھولوں کی لالی
کچھ ساجن کے کار
کسا ہُوا کیسری شلوکا
چُنری دھاری دار
ہاتھوں کی اک اک چوڑی میں
موہن کی جھنکار
سہج چلے، پھر بھی پائل میں
بولے پی کا پیار
اپنا آپ درپن میں دیکھے
اور شرمائے نار
نار کے روپ کو انگ لگائے
دھڑک رہا سنسار

تتلیوں کی بے چینی آ بسی ہے پاؤں میں
ایک پل کو چھاؤں میں، اور پھر ہواؤں میں

جن کے کھیت اور آنگن ایک ساتھ اُجڑتے ہیں
کیسے حوصلے ہوں گے اُن غریب ماؤں میں

صورتِ رفو کرتے، سر نہ یوں کھُلا رکھتے
جوڑ کب نہیں ہوتے ماؤں کی رِداؤں میں

آنسوؤں میں کٹ کٹ کر کتنے خواب گرتے ہیں
اک جوان کی میّت آ رہی ہے گاؤں میں

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا تام اپنا بخت آزماؤں میں

ابر کی طرح ہے وہ یوں نہ چھُو سکوں لیکن
ہاتھ جب بھی پھیلائے آگیا دعاؤں میں

جگنوؤں کی شمعیں بھی راستے میں روشن ہیں
سانپ ہی نہیں ہوتے ذات کی گپھاؤں میں

صرف اس تکبّر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر ہو نہ اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

کوچ کی تمنّا میں پاؤں تھک گئے لیکن
سمت طے نہیں ہوتی پیارے رہنماؤں میں

اپنی غم گساری کو مشتہر نہیں کرتے
اتنا ظرف ہوتا ہے درد آشناؤں میں

اب تو ہجر کے دُکھ میں ساری عمر جلنا ہے
پہلے کیا پنپنا تھیں مہرباں چتاؤں میں

سازِ رخت بھجوا دیں حدِّ شہر سے باہر
پھر سُرنگ ڈالیں گے ہم محل سراؤں میں

شوقِ رقص سے جب تک انگلیاں نہیں کُھلتیں
پاؤں سے ہواؤں کے، بیڑیاں نہیں کُھلتیں

پیڑ کو دعا دے کر کٹ گئی بہاروں سے
پھول اتنے بڑھ آئے، کھڑکیاں نہیں کُھلتیں

پھول بن کی سیروں میں اور کون شامل تھا
شوخیٔ صبا سے تو بالیاں نہیں کُھلتیں

حسن کے سمجھنے کو عمر چاہیے، جاناں!
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کُھلتیں

کوئی موجۂ شیریں چُوم کر جگائے گی!
سورجوں کے نیزوں سے سیپیاں نہیں کُھلتیں

ماں سے کیا کہیں گی دکھ ہجر کا، کہ خود پر بھی
اتنی چھوٹی عمروں کی بچیاں نہیں کھُلتیں

شاخ شاخ سرگرداں، کس کی جستجو میں ہیں
کون سے سفر میں ہیں، تتلیاں نہیں کھُلتیں

آدھی رات کی چپ میں کس کی چاپ اُبھرتی ہے
چھت پہ کون آتا ہے، سیڑھیاں نہیں کھُلتیں

پانیوں کے چڑھنے تک حال کہہ سکیں اور پھر
کیا قیامتیں گزریں، بستیاں نہیں کھُلتیں

مٹّی کی گواہی خوں سے بڑھ کر
آئی ہے عجب گھڑی وفا پر

کس خاک کی کوکھ سے جنم لیں
آئے ہیں جو اپنے بیج کھو کر

کانٹا بھی یہاں کا برگِ تر ہے
باہر کی کلی ببول تھوہر

قلموں سے لگے ہُوئے شجر ہم
پل بھر میں ہوں کس طرح ثمر ور

کچھ پیڑ زمین چاہتے ہیں
بیلیں تو نہیں اُگیں ہوا پر

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

پتھر بھی بہت حسیں ہیں لیکن
مٹّی سے ہی بن سکیں گے کچھ گھر

ہر عشق گواہ ڈھونڈتا ہے
جیسے کہ نہیں یقین خود پر

بس اُن کے لیے نہیں جزیرہ
پیر آئے جو کھولتے سمندر

نذر حضرت امیر خسرو

(پوربی)

پردیسی کب آؤ گے؟

سورج ڈوبا شام ہو گئی
تن میں چنبیلی پھولی،
من میں آگ لگانے والے
میں کب تجھ کو بھولی
کب تک آنکھ چراؤ گے؟
پردیسی، کب آؤ گے؟

سانجھ کی چھاؤں میں تیری چھایا
ڈھونڈتی جائے داسی
بھرے ماگھ میں کھوجے تجھ کو
تن درشن کی پیاسی
جیون بھر ترساؤ گے
پردیسی، کب آؤ گے؟

بھیروں ٹھاٹھ نے انگ بنایا
وادی سُر — گندھار
سمّوادی کو نکھاد رنگ دے
شدھ مدھم سنگھار
تم کب رنگ لگاؤ گے؟
پردیسی، کب آؤ گے؟

ہاتھ کا پھول، گلے کی مالا
مانگ کا سرخ سیندور
سب کے رنگ ہیں پھیکے پرانے
ساجن جب تک دور
روپ نہ میرا سجاؤ گے؟
پردیسی، کب آؤ گے؟

ہر آہٹ پر کھڑکی کھولی
ہر دستک پر آنکھ
چاند نہ میرے آنگن اُترا
سپنے ہو گئے راکھ
ساری عمر جلاؤ گے؟
پردیسی کب آؤ گے؟

ایک بُری عورت

وہ اگرچہ مطربہ ہے
لیکن اُس کے دامِ صوت سے زیادہ
شہر اُس کے جسم کا اسیر ہے
وہ آگ میں گلاب گوندھ کر کمالِ آذری سے پہلوی تراش پانے والا جسم
جس کو آفتاب کی کرن جہاں سے چومتی ہے
رنگ کی پھوار پھوٹتی ہے!
اس کے حسنِ بے پناہ کی چمک
کسی قدیم لوک داستان کے جمال کی طرح
تمام عمر لاشعور کو اسیرِ رنگ رکھتی ہے!
گئے زمانوں میں کسی پری کو مُڑ کے دیکھنے سے لوگ
باقی عمر قیدِ سنگ کاٹتے تھے
ہاں — سزائے بازدید آگ ہے!

بہ آزمائشِ شکیبِ ناصحاں و امتحانِ زُہدِ واعظاں
دریچۂ مراد کھول کر ذرا جُھکے
تو شہرِ عاشقاں کے سارے سبز خط
فدائے تن سے ،
شب عذار ہونے کی دعا کریں
جواں لہو کا ذکر کیا
یہ آتشہ تو
پیرِ سال خوردہ کو صبح خیز کر دے

شہر اس کی دلکشی کے بوجھ سے پچّخ رہا ہے
کیا عجیب حسن ہے ،
کہ جس سے ڈر کے مائیں اپنی کوکھ جائیوں کو ،
کوڑھ صورتی کی بد دعائیں دے رہی ہیں
کنواریاں تو کیا
کہ کھیلی کھائی عورتیں بھی جس کے سائے سے پناہ مانگتی ہیں
بیاہتا دلوں میں اس کا حُسن خوف بن کے یوں دھڑکتا ہے
کہ گھر کے مرد شام تک نہ لوٹ آئیں تو

بہ آزمائشِ شکیبِ ناصحاں و امتحانِ زُہدِ واعظاں
دریچۂ مراد کھول کر ذرا جُھکے
تو شہرِ عاشقاں کے سارے سبز خط
خدائے تن سے،
شبِ عذار ہونے کی دعا کریں
جواں لہو کا ذکر کیا
یہ آتشہ تو
بپیرِ سال خوردہ کو صبح خیز کر دے

شر اس کی دلکشی کے بوجھ سے پٹخ رہا ہے
کیا عجیب حسن ہے،
کہ جس سے ڈر کے مائیں اپنی کوکھ جائیوں کو،
کوڑھ صورتی کی بد دعائیں دے رہی ہیں
کنواریاں تو کیا
کہ کھیلی کھائی عورتیں بھی جس کے سائے سے پناہ مانگتی ہیں
بیاہتا دلوں میں اس کا حُسن خوف بن کے یوں دھڑکتا ہے
کہ گھر کے مرد شام تک نہ لوٹ آئیں تو

یہ گئی اماوسوں کا ذکر ہے
کہ ایک شام گھر کو لوٹتے ہوئے میں راستہ بھٹک گئی
مری تلاش مجھ کو جنگلوں میں لا کے تھک گئی
میں راہ کھوجتی ہی رہ گئی
اس ابتلا میں چاند سبز چشم ہو چکا تھا
جگنوؤں سے کیا امید باندھتی
مہیب شب ہراس بن کے جسم و جاں پہ یوں اُتر رہی تھی
جیسے میرے روئیں روئیں میں
کسی بلا کا ہاتھ سرسرا رہا ہو
زندگی میں — خامشی سے اتنا ڈر کبھی نہیں لگا!
کوئی پرند پاؤں بھی بدلتا تھا تو نبض ڈوب جاتی تھی
میں ایک آسماں چشیدہ پیڑ کے سیہ تنے سے سر لگائے
تازہ پتّے کی طرح لرز رہی تھی
ناگہاں کسی گھنیری شاخ کو ہٹا کے
روشنی کے دو الاؤ یوں دہک اُٹھے
کہ ان کی آنچ میرے ناخنوں تک آ رہی تھی —
ایک جست —

اور قریب تھا کہ ہانپتی ہوئی بلا
مری رگِ گلو میں اپنے دانت گاڑتی
کہ دفعتاً کسی درخت کے عقب میں چوڑیاں بجیں
لباسِ شب کی سلوٹوں میں چرمرائے زرد پتوں کی ہری کہانیاں لیے
وصالِ تشنہ کا گلال آنکھ میں
لبوں پہ ورم، گال پر خراش
سنبلیں کھُلے ہُوئے دراز گیسوؤں میں آنکھ مارتا ہُوا گُلاب،
اور چھِلی ہُوئی سپید کہنیوں میں اوس اور دھول کی ملی جُلی ہنسی لیے
وہی بلا، وہی نجس، وہی بدن دریدہ فاحشہ
تڑپ کے آئی — اور —
میرے اور بھیڑیے کے درمیان ڈٹ گئی!

موسم کا عذاب چل رہا ہے
بارش میں گلاب جل رہا ہے

پھر دیدۂ دل کی خیر یارب!
پھر ذہن میں خواب پل رہا ہے

صحرا کے سفر میں کب ہوں تنہا
ہمراہ سراب چل رہا ہے

آندھی میں دعا کو بھی نہ اُٹھا
یوں دستِ گُلاب شل رہا ہے

کب شہرِ جمال میں ہمیشہ
وحشت کا عتاب ٹل رہا ہے

زخموں پہ چھڑک رہا ہے خوشبو
آنکھوں پہ گلاب مَل رہا ہے

ماتھے پہ ہَوا نے ہاتھ رکھے
جسموں کو سحاب جھل رہا ہے

موجوں نے وہ دکھ دیے بدن کو
اب لمسِ حباب کھل رہا ہے

قرطاسِ بدن پہ سلوٹیں ہیں
ملبوسِ کتاب، گل رہا ہے!

سوچوں تو وہ ساتھ چل رہا ہے
دیکھوں تو نظر بدل رہا ہے

کیوں بات زباں سے کہہ کے کھوئی
دل آج بھی ہاتھ مل رہا ہے

راتوں کے سفر میں وہم سا تھا
یہ میں ہوں کہ چاند چل رہا ہے

ہم بھی ترے بعد جی رہے ہیں
اور تو بھی کہیں بہل رہا ہے

سمجھا کے ابھی گئی ہیں سکھیاں
اور دل ہے کہ پھر مچل رہا ہے

ہم ہی بُرے ہو گئے — کہ تیرا
معیارِ وفا بدل رہا ہے

پہلی سی وہ روشنی نہیں اب
کیا درد کا چاند ڈھل رہا ہے

گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح
دل پہ اُتریں گے وہی خواب عذابوں کی طرح

راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں مرے خیمے، مرے خوابوں کی طرح

ساعتِ دید کے عارض ہیں گلابی اب تک
اوّلیں لمحوں کے گلنار حجابوں کی طرح

وہ سمندر ہے تو پھر رُوح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سرابوں کی طرح

غیر ممکن ہے ترے گھر کے گلابوں کا شمار
میرے رستے ہُوئے زخموں کے حسابوں کی طرح

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہُوئی بند کتابوں کی طرح

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

شوخ ہو جاتی ہے اب بھی تری آنکھوں کی چمک
گاہے گاہے، ترے دلچسپ جوابوں کی طرح

ہجر کی شب، مری تنہائی پہ دستک دے گی
تیری خوشبو، مرے کھوئے ہُوئے خوابوں کی طرح

کیا ذکرِ برگ و بار، یہاں پیڑ ہِل چکا
اب آئے چارہ ساز کہ جب زہر کھل چکا

جب سوزنِ ہوا میں پرویا ہو تارِ خوں
اے چشمِ انتظار! ترا زخم سِل چکا

آنکھوں پہ آج چاند نے افشاں چُنی تو کیا
تارہ سا ایک خواب تو مٹی میں رُل چکا

آئے ہوائے زرد کہ طوفان برف کا
مٹی کی گود کر کے ہری، پھول کھل چکا

بارش نے ریشے ریشے میں رَس بھر دیا ہے۔ اور
خوش ہے کہ یوں حسابِ کرم ہائے گِل چکا

چھو کر ہی آئیں منزلِ اُمید ہاتھ سے
کیا راستے سے لَوٹنا، جب پاؤں چھل چکا

اُس وقت بھی خموش رہی چشم پوش رات
جب آخری رفیق بھی دشمن سے مل چکا!

دعا

چاندنی،
اُس دریچے کو چھُو کر
مرے نیم روشن جھروکے میں آئے، نہ آئے
مگر
میری پلکوں کی تقدیر سے نیند چھِنتی رہے
اور اُس آنکھ کے خواب بُنتی رہے!

عکسِ خوشبو

qasarulkutub.blogspot.com

عکسِ خوشبو

موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دل میں کیوں
کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے

qasarulkutub.blogspot.com

مرحومہ پروین شاکر کے نام !

پروین شاکر عہدِ حاضر کی معروف شاعرہ اور جوان دھڑکنوں کی ترجمان۔ ابھی وقت تو نہیں تھا راہی عدم ہونے کا.... ابھی ادب کو ان کی مزید ضرورت تھی... مگر..... خداوند کریم کی مرضی کے آگے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

پروین شاکر ایک ایسی ہستی جس نے بہت ہی کم عرصہ میں خوشبو کی طرح نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک بھی ادب کے دلدادہ لوگوں کے ذہنوں کو معطر کر دیا۔ ابھی بھی کانوں میں وہی روح فرسا گونج سنائی دیتی ہے کہ "پروین شاکر ہم سے جُدا ہو گئی"...... ایسی خبر جس نے کروڑوں دلوں پر بجلی گرا دی اور موت نے ایک اچھی شاعرہ کو ایسی مسافت پر بھیج دیا جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔

؎ موت کا ذائقہ لکھنے کے لیے
چند لمحوں کو ذرا مر دیکھوں

لیکن نہیں پروین شاکر زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گی۔ ادب کے دلدادہ لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں اپنی بے باک شاعری اور خیالات کی بدولت... جس کی شاعری میں اگر محبت کی باتیں ہیں تو وہاں لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ رویے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ جہاں لوگوں کی محرومی کا ذکر ہے وہاں حکومتِ وقت کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس کی اس بے باکانہ شاعری نے ہی اسے کم وقت میں ایک اچھی شاعرہ کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے ایک مقام بنا لیا ہے۔

qasarulkutub.blogspot.com

کون چاہے گا تمہیں میری طرح
اب کسی سے نہ محبت کرنا

پروین شاکر مرحومہ کی اس خوبصورت شاعری کی میں کافی عرصے سے دلدادہ ہوں اور میری خواہش تھی کہ مرحومہ پروین شاکر کی خوبصورت شاعری عام لوگوں تک بھی پہنچے تاکہ وہ بھی اپنی محبوب ہستی کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر سکیں۔

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

مرحومہ پروین شاکر کے کلام سے چیدہ چیدہ انتخاب کو کتابی شکل دینے کی خواہش کی تکمیل کے لئے سلیمان برادرز ملتان نے میرے ساتھ جس طرح تعاون کیا میں ان کی انتہائی مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کلام پڑھ کر اپنی محبوب ہستی کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے کیونکہ میرے نزدیک پروین شاکر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اس سے زیادہ کوئی اور بہتر طریقہ نہیں۔

بشریٰ ناصر

○

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

عارض گل کو چھوا تھا کہ دھنک سی بکھری
کس قدر شوخ ہے ننھی سی کرن کی خوشبو

زندگی، تجھ سے دور رہ کر، میں
کاٹ لوں گی جلا وطن کی طرح

شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا

اس سے اک بار تو روٹھوں میں اسی کی مانند
اور مری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

qasarulkutub.blogspot.com

وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو

میں اس کی دسترس میں ہوں، مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

وہ رت بھی آئی کہ میں پھول کی سہیلی ہوئی
مہک میں چمپا کلی، روپ میں چنبیلی ہوئی

خوش نہ تھا مجھ سے بچھڑ کر وہ بھی
اسکے چہرے پر لکھا تھا، لوگو

ایک اک کر کے مجھے چھوڑ گئیں سب سکھیاں
آج میں خود کو تیری یاد میں تنہا دیکھوں

میرے ماتھے پہ ترے پیار کا ہاتھ
روح پر دست صبا ہو جیسے

یاد کر کے مجھے، نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر یہ ٹالا ہو گا

ہمیں خبر ہے، ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں!

مجھ پر چھا جائے وہ برسات کی خوشبو کی طرح
انگ انگ اپنا اسی رت میں مہکتا دیکھوں

دھنک کے رنگ میں ساری تو رنگ لی میں نے
اور اب یہ دکھ، کہ پہن کر کسے دکھانا ہے

qasarulkutub.blogspot.com

مل کے اس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اٹھتی ہے نظر، پاؤں کی چھاگل کی طرح

وہ دلنواز لمحے بھی گنتی رُتوں میں آ سکے۔ جب
میں خواب دیکھتی رہی۔ وہ مجھ کو دیکھتا رہا

سکون دل کے لئے میں کہاں کہاں نہ گئی
مگر یہ دل، کہ سدا اس کی انجمن میں رہا

وصل میں تیرے خرابے بھی لگیں گھر کی طرح
اور تیرے ہجر میں بستی بھی ویرانہ ہمیں

کس دھیان سے پرانی کتابیں کھلی تھیں کل
آئی ہوا تو کتنے ورق ہی الٹ گئے

تم موج موج مثل صبا گھومتے رہو
کٹ جائیں میری سوچ کے پر، تم کو اس سے کیا

اب ان دریچوں پہ گہرے پردے ہیں
وہ تانک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا

تیرے تحفے تو سب اچھے ہیں مگر موجِ بہار!
اب کے میرے لئے خوشبوئے حنا آئی ہو

خیال و خواب ہوا برگ و بار کا موسم
بچھڑ گیا تیری صورت بہار کا موسم

وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

qasarulkutub.blogspot.com

لو! میں آنکھیں بند کیے لیتی ہوں، اب تم رخصت ہو
دل تو جانے کیا کہتا ہے، لیکن دل کا کہنا کیا

کون چاہے گا تمہیں میری طرح
اب کسی سے نہ محبت کرنا

ہجر کے پانیوں میں عشق کی ناؤ
کہیں غرقاب ہو گئی شاید

میں تھک گئی ہوں اس اندر کی خانہ جنگی سے
بدن کو "سامرا" آنکھوں کو "معتصم" کر لوں

بکھر چکا ہے مگر مسکرا کے ملتا ہے
وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کجکلاہ میں ہے

طوفان ابرو باد میں سب گیت کھو گئے
جھونکا ہوا کا ہاتھ سے مضراب لے گیا

تجھے بھی ذوق نئے تجربات کا ہو گا
ہمیں بھی شوق تھا کچھ بخت آزمائی کا

میں سوچتی تھی، تیرا قرب کچھ سکوں دے گا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر

میں بھنور سے تو نکل آئی، اور اب سوچتی ہوں
موج ساحل نے کیا ہے مجھے غرقاب کہاں

خوشبو ہے، چاندنی ہے، لب جو ہے، اور میں
کس بے پناہ رات میں تنہا کیا مجھے

qasarulkutub.blogspot.com

راستوں کا علم تھا ہم کو نہ سمتوں کی خبر
شہر نا معلوم کی چاہت مگر کرتے رہے

کتنی رتوں سے میرے نیم وا دریچوں میں
ٹھہر گیا ہے تیرے انتظار کا موسم

نہ دے سکا مجھے تعبیر، خواب تو بخشے
میں احترام کروں گی تری بڑائی کا

اسے پکارا تو ہونٹوں پہ کوئی نام نہ تھا
محبتوں کے سفر میں عجیب فضا آئی

ترک الفت کے بعد امید وفا
ریت پر چل سکی ہے ناؤ کبھی

جو خواب دینے پر قادر تھا، مری نظروں میں
عذاب دیتے ہوئے بھی مجھے خدا ہی لگا

لڑکیوں کے دکھ عجب ہوتے ہیں سکھ اس سے عجیب
ہنس رہی ہیں اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

ابھی سے میرے رفوگر کے ہاتھ تھکنے لگے
ابھی تو چاک میرے زخم کے سلے بھی نہیں

دسترس سے اپنی، باہر ہو گئے
جب سے ہم ان کو میسر ہو گئے

چاند اتر آیا ہے گہرے پانی میں
ذہن کے آئینے میں جیسے عکس تیرا

qasarulkutub.blogspot.com

کیسے ان لمحوں میں تیرے پاس آؤں
ساگر گہرا ، رات اندھیری، میں تنہا

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کہ پل بھر ملیں، یقیں سے ملیں

گل نہ ہو گا تو جشن خوشبو کیا
تم نہ ہو گے تو عید کیا ہوگی

دھیمے سروں میں کوئی مدھر گیت چھیڑیئے
ٹھہری ہوئی ہواؤں میں جادو بکھیریئے

وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کیلئے
موسم گل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آزمائش میں کہاں عشق بھی پورا اترا
حسن کے آگے تو تقدیر کا لکھا اترا

ان انگلیوں کا لمس تھا اور میری زلف تھی
گیسو بکھر رہے تھے تو قسمت سنور گئی

دن میں وحشت بہل گئی تھی
رات ہوئی اور نکلا چاند

میں اس سے کھل کے ملوں، سوچ کا حجاب اترے
وہ چاہتا ہے میری روح کا نقاب اترے

وہ نرم لہجے میں کچھ تو کہے کہ لوٹ آئے
سماعتوں کی زمین پر پھوار کا موسم

qasarulkutub.blogspot.com

اتر رہی ہیں عجب خوشبوئیں رگ و پے میں
یہ کس کو چھو کے میرے شہر میں صبا آئی

میں عشق کائنات میں زنجیر ہو سکوں
مجھ کو حصار ذات کے شر سے رہائی دے

دھنک دھنک مری پوروں کے خواب کر دے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کر دے گا

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

اب اسکا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

گھرے خنک اندھیرے میں اجلے تکلفات
گھر کی فضا بھی ہو گئی شیزان کی طرح

حل ہو گیا خون میں کچھ ایسے
رگ رگ میں وہ نام بہہ رہا ہے

تیز بارش ہو، گھنا پیڑ ہو، اک لڑکی ہو
ایسے منظر کبھی شہروں میں تو پائے نہ گئے

اس کی شہرت بھی تو پھیلی ہر سو
پیار آنے لگا رسوائی پر

دل پھٹنے لگا ہے ضبط غم سے
مالک! کوئی درد آشنا دے

qasarulkutub.blogspot.com

قصور ہو تو ہمارے حساب میں لکھ جائے
محبتوں میں جو احسان ہو، تمہارا ہو

روشنی پائی نہیں، رات بھی باقی ہے ابھی
چاند سے ربط مگر ٹوٹ رہا ہو جیسے

منہ سے نہ بولے، نین مگر مسکاتے جائیں
اجلی دھوپ نہ بولے، ریتا کالی گائے

سمندروں کی طرح میری آنکھ ساکت ہے
مگر سکوت میں کس بے کلی کی آمیزش

اسوقت تک کناروں سے ندی چڑھی رہے
جب تک سمندروں کے بدن میں اتر نہ جائے

دشت غربت میں جہاں کوئی شناسا بھی نہیں
ابر رک جائے ذرا دیر تو رحمت جانو

برف کے ہاتھ ہی،ہاتھ آئیں گے، اے موج ہوا
حدتیں مجھ میں، نہ خوشبو کے بدن میں، اب کے

کیا جانیے، افق کے ادھر کیا طلسم ہے
لوٹے نہیں زمین پہ، اک بار جو گئے

دکھ سب کے مشترک تھے مگر حوصلے جدا
کوئی بکھر گیا تو کوئی مسکرا دیا۔

تصویر جب نئی ہے، نیا کینوس بھی ہے
پھر طشتری میں رنگ پرانے نہ گھولیے

qasarulkutub.blogspot.com

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا!

ماہ تمام! ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تری روشنی بھی ماند ہوئی

پیام آیا ہے پھر ایک سرو قامت کا
میرے وجود کو کھینچے ہے دار کا موسم

اب کون سے موسم سے کوئی آس لگائے
برسات میں بھی یاد نہ جب ان کو ہم آئے

عمر بھر تھامے رہے خوشبو کو
پھول کا ہاتھ مگر شل ہو جائے

یاد کیا آئی کہ روشن ہو گئے آنسو کے گھر
جنگلوں میں شام اتری، جل اٹھے جگنو کے گھر

بارشیں رقص میں تھیں اور زمین ساکت تھی
عام تھا فیض مگر رنگ کمائے نہ گئے

پہروں باتیں وہ ہری بیلوں کے سائے سائے
واقعے خواب ہوئے ایسی ملاقاتوں کے

نم ہیں پلکیں تری اے موج ہوا، رات کے ساتھ
کیا تجھے بھی کوئی یاد آتا ہے برسات کے ساتھ

حرف کیوں اپنے گنوائیں جا کر
بات سے پہلے جہاں بات کٹے

qasarulkutub.blogspot.com

وہ مجھ سے دور خوش ہے؟ خفا ہے؟ اداس ہے
کس حال میں ہے؟ کچھ تو مرا نامہ بر کھلے

انگلیوں کو تراش دوں، پھر بھی
عادتاً اس کا نام لکھیں گی

ہوا میرے جوڑے میں پھول سجاتی جا
دیکھ رہی ہوں اپنے من موہن کی رہ

میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں
تیری تصویر پر لب رکھ دیئے آہستہ سے

گود لے لی ہے چٹانوں نے سمندر سے نمی
جھوٹے پھولوں کے درختوں پر بھی خوشبوئیں ٹنگیں

یہ زندہ رہنے کی خاطر، اجازتوں کا دکھ
بطور قرض کے حاصل، محبتوں کا دکھ

تتلی کے لبوں اور گلابوں کے بدن میں
رہتا ہے سدا چھوئے سے اک راز کا رشتہ

موت کا ذائقہ لکھنے کے لئے
چند لمحوں کو ذرا مر دیکھوں

جکڑے جانے کی تمنا تیز تھی
آ گئے پھر حلقہ گرداب میں

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

qasarulkutub.blogspot.com

میری اچھائی تو سب کو اچھی لگی
اسکے پیار کا مرکز میرے نقص میں ہے

تعویز والے ہاتھ مگرمچھ کے پاس تھے
تہ سے دعا لکھی ہوئی پیشانیاں ملیں

بہار نے مری آنکھوں پر پھول باندھ دیئے!
رہائی پاؤں تو کیسے، حصار رنگ میں ہوں

ہجر، سناٹا، پچھلے پہر کا چاند
خود سے ملنے کے کچھ وسیلے ہیں۔

دعائیں دے رہی ہوں دشمنوں کو
اور اک ہمدرد پر نامہرباں ہوں

بادل ہیں کہ نیلی طشتری میں
رقصاں ہیں سفیدیوں کی قاشیں

جانے کس دکھ سے دل گرفتہ تھا
منہ پہ بادل کی راکھ ملتا رہا

تیری خوشبو، بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں

آنکھ کو یاد ہے وہ پل اب بھی
نیند جب پہلے پہل ٹوٹی تھی

میری چاہت میں بھی اب سورج کا رنگ آنے لگا
اور ترا پیار بھی شدت میں ہوا آہستہ

qasarulkutub.blogspot.com

جیسے کہ کبھی نہ تھا تعارف
یوں ملتے ہوئے جھجک رہی ہوں

تنہا مری ذات دشت شب میں
اطراف میں خیمے بدوؤں کے

تیرے ہی بھلے کو چاہتی ہوں
میں تجھ کو کبھی نہ یاد آؤں

کس پیار سے مل رہے ہیں کچھ لوگ
چمکیلے بدن میں پھن سمیٹے

اس شہر سخن فروشگاں میں
ہم جیسے تو بے ہنر ہی ٹھہرے

آنکھیں ہیں اور صبح تلک تیرا انتظار
مشعل بدست رات ترے نام ہو چکی

رستہ کتنا دیکھا ہوا ہو، پھر بھی شاہ سوار
ایڑ لگا کر اپنے ہاتھ میں راس تو لیتے ہیں

وہ میرے پاؤں کو چھونے جھکا تھا جس لمحے
جو مانگتا اسے دیتی، امیر ایسی تھی

پھر اس کے بعد نہ دیکھے وصال کے موسم
جدائیوں کی گھڑی چشم گیر ایسی تھی

جھوٹ کے شہر میں آئینہ کیا لگا سنگ اٹھائے ہوئے
آئینہ ساز کی کھوج میں جیسے خلق خدا لگ گئی

qasarulkutub.blogspot.com

تیرا کمال کہ پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں
غزالِ شوق کہاں کا اسیر ایسا تھا!

وہ آگ ہے کہ مری پور پور جلتی ہے
مرے بدن کو ملا ہے چنار کا موسم

ابر کی طرح ہے وہ یوں نہ چھو سکوں لیکن
ہاتھ جب بھی پھیلائے آ گیا دعاؤں میں

شاخ شاخ سرگرداں، کس کی جستجو میں ہیں
کون سے سفر میں ہیں، تتلیاں نہیں کھلتیں

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

سدا کی دیکھی رات ہمیں اس بار ملی تو چپکے سے
خالی ہاتھ پہ رکھ کے کیا سوغات گزر گئی جاناں

خاموشی کلام کر رہی ہے
جذبات کی مہر ہے سخن پر

دے کر مجھ کو اذن گہرے پانیوں کی سیر کا
خود روانہ ہے وہ میری رسوائی کستا ہوا

ایک وہ موسم کہ مجھ پر مسکراہٹ جبر تھی
اور اب موقع نہیں ملتا ہنسی کے صرف کا

بج اٹھے ہوا کے دف وجد میں کلی آئی
زندگی کے میلے میں رقص کی گھڑی آئی

qasarulkutub.blogspot.com

رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

کیا ذکر برگ و بار، یہاں پیڑ ہل چکا
اب آئے چارہ ساز کہ جب زہر کھل چکا

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی
مری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

میں اتنے سانپوں کو رستے میں دیکھ آئی تھی
کہ تیرے شہر میں پہنچی تو کوئی ڈر ہی نہ تھا

رفاقتوں کا مری، اسکو دھیان کتنا تھا
زمین لے لی مگر آسمان چھوڑ گیا

حل ہونے لگی لہو میں میرے
سانسوں میں ترے کھلی ہوئی رات

ہم بے ہنروں کی زیست، پل بھر
اقبال کی زندگی دوامی!

ایک موہوم تمنا کے سہارے نکلے
چاند کے ساتھ ترے ہجر کے مارے نکلے

ماتھے پہ بل نہ آنے دیا تھا کبھی تو پھر
لہجے میں اتنی گہری شکن کیسے پڑ گئی؟

qasarulkutub.blogspot.com

سارے رشتے ہجرتوں میں ساتھ دیتے ہیں تو پھر
شہر سے جاتے ہوئے ہوتا ہے دامن گیر کون

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے

نکلے ہیں تو رستے میں کہیں شام بھی ہو گی
سورج بھی مگر آئے گا اس راہگزر سے

جب سے پرواز کے شریک ملے
گھر بنانے کی آرزو ہے بہت

لہر لہر کرنوں کو چھیڑ کر گزرتی ہے
چاندنی اترتی ہے جب شریر جھرنوں پر

یہ احتجاج بجا ہے کہ تیز تھی بارش
یہ ماننا کہ کچا تھا اپنے شہر کا رنگ

جو ظلِ اللہ پر ایمان لائے
وہی داناؤں میں عاقل بڑا ہے

سپردگی کا نشہ ٹوٹنے نہیں پاتا
انا سمائی ہوئی ہے وفا کی بانہوں میں

سب عشق کریں گے اور سچا
ہے اپنے قبیلے میں یہ خامی

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشاں ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

qasarulkutub.blogspot.com

قوتِ غم ہے جو اسطرح سنبھالے ہے مجھے
ورنہ بکھروں کس لیے تو سمٹنا مشکل

کس وصال خبر رت کی مہرباں آمد
ہمیں قبول -- مگر ہجر کے برس ہیں نہیں

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

ملنے کا تو مسئلہ نہیں ہے
پہچان بھی پائے بات تب ہے

یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا

اسیر کربلا جب یاد آئیں
کہاں لگتی ہے پھر زنجیر بھاری

طاؤسی یادوں کے دکھ
زخم کو جھل بھی جاتے ہیں

خزاں کی رت میں لمحہ جمال کیسے آ گیا
یہ آج پھر سنگھار کا خیال کیسے آ گیا

ہنسی کو اپنی سن کے ایک بار میں بھی چونک اٹھی
یہ مجھ میں دکھ چھپانے کا کمال کیسے آ گیا

نئے سفر پہ چلتے ہوئے یہ دھیان رہے
رستے میں دیوار سے پہلے در بھی ہے

qasarulkutub.blogspot.com

مری تقدیر کی نیرنگیوں میں
مری تدبیر کی شرکت عجب تھی

طلائی طشت میں تازہ گلاب سجنے لگے
ذرا اٹھے تھے کہ نیزوں پہ سر پہنچنے لگے

ہوا نے جتنے دیئے مانگے نذر کر ڈالے
کہ روشنی کا نسب صرف بام و در سے نہ تھا

ننھے سے ایک ستارے کی کیا روشنی مگر
پرچم پہ آ گیا تو بہت چاند پر کھلا

تیرے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے

ہوا چلی تو نئی بارشیں بھی ساتھ آئیں
زمین کے چہرے پہ آیا نکھار کا موسم

بھولا ہے کون ایڑ لگا کر حیات کو
رکنا ہی رخشِ جاں کو گوارا نہیں رہا

بنا کسی آس کے اسی طرح جی رہا ہے
بچھڑنے والوں میں تھا کوئی سخت جاں کتنا

میں اس کی آنکھوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں
نظر کا ایسا طلسم کس داستاں میں تھا

کچھ اپنے آپ سے ہی اسے کشمکش نہ تھی
مجھ میں بھی کوئی شخص اسی کا رقیب تھا

qasarulkutub.blogspot.com

اندھیرے میں تھے جب تلک زمانہ ساز گار تھا
چراغ کیا جلا دیا ہوا ہی اور ہو گئی

سحاب میں تھی تو وہ بھی صبا مثال ہی تھا
کسی کے واسطے رکنا ذرا محال ہی تھا

بوجھ اٹھائے پھرتی ہے ہمارا اب تک
اے زمین ماں! تیری یہ عمر تو آرام کی ہے

پلکیں نہ جھپکنی تھیں کہ گفتار عجب تھی
آنکھوں کے لئے ساعت دیدار عجب تھی

میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر چل رہی ہوں پھر سے
سر ارادہ کھڑا ہے اک دستگیر ایسا

زمانے نے جسے بے تیشہ کر دیا تھا کبھی
پہاڑ کاٹ کے خود راستہ نکال آیا

یہی نہیں کہ مجھے اس نے تھام رکھا ہے
مرا خیال بھی اس کو کبھی سنبھال آیا

ہزار ٹکڑوں میں بٹ کر بھی اسکا عکس رہی
میں آئینہ تھی، بکھرنے پہ اعتماد بھی تھا

یہ کیسے شکاری نے جکڑا ہے مجھ کو
کہ خود میں نے اڑنے کی خواہش کتر دی

حساب عداوت بھی ہوتا رہے گا
محبت نے جینے کی مہلت اگر دی

qasarulkutub.blogspot.com

پریم جل خوب گاگر میں بھر لوں
آج بادل نے مایا لٹائی

جنگ کا ہتھیار طے کچھ اور تھا
تیر سینے میں اتارا اور ہے

اور کچھ پل اسکا رستہ دیکھ لوں
آسماں پر ایک تارہ اور ہے

باشی تھی جس نے عام معافی کی خود نوید
وہ راتوں رات شہر اماں سے نکل چکا

اشارہ کوچ کا تو ہو چکا ہے دیر سے مگر
بچھا رکھی ہے زندگی نے گھات درمیاں میں

وہ میرا نام لیئے جائے اور میں اسکا نام
لہو میں گونج رہا ہے پکار کا موسم

جیتنے میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے
ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھتا

ایسا لگتا ہے کہ پیروں سے لپٹ آئی ہے
ایک زنجیر بھی اسباب سفر کے ہمراہ

اور اس سے نہ رہی کوئی طلب
بس مرے پیار کی عزت کرتا

زندگی کی کوئی محرومی نہیں یاد آئی
جب تلک ہم تھے ترے قرب کی آسائش میں

qasarulkutub.blogspot.com

مرنے اگر نہ پائی تو زندہ بھی کب رہی
تنہا کی وہ عمر جو تھی تیرے سات کی

پہرہ دیتے رہتے ہیں جب تک فرشتے
کیسے رات کے ساتھ کوئی پھر سو جائے

جس خاک سے پھوٹا ہے اسی خاک کی خوشبو
پہچان نہ پایا تو ہنر کس کے لئے تھا

اب بھی سپنے بوئے ہیں تو ایمان ہے اسکا
اس نے ان آنکھوں میں صحرا دیکھ لیا ہے

یونہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا
تازہ ہوا کے، یاد پرانی بھی ساتھ ہے

جس کو اک نسل نے سینچا تھا لہو سے اپنے
اک نہ اک روز تو اس پیڑ کو پھل جانا تھا

فصل بروقت نہ کٹتی جو سروں کی پروین
آسمانوں نے زمینوں کو نگل جانا تھا

وہاں بھی ہم تو ستارہ سوار تھے کہ جہاں
بہت ہی سوچ سمجھ کے قدم اٹھاتے تھے

لہو چشیدہ ہاتھ اس نے چوم کر دکھادیا
جزا وہاں ملی جہاں کہ مرحلہ سزا کا تھا

جب مسافر کا ارادہ ہی بھٹکنے کا ہوا
اک چراغ اور سرراہگزر کیا لائے

اس کی سرگوشی میں بھیگتی جائے رات
قطرہ قطرہ تن کو نئی کہانی دے

کیا لکھا تھا سر محضر، جسے پہچانتے ہی
پاس بیٹھا ہوا ہر دوست بہانے سے اٹھا

سب سے نظر بچا کر وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

اس کی سخن طرازیاں میرے لئے بھی ڈھال تھیں
اس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا حال بھی

آساں سہی بچھڑ کے رہنا
پر اسکا سا دل کہاں سے لائیں

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اسکا ہی قصور سارا کب تھا

کھلے گی اس نظر پہ چشم تر آہستہ آہستہ
کیا جاتا ہے پانی میں سفر آہستہ آہستہ

رائے پہلے سے بنا لی ہے تو نے
دل میں اب ہم ترے گھر کیا کرتے

فشار جاں کے بہت ہیں اگر نظر آئیں
ہر ایک زلزلہ زیر زمین نہیں آتا

وہ سامنے ہو تو معرکہ اور
جنگ اس سے الگ لڑی ہو دل میں

qasarulkutub.blogspot.com

یہ چشم نم ہے اسے خشک دیکھ بھال کے کر
ہری بھری کوئی بستی ہی زیر آب نہ ہو

کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں

پانی دیکھا، نہ زمین دیکھی، نہ موسم دیکھا
بے ثمر ہونے کا الزام شجر پہ رکھا

اس طرح کھینچی ہے میرے گرد دیوار خبر
سارے دشمن روزنوں کو بے نظر اس نے کیا

اسی امید پہ ہر شام بجھائے ہیں چراغ
ایک تارا ہے سر بام ابھرنے والا

آج بھی یونہی رکھے رہے
سارے ہار پروئے ہوئے

قدم رکھے مری خوشبو کہ گھر کو لوٹ آئے
کوئی بتائے مجھے کوئے یار کا موسم

وہی تنہائی، وہی دھوپ، وہی بے ستی
گھر میں رہنا بھی ہوا، راہگزر میں رہنا

کوئی خاطر نہ مدارات نہ تقریب وصال
ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

اس کے وصل کی ساعت ہم پہ آئی تو جانا
کس گھڑی کو کہتے ہیں خواب میں بسر ہونا

qasarulkutub.blogspot.com

آنے میں گھر مرے، تجھے جتنی جھجک رہی
اس درجہ تو میں بے سرو سامان بھی نہ تھی

دستک تو کچھ ایسی ہے کہ دل چھونے لگی ہے
اس حبس میں بارش کا یہ جھونکا بھی تو دیکھوں

تو میرے بنا نہ رہ سکا تو
کب تیرے بغیر جی سکی میں

آتی رہے اب کہیں سے آواز
اب تو ترے پاس آ گئی میں

مرنے کی دہشت تو سب نے دیکھی ہے
جینے سے ڈرنا اتنا آساں نہیں

ہم یاد تو نہ آئیں گے لیکن بچھڑتے وقت
تارہ سا اک خیال تری چشم تر پہ تھا

سنتے رہے اخیر تلک مہرو ماہ و نجم
اس خاکداں کا سارا فسانہ عجیب تھا

کبھی نہ تنگ ہو اس پر زمین کا دامن
امیر شہر اگر آسماں جناب نہ ہو

میرے دل! آنسوؤں سے ہاتھ اٹھا
کیسی بارش سے زخم دھوتا ہے

عمر کا بھروسہ کیا، پل کا ساتھ ہو جائے
ایک بار اکیلے میں اس سے بات ہو جائے

qasarulkutub.blogspot.com

اس کے یوں ترک محبت کا سبب ہو گا کوئی
جی نہیں یہ مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا

خیال یار ابھی روشن، ابھی نظروں سے اوجھل ہے
ابھی یہ ریشمیں دریا پہاڑوں میں ہی بہتا ہے۔

ہنسی کے رنگ بہت مہرباں تھے لیکن
اداسیوں سے ہی نبھتی خمیر ایسا تھا

عقب میں گہرا سمندر ہے، سامنے جنگل
کس انتہا پہ مرا مہربان چھوڑ گیا

اب تو فقط صیاد کی دلداری کا بہانہ ہے ورنہ
ہم کو دام میں لانے والی گھات گزر گئی جاناں

جیسے کوئی عقب سے بلاتا ہے بار بار
بچپن سے اک عجیب سراب صدا میں ہوں

ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے
ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تو سائباں میں ہے،

لشکر کی آنکھ مال غنیمت پہ ہے لگی
سالار فوج اور کسی امتحاں میں ہے

میں تو تا عمر، تیرے شہر میں رکنا چاہوں
کوئی آ کر مرا اسباب سفر تو کھولے

جاں سے گزر گئے مگر بھید نہیں کھلا کہ ہم
کس کی شکار گاہ تھے کس کیلئے ہدف ہوئے

qasarulkutub.blogspot.com

میں اس کے قول پہ ایمان لا کر خوف میں ہوں
کہیں لہجے میں تو ظالم کے عیاری نہیں ہے

جہاں اک روز کھل جائیں ہمارے نام کے پھول
بھرے گلشن میں کیا ایسی کوئی کیاری نہیں ہے

اب تک وہ نشہ پذیرائی
کل خواب میں اسکے گھر گئے تھے

اس شہر بے نیاز میں جب تک رہا قیام
حسرت رہی کہ چشم شناسا کو دیکھتی

ترک تعلقات کا کوئی سبب تو تھا
سننے کا میرے دل کو مگر حوصلہ کہاں

تہمت لگا کے ماں پہ، جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیئے

ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو بہارگہیں یا
سارا چمن جلا دیا اک پرکاں کے لیئے

گھر کا سارا راستہ اسی سرخوشی میں کٹ گیا
اس سے اگلے موڑ کوئی ہمسفر ہونے کو ہے

خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے

عرصہ خواب میں رہنا ہے کہ لوٹ آنا ہے
فیصلہ کرنے کی اس بار ہے باری اس کی

qasarulkutub.blogspot.com

سفر کے باب میں کتنے عجیب لوگ ہیں ہم
کہاں کا قصد کیا چل پڑے کہاں کے لیئے

شاید کہ ہمیں سنوار دیتی
جو شب آ کر پلٹ گئی تھی

کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی
محور سے زمین ہٹ گئی تھی

سب کے لئے جاری ہے تو اے حسن جہانگیر
اس بار غریبوں سے بھی انصاف کیا جائے

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن
ہم سے ان آنکھوں کی حسرت نہیں دیکھی جاتی

آتی تھی ہمیں رفوگری بھی
اک دوسرے کا لباس تھے ہم

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے

سورج کو دیکھنے کا سلیقہ کہاں ہمیں
جب بھی نظر اٹھائی، رہی آس پاس شب

مثال ابرو ہوا دل بہم رہیں لیکن
محبتوں میں ذرا فاصلہ ضروری ہے

رہ حیات میں اب کوئی ایسا موڑ نہیں
کہ جس کے بعد تری رہگذر نہیں آتی

qasarulkutub.blogspot.com

جس نے تہہ سے مجھے اچھال دیا
ڈوبنے کا خیال تھا کیا تھا

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو
مجھ میں کس رنگ کی کمی تھی

تیرے کرم کی دھوپ تو خیر کسے نصیب تھی
تیرے ستم کے ابر بھی اور کہیں برس گئے

ترے طریق محبت پہ بارہا سوچا
یہ جبر تھا کہ تیرے اختیار کا موسم

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

صبا چلی ہے جس انداز سے گلستاں میں
کسی کو لالہ، کسی کو گلاب ہونا تھا

کس سے پوچھوں پس دیوار چمن کیا گزری
میرے گھر میں تو ہوا مہر بہ لب آئی ہے

یہ عشق ہے اور اس میں سرفرازی و کمال
رخسار و خال و خط سے نہ نام و نسب سے ہے

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

زندگی میری تھی لیکن اب تو
تیرے کہنے میں رہا کرتی ہے

qasarulkutub.blogspot.com

بھلا کے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

خود پھول کی طرح مجھے کھلنے کا شوق تھا
اب تیز ہوا ہے تو ہوا کا قصور کیا

شعبہ رزق خدا نے جو رکھا اپنے پاس
نائب اللہ بہت بد دل و رنجور ہوئے

فصیلیں توڑ نہ دیتے جواب کے اہل قفس
تو اور طرح کا اعلان جبراً آ جاتا

کیا ضمانت ہے کہ وہ چاند اتر آئے گا
تار مژگاں کو اگر عقد ثریا کر لیں

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

یاں! اک محل تھا آگے زر و سیم سے بنا
اے خوش خرام! دل کو ہمارے کھنڈر نہ جان

زمین دل یونہی شاداب تو نہیں اے دوست
قریب میں کوئی دریا ضرور بہتا ہے

qasarulkutub.blogspot.com

شیشۂ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اور ہی تھا

سطحِ دریا بڑھ رہی ہے اور ہوائے تند بھی
آج کی شب ہی بہت نیچی دیے کی لو بھی ہے

ایک ان دیکھی خوشی رقصاں ہے برگ و بار میں
باغِ ہستی میں مرے موسم ہے ابروباد کا

وصالِ روح و نظر کے عجیب لمحے میں
ہر ایک زاویہ جسم و جاں روشن تھا

ذرا سی دیر کو بارش رکی تھی شاخوں پر
مزاج سوسن و سرو و سمن بدلنے لگا

وہ روز آ کے مجھے اپنا پیار پہنائے
مرا غرور ہے بیلے کے ہار کا موسم

کون چھو کر انہیں گذرا کہ کھلے جاتے ہیں
اتنے سرشار تو پہلے نہ تھے ہونٹوں کے گلاب

ضروری ہو گئی اب دل کی زینت
مکیں پہچانے جاتے ہیں مکاں سے

میں اس کے سارے رویوں پر معترض ہوتی
مری طرح ہے مگر تھا دکھا ہوا وہ بھی

نظر بھی آیا اسے اپنے پاس بھی دیکھا
مری نگاہ نے یہ التباس بھی دیکھا

qasarulkutub.blogspot.com

زندگی کی دھوپ میں اس سر پر اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اپنا گھر تو ہے

کچھ اسطرح کا پر اسرار ہے ترا لہجہ
کہ جیسے راز کشا ہو کسی خزانے کا

کاسۂ دید میں بس ایک جھلک کا سکہ
ہم فقیروں کی قناعت سے تجھے دیکھتے ہیں

توجہ سے تری پھر کھل رہے ہیں
وگرنہ زخم تو یہ سل چکے تھے۔

آنکھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا
تاخیر سے ہی چاند لب بام تو آیا

کبھی کبھی تو دل مضطرب یہ چاہتا ہے
کہ چاند رات ہو اور سامنے سمندر ہو

خانہ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آ گیا
تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرف ہوئے

اتنا خوں ہے مرا گلشن میں کہ اب میرے خلاف
پیڑ ہو جائیں مگر پھول نہیں ہو سکتے

بدگمانی جب نہ تھی، تو بھی نہیں تھا معترض
میں بھی تیری شخصیت پر نکتہ چین ایسی نہ تھی

اک شخص کیا گیا کہ بھرا شہر دفعتاً
بے حوصلہ و بددل و کم کوش ہو گیا

qasarulkutub.blogspot.com

ایک ہی اسم کو بارش نے ہرا رکھا ہے
پیڑ پہ نام تو لکھے گئے اس نام کے بعد

واں نہیں وقت تو ہم بھی ہیں عدیم الفرصت
اس سے کیا ملیئے جو ہر روز کہے، کل ملنا

جتنی کم سچائی ہو گی اتنی ہوگی آرائش
جب مضموں سے لفظ ہوں زائد سمجھو عبارت ختم ہوئی

یوں دیکھنا اس کو کہ کوئی اور نہ دیکھے
انعام تو اچھا تھا مگر شرط کڑی تھی

کس جان گلستان سے یہ ملنے کی گھڑی تھی
خوشبو میں نہائی ہوئی اک شام کھڑی تھی

شہادتیں مرے حق میں تمام جاتی تھیں
مگر خموش تھے منصف، نظیر ایسی تھی

جذبات ہی کند ہیں تو بے کار
تلوار کی لاکھ بے نیامی!

اب کے بھی خوشوں پہ کچھ نام تھے میلے سے لکھے
اب کے بھی فصل کا دہقانوں میں بٹنا مشکل

خوش آئے تجھے شہر منافق کی امیری
ہم لوگوں کو سچ کہنے کی عادت بھی بہت تھی

زمین افکار کے نشے میں گم ہے
فلک سے اک عذاب آنے کو ہے پھر

qasarulkutub.blogspot.com

بچھڑ کے مجھ سے، خلق کو عزیز ہو گیا ہے تو
مجھے تو جو کوئی ملا، تجھی کو پوچھتا رہا

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بد گمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے

ابر گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گہر، تم کو اس سے کیا!

یہ غربتیں مری آنکھوں میں کیسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں، رتجگا بھی گیا

میں سوچتی ہوں کہ مجھ میں کمی تھی کس شے کی
کہ سب کا ہو کے رہا وہ، بس اک مرا نہ ہوا

فیصلہ موج ہوا نے لکھا!
آندھیاں میری بہاریں اسکی

عکس خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو!

جو حرف سادہ کی صورت ہمیشہ لکھی گئی
وہ لڑکی تیرے لئے کس طرح پہیلی ہوئی

اسکی خفگی جاڑے کی نرماتی دھوپ
یارو سکھی! اس حدت کو ہنس کھیل کے سہہ

qasarulkutub.blogspot.com

ایک ہی شہر میں رہ کر جنکو اذن دید نہ ہو
یہی بہت ہے، ایک ہوا میں سانس تو لیتے ہیں

میں عشق کائنات میں زنجیر ہو سکوں
مجھ کو حصار ذات کے شر سے رہائی دے

اسی طرح سے اگر چاہتا رہا پیہم
سخن وری میں مجھے انتخاب کردیگا

وہ سمندر ہے تو پھر روح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سزاؤں کی طرح

آسمانوں میں وہ معروف بہت ہے یا پھر
بانجھ ہونے لگے الفاظ مناجاتوں کے

جی یہ چاہے، کوئی پھر توڑ کے رکھ دے مجھ کو
لذتیں ایسی کہاں ہونگی تھکن میں، اب کے

تری خوشبو بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

جب بھی غریب شہر سے کچھ گفتگو ہوئی
لہجے ہوائے شام کے نمناک ہو گئے

یوں تیری شناخت مجھ میں اترے
پہچان تک اپنی بھول جاؤں

qasarulkutub.blogspot.com

تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے مرے فیصلوں کا ریشم پھر

سر چھپائیں تو بدن کھلتا ہے
زیست مفلس کی ردا ہو جیسے

آج آیا ہے ہمیں بھی ان اڑانوں کا خیال
جن کو تیرے زعم میں بے بال و پر کرتے رہے

سفر میں چاند کا ماتھا جہاں بھی دھندلایا
تری نگاہ کی زبانی نے قیادت کی!

اس سے اک بار تو روٹھوں میں اسی کی مانند
اور میری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

میں برگ برگ اسکو نمو بخشتی رہی
وہ شاخ شاخ میری جڑیں کاٹتا رہا

میں اپنے حصے کے سکھ جس کے نام کر ڈالوں
کوئی تو ہو جو مجھے اس طرح کا پیارا ہو

تنہائی کا ایک ایک لمحہ
ہنگاموں سے قرض لوں کہاں تک

ذکر آئے گا جہاں بھونروں کا
بات ہو گی مرے ہرجائی پر

وہ تو میرے سامنے بیٹھا تھا----پھر
کس کا چہرہ نقش تھا مہتاب میں!

qasarulkutub.blogspot.com

واں شہر ڈوبتے ہیں،ادھر بحث کہ انہیں
خم لے گیا یا خم محراب لے گیا

تجھے بھی ذوق نئے تجربات کا ہو گا
ہمیں بھی شوق تھا کچھ بخت آزمائی کا

یہ کیا کہ میں تری خوشبو کا صرف ذکر سنوں
تو عکس موجہ گل ہے تو جسم وجاں میں اتر

وہ اپنی ذات میں کل کائنات تھا
دنیا کے ہر فریب سے ملوا دیا مجھے

بارشیں کیا زمین کے دکھ بانٹیں
آنسوؤں سے بجھاؤ الاؤ کبھی!

صدف میں اتروں تو پھر میں گہر بھی بن جاؤں
صدف سے پہلے مگر حلقہ نہنگ میں ہوں

تو میری طرح سے یکتا ہے،مگر میرے حبیب!
جی میں آتا ہے کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں

داماں شب کے نام کوئی روشنی تو ہو
تارے نہیں نصیب تو آنسو بکھیریئے لیئے

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائیگا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

سپردگی کا مجسم سوال بن کے کھلوں
مثال قطرہ شبنم ترا جواب اترے

qasarulkutub.blogspot.com

قامت شعر کی زیبائی کا عالم مت پوچھ
مہرباں جب سے ہے اس سرو بدن کی خوشبو

جان محفل ہے، مگر آج، فقط میرے بغیر
ہائے کس درجہ وہی بزم میں تنہا ہو گا

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں

ضبط کی شہر پناہوں کی، مرے مالک!خیر
غم کا سیلاب اگر مجھ کو بہانے آئے

کسی کے دھیان میں ڈوبا ہوا دل
بہانے سے مجھے بھی ٹالتا ہے

چاک ہے دامن قبائے بہار
مرے خوابوں کے پیرہن کی طرح

موجہ گل کو ابھی اذن تکلم نہ ملے
پاس آتی ہے کسی نرم سخن کی خوشبو

ہمیں خبر ہے، ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا، ذرا دیر کو رکے بھی نہیں!

نہ رنگ نہ کرن ہے، نہ روشنی، نہ چراغ
نہ تیرا ذکر، نہ تیرا پتہ، نہ تیرا سراغ

میں نے جس لمحے کو پوجا ہے، اسے بس اک بار
خواب بن کر تری آنکھوں میں اترتا دیکھوں

qasarulkutub.blogspot.com

بھرم ہے مہر و مہ و نجم کا بھی بس جبتک
مقابل ان کے وہ روشن جبیں نہیں آتا

ایک بار کھیلے تو وہ مری طرح اور پھر
جیت لے وہ ہر بازی مجھ کو مات ہو جائے

میں تیری سرد مہری سے ذرا بد دل نہیں ہوں
مرے دشمن! ترا یہ وار بھی کاری نہیں ہے۔

ایسی خالی نسل کے خواب ہی کیا ہوں گے
جس کی نیند کا سرچشمہ تک چرس میں ہے!

بس رقص پانیوں کا تھا وحشت کے راگ پر
دریا کو سب دھنیں تو ہواؤں نے لکھ کے دیں!

گرے اگر آئینہ تو اک خاص زاویئے سے
وگرنہ ہر عکس کو رہے خود پہ مان کتنا

بہت سنبھل کے چلنے والی تھی پر اب کے بار تو
وہ گل کھلے کہ شوخی صبا ہی اور ہو گئی

ہزار آئینے جس جا ہوں روکش خورشید
نگاہ بھر کے اسے دیکھنا کمال ہی تھا

وہ سامنے ہو تو معرکہ اور
جنگ اس سے لڑی ہو دل میں

کوہ ندا سے بھی سخن اترے اگر، تو کیا
ناسامعوں میں حرمت الہام ہو چکی!

qasarulkutub.blogspot.com

دوست تو خیر کوئی کس کا ہے
اس نے دشمن بھی نہ سمجھا لوگو

میری خود داری برتنے والے!
تیرا پندار بھی ٹوٹا کہ نہیں!

اسی امید میں ہر موج ہوا کو چوما
چھو کے شاید مرے پیاروں کی قبا آئی ہو

آج کی شب تو بہت کچھ ہے مگر، کل کے لیئے
ایک اندیشہ بے نام ہے اور کچھ بھی نہیں

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

اچھی آنکھیں جو ملی ہیں اس کو
کچھ تو لازم ہوا وحشت کرنا

بچاؤ شیشوں کے گھر کا تلاش کر ہی لیا
یہی کہ سنگ بدستوں کو منصرم کر لوں

ہر شخص مجھے، تجھ سے جدا کرنے کا خواہاں
سن پائے اگر ایک تو دس جا کے جڑے وہ

وہ کہ جن کے ہاتھ میں تقدیر فصل گل رہی
دے گئے سوکھے ہوئے پتوں کا نذرانہ ہمیں

اونچی آواز میں اس نے تو کبھی بات نہ کی
خفگیوں میں بھی وہ لہجہ رہا کونپل کی طرح

qasarulkutub.blogspot.com

جہاں حرف تعلق ہو اضافی
محبت میں وہ باب آنے کو ہے پھر

وہ جب خود ٹوٹنے والا ہوا تھا
میں ہاری بھی تو کیسے وقت ہاری

وہی خیال کہ آنکھوں تک رہ جائے تو اشک
مصرعۂ تر بن جائے تو سلک گہر بھی ہے

بدن کا پہلے پہلے آگ چکھنا
رگ و پے میں کوئی لذت عجب تھی

جبتک وہ بے نشاں رہا دسترس تھا
خوش نام ہو گیا تو ہمارا نہیں رہا

تری طرح، مری آنکھیں بھی معتبر نہ رہیں
سفر سے قبل ہی رستوں میں وہ سراب اترے

تخیل ماہتاب ہو، اظہار آئینہ
آنکھوں کو لفظ لفظ کا چہرہ دکھائی دے

یہی غنیمت ہے کہ بچے خالی ہاتھ نہیں ہیں
اپنے پرکھوں سے دکھ کی میراث تو لیتے ہیں

کترکے جال بھی صیاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اڑتی، اسیر ایسی تھی

ہمارے عہد میں شاعر کے نرخ کیوں نہ بڑھیں
امیر شہر کو لاحق ہوئی سخن فہمی

qasarulkutub.blogspot.com

حسن کے سمجھنے کو عمر چاہیئے، جاناں!
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کھلتیں

وہ چاند بن کے مرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اسکے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی

مل کے اس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اٹھتی ہے نظر پاؤں کی چھاگل کی طرح

وہ جس کی ایک پل کی بے رخی بھی دل کو بار تھی
اسے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے--- مجھ کو بھول جا

سکون دل کیلئے میں کہاں کہاں نہ گئی
مگر یہ دل ، کہ سدا اسکی انجمن میں رہا

بارش سنگ ملامت میں بھی وہ ہمراہ ہے
میں بھی بھیگوں خود بھی پاگل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے
وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

تیری خود غرضی سے خود کو سوچ کر
آج ہم تیرے برابر ہو گئے

شبنم کے رخساروں پر سورج کے ہونٹ
ٹھہر گیا ہے وصل کا ایک لمحہ

وہ رت جگے،وہ گئی رات تک سخن کاری
شبیں گزاری ہیں ہم نے بھی کچھ ریاضت کی

qasarulkutub.blogspot.com

راتیں تو قافلوں کی معیت میں کاٹ لیں
جب روشنی بٹی تو کئی راہبر کھلے

مجھے بارش کی چاہت نے ڈبویا
میں پختہ شہر کا کچا مکاں ہوں

میں تو پاؤں کے کانٹے چنتی رہی
اور وہ راستہ بدلتا رہا

کھلونے پا لیے ہیں میں نے لیکن
مرے اندر کا بچہ مر رہا ہے

وہ اب میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا، اس سے نہ بولوں

"خوشبو کہیں نہ جائے" یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ ذرا زلف کھولیے

پہلے یہ منظر پڑھا تھا صرف، اب دیکھا بھی ہے
بانسری بجتی رہی، جلتے رہے نیروؑ کے گھر!

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اسکے گھر کا دروازہ ہوا

روشنی آنکھ نے لی اور سر مژگاں خیال
چاند وہ چمکے کہ سورج سے بجھائے نہ گئے!

اگر وجود میں آہنگ ہے تو وصل بھی ہے
میں چاہے نظم کا ٹکڑا، وہ نثر پارہ ہو!

qasarulkutub.blogspot.com

میں اس وصال کے لمحے کا نام کیا رکھوں
ترے لباس کی شکنیں تری جبیں سے ملیں

گھری حقیقتیں بھی اتری رہیں گی پھر
خوابوں کی چاندنی تو لب جو بکھیریے

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائیگا

اک شب غم کے اندھیرے پہ نہیں ہے موقوف
تو نے جو زخم لگایا ہے وہ گہرا اترا

بچوں کے خواب پی کے بھی حلقوم خشک تھے
دریا کی تشنگی میں بڑی وحشتیں رہیں

گہرے خنک اندھیرے میں اجلے تکلفات
گھر کی فضا بھی ہو گئی شیزان کیطرح

پھر چاندنی کے دام میں آنے کو تھے گلاب
صد شکر نیند کھونے سے پہلے سنبھل گئے

خود کو خوشبو کے حوالے کر دیں
پھول کی طرز پذیرائی پر

شدت ہے مزاج مرے خوں کا
نفرت کی بھی دے تو انتہا دے

رنگ و بو سے کہیں پناہ نہیں
خواہشیں بھی کہاں اماں دیں گی

qasarulkutub.blogspot.com

گود لے لی ہے چٹانوں نے سمندر سے نمی
جھوٹے پھولوں کے درختوں پہ بھی خوشبوئیں ٹکیں!

اترے نہ میرے گھر میں وہ مہتاب رنگ لوگ
میری دعائے نیم شبی بے اثر گئی

کبھی کبھی ترے لہجے کی شبنمی ٹھنڈک
سماعتوں کے دریچوں پہ خواب خواب اترے

پہروں کی تشنگی پہ بھی ثابت قدم رہوں
دشت دل میں، روح مجھے کربلائی دے

مری طرح سے کوئی ہے جو زندگی اپنی
تمہاری یاد کے نام انتساب کر دیگا!

غیر ممکن ہے ترے گھر کا گلابوں کا شمار
مرے رستے ہوئے زخموں کے حسابوں کیطرح

جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اسکو بھول جاؤنگی

تو مسیحا ہے بدن تک ہے تری چارہ گری
ترے امکاں میں کہاں زخم کڑی باتوں کے

کبھی تنہائی سے محروم نہ رکھا مجھ کو
دوست ہمدرد رہے، کتنے مری ذات کیساتھ

ورنہ یوں طنز کا لہجہ بھی کسے ملتا ہے
ان کا یہ طرز سخن خاص عنایت جانو!

qasarulkutub.blogspot.com

یہی تو وجہ شکست وفا ہوئی میری
خلوص عشق میں سادہ دلی کی آمیزش

فصیل شہر تمنا کی زرد بیلوں پر
ترا جمال کبھی صورت سحاب اترے

شدت کی نفرتوں میں سدا جس نے سانس لی
شدت کا پیار پا کے خلا میں بکھر نہ جائے

دوش پر بارشیں لے کے گھومیں
میں ہوا اور وہ بادل ہو جائے

آنچل مرے بھر کے پھٹ رہے ہیں
پھول اس کے لئے چنوں کہاں تک

مسافران شب غم، اسیر دار ہوئے
جو رہنما تھے، بکے اور شہر یار ہوئے

ملنے سے گریزاں ہیں، نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے کس انداز کا رشتہ!

جکڑے جانے کی تمنا تیز تھی
آ گئے پھر حلقہ گرداب میں

بستی میں جتنے آب گزیدہ تھے سب کے سب
دریا کے رخ بدلتے ہی تیراک ہو گئے

ردا چھنی مرے سر سے، مگر میں کیا کہتی
کٹا ہوا تو نہ تھا ہاتھ میرے بھائی کا

qasarulkutub.blogspot.com

دل اسے چاہے جسے عقل نہیں چاہتی ہے
خانہ جنگی ہے عجب ذہن و بدن میں اب کے

وہ بچپنے کی نیند تو اب خواب ہو گئی
کیا عمر تھی کہ رات ہوئی اور سو گئے!

وہ چوٹ کیا ہوئی کہ جو آنسو نہ بن سکی
وہ درد کیا ہوا کہ جو مصرعہ نہ بن سکا

دشت غزال سے کوئی خوبی تو مانگیے
شہر جمال میں رم آہو بکھیریے

آخرش وہ بھی کہیں ریت پر بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اتر جائیگا

تخلیق جمال فن کا لمحہ!
کلیوں کی طرح چٹک رہی ہوں

اے میرے لئے نہ دکھنے والے
کیسے ترے دکھ سمیٹ لاؤں

احوال مرا وہ پوچھتا تھا
لہجے میں بڑی چبھن سمیٹے

وہ شہر میں ہے، یہی بہت ہے
کس نے کہا، میرے گھر ہی ٹھہرے

شملے سنبھالتے ہی رہے مصلحت پسند
ہونا تھا جسکو پیار میں بدنام ہو چکی

qasarulkutub.blogspot.com

اے آنکھ! اب تو خواب کی دنیا سے لوٹ آ
مژگاں تو کھول! شہر کو سیلاب لے گیا

نہ دے سکا مجھے تعبیرِ خواب تو تجھے
میں احترام کروں گی تری بڑائی کا

میں سوچتی تھی، ترا قرب کچھ سکوں دیگا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر

رنج سہنے کی مرے دل میں تب و تاب کہاں
اور یہ بھی ہے کہ پہلے سے وہ اعصاب کہاں

دی تشنگی خدا نے تو چشمے بھی دے دیئے
سینے میں دشت، آنکھوں میں دریا کیا مجھے

میں تو شبنم تھی، ہتھیلی پر تری گم ہو گئی
وہ ستارہ تھی سو تیرے پیرہن پر سج گئی

ہم ہی برے ہو گئے------ کہ تیرا
معیار وفا بدل رہا ہے

لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر، تم کو اس سے کیا

تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے

تو نے اس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا قاصد!
کچھ تو کہہ رہا ہو گا اس نظر کا سناٹا

qasarulkutub.blogspot.com

جو صرف روح تھا فرقت میں بھی، وصال میں بھی
اسے بدن کے اثر سے رہا تو ہونا تھا

مہ تمام! ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تری روشنی بھی ماند ہوئی

اب کون سے موسم سے کوئی آس لگائے
برسات میں بھی یاد نہ جب ان کو ہم آئے

صدیوں سے سفر میں ہے سمندر
ساحل پہ تھکن ٹپک رہا ہے

موجہ گل ہے کہ تلوار کوئی
درمیاں سے ہی مناجات کئے

کیوں وہ بے سمت ہوا، جب میں نے
اس کے بازو پہ دعا باندھی تھی

دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے، کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون

خود اپنے سے ملنے کا تو یارانہ تھا مجھ میں
میں بھیڑ میں گم ہو گئی تنہائی کے ڈر سے

جب لہو بول پڑے اسکے گواہوں کے خلاف
قاضی شہر کچھ اس باب میں ارشاد کرے

اس سے ملتے ہوئے چہرے بھی بہت ہونے لگے
شہر کے شہر سے اک ساتھ نمٹنا مشکل

qasarulkutub.blogspot.com

کس شخص کا دل میں نے دکھایا تھا کہ اب تک
وہ میری دعاؤں کا اثر کاٹ رہا ہے

ہوائے دہر! ہمیں کس لیئے بجھاتی ہے
ہمیں تو تجھ سے کبھی اختلاف بھی نہ ہوا

مرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی!
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

ہوا پہ لکھاہوا حرف ہی سہی دنیا
تمام رنگ اسی نقش رائیگاں کیلیۓ

تجھ کو بھی نہ مل سکی مکمل
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی

ہم تک آیا تو میرے لطف و کرم
ترا وقت زوال تھا کیا تھا

آنسو مرے چومتا تھا کوئی
دکھ کا حاصل یہی گھڑی تھی

تیرے کرم کی دھوپ تو خیر کسے نصیب تھی
ترے ستم کے ابر بھی اور کہیں برس گئے

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بودوباش کو سادہ نہیں کیا

ممنوع قرار پا گئے ہیں!
جس بزم میں حرف خاص تھے ہم

qasarulkutub.blogspot.com

اک سفر خوشی میں چلتے رہے اسکے ساتھ ساتھ
منزل پہ آ گئے تو کمال سفر کھلا

ترے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور یہ کیا دیکھے

کیسی گھڑی میں ترک سفر کا خیال ہے
جب ہم میں لوٹ آنے کا یارا نہیں رہا

وہ لوگ کیا چل سکیں گے جو انگلیوں پہ سوچیں
سفر میں ہے دھوپ کس قدر سائباں کتنا

یہ روشنی تھی کہ اس کا چہرہ دھیان میں تھا
ستارہ سا اک چراغ میرے مکان میں تھا

وہ تو جاں لے کے بھی ویسا ہی سبک نام رہا
عشق کے باب میں سب جرم ہمارے نکلے

لیکن یہ سکھ بہت تھا کہ کچھ معتبر تو ہیں
منزل نہیں ہیں آپ کی گرد سفر تو ہیں

شہر کی چابیاں اعدا کے حوالے کر کے
تحفتاً پھر انہیں مقتول سپاہی دیں گے

بخت رسوائی کہ کوئی اپنی نظر میں گرا
اور کوئی سر کے بازار میں سستا ہوا

ہاتھ بھی جھلسے پہن بھی بے اماں ہو کر رہا
چھوڑ کر مٹی بنایا، جب گھروندہ برف کا

qasarulkutub.blogspot.com

بدن میں پھیل گیا سرخ بیل کی مانند
وہ زخم سوکھتا کیا، جس کا چارہ گر ہی نہ تھا

ابھی تک بھائیوں میں دشمنی تھی
یہ ماں کے خون کا پیاسا ہو گیا کون

نجانے کونسا آسیب دل میں بستا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا

لوگ نجانے کن راتوں کی مرادیں مانگا کرتے ہیں
اپنی رات تو وہ جو تیرے ساتھ گزر گئی جاناں

خاموشی کلام کر رہی ہے
جذبات کی مہر ہے سخن پر

موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دل میں کیوں
کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے

آج تو اس پہ ٹھہرتی ہی نہ تھی آنکھ ذرا!
اسکے جاتے ہی نظر میں نے اتاری اسکی

بڑی امید تھی کار جہاں میں دل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

اس دل میں شوق دید زیادہ ہی ہو گیا
اس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے

مجھ سے بھی اس کا ہے ویسا ہی سلوک
حال جو تیرا نا کرتی ہے

qasarulkutub.blogspot.com

دل کی گنگ سرشاری اسکو جیت لے لیکن
عرض حال کرنے میں احتیاط ہو جائے

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو آتا ہے مگر کام کے بعد

نقد وفا کو چشم خریدار کیا ملے
اس جنس کیلئے کوئی دوکان بھی نہ تھی

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

اس کا انداز سخن سب سے جدا تھا شاید
بات لگتی ہوئی، لہجہ وہ مکرنے والا

اگر خلوص کی دولت کے گوشوارے بنیں
تو شہر بھر میں کوئی صاحب نصاب نہ ہو

جو میرے شو میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
میں اسکی بزم میں اک حرف زیر لب بھی نہیں

بے وفائی مری فطرت کے عناصر میں ہوئی
تیری بے مہری کو اسباب جگر پر رکھا

بے سرو سامان یہ دلداری کی چادر ڈالدی
بے درد دیوار تھی میں، مجھ کو گھر اس نے کیا

پھر روزہ مریم جو فقیہوں میں ہے مقبول
عاجز تھے بہت وہ مری گفتار کے آگے

qasarulkutub.blogspot.com

میں اک اک تیر پہ خود ڈھال بنتی
اگر ہوتا وہ دشمن کی کماں سے

کھلا کسی پہ نہ جس کا کبھی سیاق و سباق
کتاب زیست میں وہ اقتباس بھی دیکھا

میں اس کے قول پر ایمان لا کر خوف میں ہوں
کہیں لہجے میں تو ظالم کے عیاری نہیں ہے

اب تک وہی نشہ پذیرائی
کل خواب میں اسکے گھر گئے تھے

اس چشم سرو مہر کے سب رنگ دیکھ کر
کیا اشتیاق عرض تمنا کو دیکھتی

سازو رخت بھجوا دیں حد شہر سے باہر
پھر سرنگ ڈالیں گے ہم محل سراؤں میں

کانٹا بھی یہاں کا برگ تر ہے
باہر کی کلی ببول تھوہر

اسوقت بھی خموش رہی چشم پوش رات
جب آخری رفیق بھی دشمن سے مل چکا!

ہم خود ہی تھے سوختہ مقدر
ہاں! آپ ستارہ گر ہی ٹھہرے

بن عکس آئینے کا ہنر بھی نہ کھل سکا
دکھ کے بغیر قلب و نظر کو جل کہاں

qasarulkutub.blogspot.com

اب تک تو مرے شعر حوالہ رہے تیرا
میں اب تری رسوائی کا چرچا بھی تو دیکھوں

زندہ بچا نہ قتل ہوا طائرِ امید
اس تیرِ نیم کش کا نشانہ عجیب تھا

بچھڑ کے وہ مجھے لوٹا گیا ہے میرا وجود
یہ سانحہ مرے حق میں تو نیک فال ہی تھا

اس سے قبل بھی سائے کب قریب آئے تھے
اس نئے سفر میں بھی کام دھوپ ہی آئی

گلہ ہی کیا ہے اگر وہ بھی سبز چشم ہوا
طبیعتوں پہ تو چڑھتا رہا ہے دیر کا رنگ

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اس کا
وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

جن چیزوں کے ہرا رہنے کی دعا تھی
ان میں آج سے شامل زخم ہنر بھی ہے

پوچھا کسی نے مول تو حیران رہ گیا
اپنی نگاہ میں کوئی کتنا غریب تھا

ذرا سی کر گسوں کو آب و دانہ کی جو شہ ملی
عقاب سے خطاب کی ادا ہی اور ہو گئی

جبتک سجدہ اسکے نام پہ اسکے حضور ہے، تبتک ہے
کام خدا سے کیا یاد آیا ساری عبادت ختم ہوئی

qasarulkutub.blogspot.com

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے

مدت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی
پھر حجلہ حیات میں آئی ہے خاص شب

ملے اس آنکھ کو بھی تیرے خواب کی اجرت
چراغ کشتہ کو اتنا صلہ ضروری ہے

قبولیت کی ہے ساعت تو اسکو مانگ ہی لیں
کہ یہ گھڑی کبھی بار دگر نہیں آتی

پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے
نگاہ میں ترا منصب بحال کرنا ہے۔

اس نے خوشبو سے کرایا تھا تعارف میرا
اور پھر مجھ کو بکھیرا بھی ہوا ہی کی طرح

جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اس کا خود
سر زیر بار ساغر و بادہ نہیں کیا

تکریم زندگی سے بھی اب دست کش ہیں ہم
اس سے زیادہ نذر گزاریں حضور کیا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

بھلا کے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

qasarulkutub.blogspot.com

جو زیست کو معتبر بنا دے
ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے

کس طرح میری روح ہری کر گیا آخر
وہ زہر جسے جسم میں کھلتے نہیں دیکھا

گھروں پر جبریہ ہو گئی سفیدی
کوئی عزت آب آنے کو ہے

ہجوم رنگ میں بھی دل کا مسلک
کسی عہد وفا کی پاسداری

خود ڈھونڈ رہا ہے آب حیواں
اور پیچھے قبیلہ جاں بلب ہے

qasarulkutub.blogspot.com

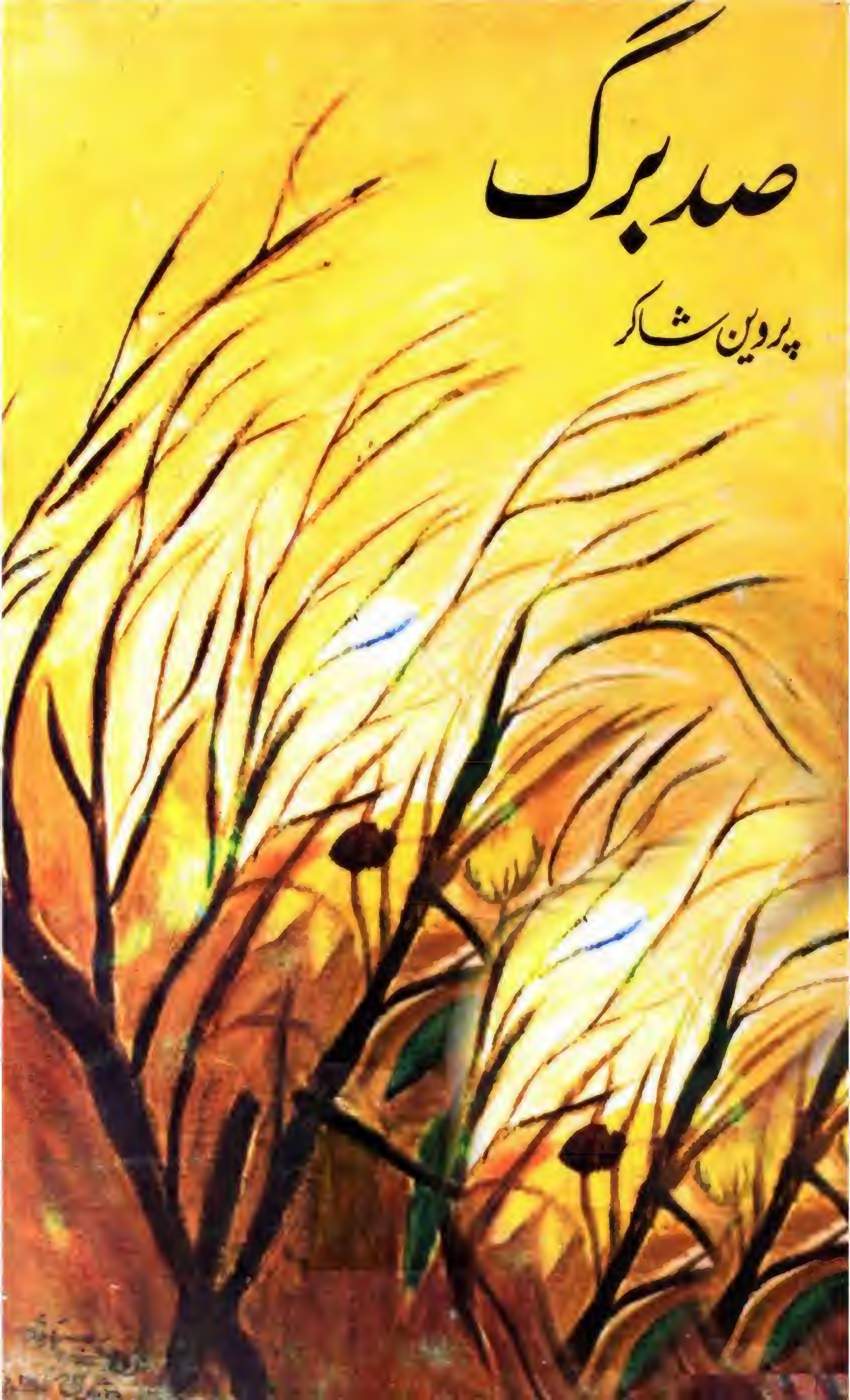
صد برگ
پروین شاکر

"**خوشبو**" شائع ہوئی۔ تو چند "مردِ دانا" نے پروین شاکر کو اُردو شاعری کا اختر شیرانی کہا اور یُوں کیکر پر انگور چڑھا کر، لُطفِ لذّتِ مردانگی اپنے لیے مختص کیا۔

ساری دُنیا میں عورت کی شاعری کو ایک محدود طبقے اور درجے کی شاعری سمجھ کر دوسرے درجے کے شہری کی دُوسرے درجے کی شاعری جاننا ایک عوامی رویّہ رہا ہے۔ مگر سیفو، اینا ایخماتوف، سلویا پلاتھ، لی چنگ چاؤ، میرا بائی، ایڈرن رچ، فروغ فرخ زاد اور اریکا ژدن کی شاعری نے شعری افق پر اسلوب اور اظہارِ فن کو فوقیت دی۔ برِصغیر میں امرتا پریتم، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر نے شاعری سے مادرائیت کو خارج کر کے، اپنے انداز میں اپنی بات کہنے کا حوصلہ اُردُو شاعری کو دیا ہے۔

پروین شاکر نے دُہرائے ہُوئے جذبوں کو دُہرا کر شاعری نہیں کی۔ اس نے رو کر، التجا کر کے اپنی مشرقیت کی لاج رکھنے کا ہُنر بھی نہیں آزمایا۔ پروین شاکر نے تو ایک فرد کو معاشرے کی تہذیب یافتگی کے باوجود وحشیانہ سزاؤں کی تپتی ریت پر پا برہنہ چلنے پر مجبور ہوتے دیکھا ہے، مگر جذبۂ عشق سلامت رکھتے ہُوئے، اپنے حوصلے کی قندیل فروزاں کیے، نہ وہ دھجی دھجی جمع کرتی ہے۔ نہ مخبروں کو احساسِ جُرم کے چوکے دیتی ہے۔ بلکہ یُوں اشارے کرتی ہے کہ "جتھے بُھتیاں قبراں، اوہوئی وڈّے گراں"۔

اُردُو شاعری کے گزشتہ اور آنے والے دس سال بھی، شاعرات اور خصوصًا پروین کے عطا کردہ اسلوب کے آئینہ دار ہوں گے۔

کشور ناہید

سرورق: پروین سیدقنا
پس ورق: اقبال مہدی

صد برگ

پروین شاکر

صد برگ

پروین شاکر

غالب پبلشرز

جملہ حقوق بحق مصنفؒ

ناشر : اسداللہ غالب
غالب پبلشرز، پوسٹ بکس نمبر ۴۰۷۹۔لاہور
پہلا ایڈیشن : فروری ۱۹۸۰ء
تیسرا ایڈیشن : فروری ۱۹۸۱ء
مطبع : کمبائن پرنٹرز، لاہور
قیمت : ۳۶/- روپے

امّی کے نام

صد برگ

○ جلادیا شجرِ جاں کہ سبز بخت نہ تھا (غزل) ۱۵
○ زود پشیماں ۱۶
○ تسلی ۱۸
○ مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے (غزل) ۲۰
○ تمام لوگ اکیلے تھے راہبر ہی نہ تھا (غزل) ۲۲
○ کسی کی کھوج میں پھر کھو گیا کون (غزل) ۲۴
○ تراش کر مرے بازو اُڑان چھوڑ گیا (غزل) ۲۵
○ شگون ۲۶
○ ہوا رہوار تھی میرا ۲۸
○ قدموں میں مرے مخمل ہوئی رات (غزل) ۳۲
○ سمندر کومل سپنوں کی بارات گزر گئی جاناں (غزل) ۳۵
○ آنکھوں میں تھکن، دھنک بدن پر (غزل) ۳۷
○ وصال ۳۹
○ سپردگی ۴۰
○ دودھ، شہد اور شبنم ۴۲
○ بج رہا تھا اک پرندہ ڈال پر ہنستا ہوا (غزل) ۴۳
○ چاند کا پیغام دھندلا تھا نہ چہرہ حرف کا (غزل) ۴۵
○ ہنی مون ۴۶
○ کالام (۱) ۴۸
○ کالام (۲) ۵۰
○ نیلم ـــــ ترے کتنے رنگ ۵۱
○ شرارت ۵۴
○ گیلے بالوں سے چھنتا سورج ۵۵

○ بج اُٹھے ہوا کے دف، وجد میں کلی آئی (غزل)	۵۶
○ تُو نے کبھی سوچا	۵۷
○ اولمپکس	۵۸
○ بُلاوا	۶۰
○ محبت آشنا	۶۱
○ اسم	۶۳
○ جمالِ ہم نشیں	۶۴
○ شہر کو تیری جستجو ہے بہت (غزل)	۶۷
○ دُھوپ سات رنگوں میں پھیلتی ہے آنکھوں پر (غزل)	۶۸
○ بس اے بہار کے سُورج بڑھا یہ قہر کا رنگ (غزل)	۷۰
○ امیرِ شہر سے سائل بڑا ہے (غزل)	۷۲
○ پرو دیے مرے آنسو ہوا نے شاخوں میں (غزل)	۷۴
○ سیف الملوک سے	۷۵
○ نک نیم	۷۷
○ کس شہر میں لائی خوش کلامی (غزل)	۷۹
○ کیکر تے انگور چڑھایا	۸۲
○ شام آئی تری یادوں کے ستارے نکلے (غزل)	۸۶
○ ایک سفر	۸۸
○ ایک کوہستانی المیہ	۸۹
○ اسلام آباد — علی الصبح	۹۰
○ جیون ساتھی سے	۹۱
○ نئی آنکھ کا پرانا خواب	۹۲
○ محرومی	۹۳
○ گونج	۹۴
○ خاکم بدہن	۹۵
○ بدن کے موسم بے اختیاری میں	۹۷
○ نادان	۹۹
○ ہوا چلے تو	۱۰۰
○ سکھی	۱۰۱

○ نیرنگ ۱۰۲
○ چیڑ کے مغرور پیڑ ۱۰۳
○ پیشی ۱۰۴
○ سجدہ ۱۰۵
○ پا بہ گل سب ہیں رہائی کی کرے تدبیر کون (غزل) ۱۰۶
○ مشکل ہے کہ اب شہر میں نکلے کوئی گھر سے (غزل) ۱۰۸
○ اسٹینوگرافر ۱۱۰
○ ورکنگ وومن ۱۱۳
○ اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے (غزل) ۱۱۵
○ ملال تیز روی ۱۱۷
○ پذیرائی ۱۱۹
○ نیگ ۱۲۰
○ بے پناہی ۱۲۱
○ ہجر کی شب کا کسی اسم سے کٹنا مشکل (غزل) ۱۲۳
○ شکستہ پائی ارادوں کے پیش و پس میں نہیں (غزل) ۱۲۵
○ رستہ بھی کٹھن دھوپ میں شدت بھی بہت تھی (غزل) ۱۲۷
○ شام غریباں ۱۲۹
○ اورکنی ۱۳۱
○ علی مشکل کشا سے ۱۳۳
○ تقیہ ۱۳۵
○ جتنا ہو فزوں عطائے رب ہے (غزل) ۱۳۷
○ بچھڑا ہے جو اک بار تو ملتے نہیں دیکھا (غزل) ۱۳۹
○ تجھ سے تو کوئی گلہ نہیں ہے (غزل) ۱۴۰
○ بدن تک موج خواب آنے کو ہے پھر (غزل) ۱۴۲
○ فصیل شہر پر تھی ضرب کاری (غزل) ۱۴۴
○ ...... بدتراز گنہ ۱۴۷
○ سنگ پگھل بھی جاتے ہیں (غزل) ۱۴۹
○ خزاں کی رت میں لحنہ جمال کیسے آ گیا (غزل) ۱۵۰
○ گھر کی یاد ہے اور در پیش سفر بھی ہے (غزل) ۱۵۲

○ غزالِ شوق کی وحشت عجب تھی (غزل) ۱۵۴
○ گنگا سے ۱۵۶
○ تاج محل ۱۵۹
○ — بوسئے یاسمن باقیست ۱۶۱
○ قرۃ العین حیدر ۱۶۳
○ سلمیٰ کرشن ۱۶۵
○ میکبتھ ۱۶۷
○ اے مرے شہر رسن بستہ ۱۷۰
○ واوف بےبدک ۱۷۳
○ کسے کہ کشتہ نہ شد ۱۷۶
○ اے جگ کے رنگ ریز ۱۷۹
○ اپنے قائدؒ کے لیے کچھ حرف ۱۸۲
○ لمسِ زر ۱۸۴
○ مار گزیدہ ۱۸۶
○ تو برمن بلا شدی ۱۸۸
○ ظلِ الٰہی کے پرابلمز ۱۹۱
○ اُسی طرح سے ہر اک زخم خوشنما دیکھے (غزل) ۱۹۴
○ موجیں بہم ہُوئیں تو کنارہ نہیں رہا (غزل) ۱۹۶
○ تجزیہ ۱۹۸
○ کنیا دان ۱۹۹
○ ہاں ابھی دُعائے نُور پڑھی جا سکتی ہے ۲۰۱
○ نہیں مرا آنچل مَیلا ہے ۲۰۳
○ ایران ۲۰۵
○ زمین پر پاؤں تھے قیام آسمان میں تھا (غزل) ۲۰۸
○ زمین سے رہ گیا ہے دُور آسمان کتنا (غزل) ۲۱۰
○ قدموں میں بھی تھکان تھی گھر بھی قریب تھا (غزل) ۲۱۲
○ چھتنار ۲۱۴
○ سبھی گناہ دُھل گئے سزا ہی اَور ہو گئی (غزل) ۲۱۶
○ سحاب میں تھی تو وہ بھی صبا مثال ہی تھا (غزل) ۲۱۸

○ قید میں گزرے گی جو عمر بڑے کام کی تھی (غزل) ۲۲۰
○ پلکیں نہ جھپکتی تھیں کہ گفتار عجب تھی (غزل) ۲۲۲
○ ہوا نژاد اور آج ہے گوشہ گیر ایسا (غزل) ۲۲۴
○ چٹان چھوڑ کے شاہین سیر نہال آیا (غزل) ۲۲۵
○ بہاؤ تیز تھا طوفانِ ابر و باد بھی تھا (غزل) ۲۲۷
○ قضا نے مرے نام کی لوح بھر دی (غزل) ۲۲۹
○ شام میں توری گیاں چراؤں ۲۳۱
○ A WOMAN'S PRIDE ۲۳۴
○ شب وہی لیکن ستارہ اور ہے (غزل) ۲۳۵
○ اس کی ثنا میں حدِ بیاں سے نکل چکا (غزل) ۲۳۸
○ جھگڑا نا سہل ہو گیا ہے بات درمیان میں (غزل) ۲۳۹
○ بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا (غزل) ۲۴۱
○ کیسا ثبات ہے کہ روانی بھی ساتھ ہے (غزل) ۲۴۳
○ LADY OF THE HOUSE ۲۴۴
○ DEMONETIZATION ۲۴۷
○ ٹکٹکی ۲۵۰
○ روزِ سیاہ ۲۵۲
○ اُونٹ کا حافظہ رکھنے والے ۲۵۴
○ بارشوں کی چند نظمیں ۲۵۶
○ ایک اداس نظم ۲۵۹
○ ایک معقول نکاح ۲۶۰
○ آتشِ جاں سے قفس آپ ہی جل جانا تھا (غزل) ۲۶۳
○ کسے خبر ہے کہ کیا رنج و غم اُٹھاتے ہیں (غزل) ۲۶۵
○ گواہی کیسے ٹوٹتی معاملہ خدا کا تھا (غزل) ۲۶۷
○ کتوں کا سپاس نامہ ۲۶۸
○ پوسٹ ڈنر آئٹم ۲۷۱
○ بُجھ گئی آنکھ تو پیراہن تر کیا لائے ۲۷۳
○ شاخِ بدن کو تازہ پھول نشانی دے ۲۷۵
○ ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اُٹھا (غزل) ۲۷۶
○ کتبہ ۲۷۸

رزقِ ہوا . . .

زندگی کے دشتِ بلا میں، سچائی جب اپنے وقتِ عصر کو پہنچ جائے تو کون و مکاں میں صرف ایک پکار باقی رہ جاتی ہے . . . . ہل من ناصر ینصرنا . . . . ہل من ناصر ینصرنا . . . .

لیکن جس معاشرے میں قدروں کے نمبر منسوخ ہو چکے ہوں اور درہم خودداری، دینارِ عزتِ نفس کوڑیوں کے بھی مول نہ نکلیں، وہاں نیکی کی نصرت کو کون آئے؟ وہاں تو سماعتیں بہری اور بصارتیں اندھی ہو جاتی ہیں . . . . اور میرا گناہ یہ ہے کہ میں ایک ایسے قبیلے میں پیدا ہوئی جہاں سوچ رکھنا جرائم میں شامل ہے، مگر قبیلے والوں سے بھول یہ ہوئی کہ انہوں نے مجھے پیدا ہوتے ہی زمین میں نہیں گاڑا اور اب مجھے دیوار میں چن دینا اُن کے لیے اخلاقی طور پر اتنا آسان نہیں رہا! (مگر وہ اپنی بھول سے بے خبر نہیں۔ سو اب میں ہوں اور رہنے کی مجبوری کا یہ اندھا کنواں جس کے گرد گھومتے گھومتے میرے پاؤں پتھر کے ہو گئے ہیں اور آنکھیں پانی کی —— کیونکہ میں نے اور لڑکیوں کی طرح کھوپے پہننے سے انکار کر دیا تھا! اور انکار کرنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا!

ہر انکار پر میرے جسم میں ایک میخ کا اور اضافہ ہو گیا —— گر میخیں ٹھونکنے والوں نے میری آنکھوں سے کوئی تعرض نہ کیا —— شاید وہ جانتے تھے کہ انہیں بجھانے سے میرے اندر کی روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یا پھر اپنی سفاکیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہ ایک گونگے گواہ کے طالب تھے اور میں حیران ہوں کہ اس مسلسل گواہی سے میری آنکھیں اب تک پتھرائی کیوں نہیں!

سنگینوں میں پروئے ہوئے بچے اور نیزوں پہ سجے ہوئے جوان سر میری نگاہوں کے سامنے سے گزرتے رہے —— اور میں قتل ہونے والوں کے نام تک نہیں پوچھ سکی —— (کہ ایسا کرنے میں وفاداریاں مشکوک ہو جاتی ہیں) مرگِ انبوہ تو یوں بھی جشن کا سماں رکھتی ہے —— سو تماشا دیکھنے والوں میں میری آنکھیں بھی شامل رہیں!

بستی میں برفباری ہوئی، تو لوگوں نے ہاتھ تاپنے کے لیے گھر ہی جلا دیے اور جب تمام بستی شعلوں

کی پلیٹ میں آگئی، تو سارے ہاتھ بلند تھے، مگر کسی کو سورہ ابراہیم یاد نہ تھی!

بہار کی دھوپ جب شہر کا رنگ جلانے لگے، تو سورج سے حرارت کی بجائے پناہ مانگی جاتی ہے لیکن بارشیں ہوئیں، تو کھلا کہ اپنے شہر کا رنگ ہی کچا تھا!

اور رہا شہرِ جاں، تو سُرخ انگور سے چھنی ہوئی سرد ہوا نے جس کی گلیوں میں گلابی اُچھال دی تھی، بہار کی پہلی بارشوں نے جسے اس طرح چوما تھا کہ زندگی سبز روشنی میں نہا گئی تھی، بادِ شمال نے جھوم کر ہرے موسموں کے تن میں کہیں رگِ تاک کھول دی اور محبت کی اوک سے زندگی کو خوشبو پلا رہی تھی، جہاں وجود کی بے ہنر جڑوں تک نمو کی شبنم کچھ اس طرح اُتر گئی تھی کہ بے برگ و بے ثمر شجر پھولوں کے بوجھ سے جھک جھک گئے، جہاں وجود کے سرمدی دھندلکے میں آب و آتش کچھ یوں بہم ہوئے کہ ہوا نے مٹی کے آگے سر جھکا دیا اور قدموں کے نیچے تاروں کی طرح بچھی ہوئی رات، ساقی سے کچھ یوں مل گئی کہ سپردگی کا نشہ تا عمر ٹوٹتا نظر نہیں آتا تھا . . . . .

مگر جب زندگی کے میلے میں رقص کی گھڑی آئی، تو سنڈریلا کی جوتیاں ہی غائب تھیں، نہ وہ خواب تھا، نہ وہ باغ تھا، نہ وہ شہزادہ، اچھے رنگوں کی سب پریاں اپنے طلسمی دیس کو اُڑ چکی تھیں اور لہولہان ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملتی شہزادی جنگل میں اکیلی رہ گئی ——— اور جنگل کی شام کبھی تنہا نہیں آتی! بھیڑیے اس کے خاص دوست ہوتے ہیں! شہزادی کے پاس بچاؤ کا صرف ایک ہی طریقہ ہے ——— اُسے ایک ہزار راتوں تک کہانی کہنی ہے . . . . . اور ابھی تو صرف ۲۷ راتیں ہی گزری ہیں!

مادر زاد منافقوں کی بستی میں زیست کرنے کا اور کوئی ہُنر نہیں ——— اور ہوا سے بڑھ کر اور کون منافق ہوگا کہ جو صبح سویرے پھول کو چوم کر جگاتی بھی ہے اور شام ڈھلے اپنے حریص ناخنوں سے اُس کی پنکھڑیاں بھی نوچ لیتی ہے ——— قیمتِ شگفت چکانے میں جاں کا زیاں تو ایسی کوئی بات نہیں، مگر یہ پنکھڑی پنکھڑی ہوکر دربدر پھرنا یقیناً دکھ دیتا ہے ——— ہوا کا کوئی گھر نہیں، سو وہ کسی سر پہ چھت نہیں دیکھ سکتی!

——— محنتیں آندھیوں سے منسوب نہ سہی، مگر ہوا کے ہوتے ہوئے، ثمر کا شجر سے رابطہ رہنا بھی محال ہے ——— لیکن شجر کتنا ہی ویران کیوں نہ ہو، اُمید بہار پیوستہ ہے، پھول کتنا ہی پامال کیوں نہ ہو، اچھے دِنوں پر یقین کرنے والے، کوئی نہ کوئی شگون لے ہی لیتے ہیں. صد برگ بھی تمام تر ریزہ ریزہ ہونے کے باوصف اسی یقین پر مُہرِ اثبات ہے ——— اور اس یقین کی کوئی ننھی سی کرن آپ کے دِل تک بھی اُتر سکے، تو مَیں سمجھوں گی کہ میرے وجود کی ایک اور پنکھڑی رزقِ ہوا ہونے سے بچ گئی!

پروین شاکر

جنوری ۱۹۸۰ء

جلا دیا شجرِ جاں کہ سبز بخت نہ تھا
کسی بھی رُت میں ہرا ہو، یہ وہ درخت نہ تھا

جو خواب دیکھا تھا شہزادیوں نے پچھلے پہر
پھر اُس کے بعد مقدّر میں تاج و تخت نہ تھا

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی
مری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

مرے لیے تو وہ خنجر بھی پھول بن کے اُٹھا
زباں سخت تھی، لہجہ کبھی کرخت نہ تھا

اندھیری راتوں کے تنہا مسافروں کے لیے
دیا جلاتا ہُوا کوئی سازو رخت نہ تھا

گئے وہ دن کہ مجھی تک تھا میرا دکھ محدود
خبر کے جیسا یہ افسانہ لخت لخت نہ تھا

زود پشیمان

گھری بھوری آنکھوں والا اک شہزادہ

دور دیس سے

چمکیلے، مشکی گھوڑے پر ہوا سے باتیں کرتا

جگر جگر کرتی تلوار سے جنگل کاٹتا آیا

دروازوں سے لپٹی بیلیں پرے ہٹاتا

جنگل کی بانہوں میں جکڑے محل کے ہاتھ چھڑاتا

جب اندر آیا تو دیکھا

شہزادی کے جسم کی ساری سوئیاں زنگ آلودہ تھیں

رستہ دیکھنے والی آنکھیں

سارے شکوے بھلا چکی تھیں!

تسلّی

اب جبکہ میں اپنے آپ پہ
شہرِ وفا کا ہر دروازہ
اپنے ہاتھوں بند کر آئی،
اور ان میں ہر اک کی چابی
سبز آنکھوں والے نسیان کے سرد سمندر میں پھینک آئی ہوں
ڈرا ڈرا سا یہ احساس بھی
کتنی ٹھنڈک دیتا ہے
زنداں کی اونچی دیوار سے دُور

پرانے شہر کی اک چھوٹی سی گلی میں
ایک دریچہ
میرے نام پہ کھُلا رہے گا

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

لوگ تھرّا گئے جس وقت منادی آئی
آج پیغام نیا ظلِّ الٰہی دیں گے

جھونکے کچھ ایسے تھپکتے ہیں گلوں کے رخسار
جیسے اس بار تو پت جھڑ سے بچا ہی دیں گے

ق

ہم وہ شب زاد کہ سورج کی عنایات میں بھی
اپنے بچّوں کو فقط کورنگاہی دیں گے

آستیں سانپوں کی پہنیں گے گلے میں مالا
اہلِ کوفہ کو نئی شہر پناہی دیں گے

شہر کی چابیاں اعدا کے حوالے کر کے
تحفتاً پھر انھیں مقتول سپاہی دیں گے

تمام لوگ اکیلے تھے، راہبر ہی نہ تھا
بچھڑنے والوں میں اک میرا ہمسفر ہی نہ تھا

برہنہ شاخوں کا جنگل گڑا تھا آنکھوں میں
وہ رات تھی کہ کہیں چاند کا گزر ہی نہ تھا

تمھارے شہر کی ہر چھاؤں مہرباں تھی مگر
جہاں پہ دھوپ کڑی تھی، وہاں شجر ہی نہ تھا

سمیٹ لیتی شکستہ گلاب کی خوشبو
ہوا کے ہاتھ میں ایسا کوئی ہُنر ہی نہ تھا

میں اتنے سانپوں کو رستے میں دیکھ آئی تھی
کہ تیرے شہر میں پہنچی تو کوئی ڈر ہی نہ تھا

کہاں سے آتی کرن زندگی کے زنداں میں
وہ گھر ملا تھا مجھے جس میں کوئی در ہی نہ تھا

بدن میں پھیل گیا سُرخ بیل کی مانند
وہ زخم سوکھتا کیا، جس کا چارہ گر ہی نہ تھا

ہَوا کے لائے ہُوئے بیج پھر ہَوا کو گئے
کِھلے تھے پھُول کچھ ایسے کہ جن میں زر ہی نہ تھا

قدم تو ریت پہ ساحل نے بھی نہ رکھنے دیا
بدن کو جکڑے ہُوئے صرف اک بھنور ہی نہ تھا

کسی کی کھوج میں پھر کھو گیا کون
گلی میں روتے روتے سو گیا کون

بڑی مدت سے تنہا تھے مرے دکھ
خدایا، میرے آنسو رو گیا کون

جلا آئی تھی میں تو آستیں تک
لہو سے میرا دامن دھو گیا کون

جدھر دیکھوں کھڑی ہے فصلِ گریہ
مرے شہروں میں آنسو بو گیا کون

ابھی تک بھائیوں میں دُشمنی تھی
یہ ماں کے خوں کا پیاسا ہو گیا کون

تراش کر مرے بازو، اُڑان چھوڑ گیا
ہَوا کے پاس برہنہ کمان چھوڑ گیا

رفاقتوں کا مری، اُس کو دھیان کتنا تھا
زمین لے لی مگر آسمان چھوڑ گیا

عجیب شخص تھا، بارش کا رنگ دیکھ کے بھی
کھُلے دریچے پہ اک پھُول دان چھوڑ گیا

جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
بڑھی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا

نکل گیا کہیں ان دیکھے پانیوں کی طرف
زمیں کے نام کھلا بادبان چھوڑ گیا

عقاب کو تھی غرض فاختہ پکڑنے سے
جو گر گئی تو یونہی نیم جان چھوڑ گیا

نجانے کون سا آسیب دل میں بستا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا

عقب میں گہرا سمندر ہے سامنے جنگل
کس انتہا پہ مرا مہربان چھوڑ گیا

شگون

سات سہاگنیں اور میری پیشانی !
صندل کی تحریر
بھلا پتھر کے لکھے کو کیا دھوئے گی
بس اتنا ہے
جذبے کی پوری نیکی سے
سب نے اپنے اپنے خدا کا اسم مجھے دے ڈالا ہے
اور یہ سُننے میں آیا ہے
شام ڈھلے، جنگل کے سفر میں
اسم بہت کام آتے ہیں

...ہوا رہوا رتھی میرا

ہوا کی سرسراہٹ، سورۂ اخلاص کی آیت گُنتا تھی
نصف شب کی نیم خوابیدہ زمیں
گہرے اندھیروں کا تنفّس
اپنی سانسوں سے اُبھتے دیکھ کر شرماتی جاتی تھی
لہو کی گردشوں میں ایک نامعلوم رقصِ بے صدا جاری تھا
کوئی جسم کے اندر
بڑی گہری مہارت سے، بہت آہستگی سے، اس ادا سے پاؤں
رکھتا تھا،
کہ باہر کا طلسمِ خامشی پہلے کی صورت دم بخود رہتا

مگر اندر،

کھنکتے گھنگھروؤں کے آبشاروں میں سماعت، پھول کی پتّی کی صورت،
نقرئی دھاروں پہ کٹتی جا رہی تھی؛

پیرہن جسم میں تا حدِ امکاں،
چاند کا جادو،
ستارے چھنتا جاتا تھا

رگوں میں چاندنی یوں بہہ رہی تھی،
جیسے ان گہرے گلابی اور ہلکے نیلے رستوں پر

بہت پہلے،
کسی بے حد پُرانے اور پیارے دوست سے ملتی رہی ہو!
سنہرا رنگ اک سیلاب بن کر،
سبز دیواروں، روپہلے طاقچوں، ہلکے بنفشی پھول دانوں، کاسنی
پردوں سے ہو کر،
مشک افشاں زلفِ شب اور سرخ چادر سے گزر کر،

جھلۂ جاں میں اُترتا جارہا تھا

(نور پروردہ بصارت روشنی کے نام پر کجلائی جاتی تھی

مگر — پھر چاند سے نظریں ہٹانا کتنا مشکل تھا!)

گزرتی رات کے ہونٹوں پہ کوئی اسم تھا

جو ذات کے شہرِ صد آئینہ کے اک اک در پہ اپنے ہاتھ رکھتا

جا رہا تھا

اور ہر در کھلتا جاتا تھا!

مرے آبا کی روحوں سے پرانی،

لوک قصوں، دیومالائی فسانوں سے بھی پہلے کی کہانی

میرے تن سے اپنا منظر لینے آئی تھی!

امانت لے کے اپنی،

میری شبنم رنگ پیشانی کو جب وہ چومنے آئی

تو اُس کے لمس کا افسوں عجب تھا!

مرا ننھا سا پیکر

اپنی وسعت میں
اُفق سے تا اُفق
ہفت آسماں تک پھیلا جاتا تھا!

ہوا رہوار تھی میرا
دھنک تھامے ہوئے راہیں
بدن میرا ستارہ تھا!

— —

قدموں میں مرے جھکی ہُوئی رات
تاروں کی طرح بچھی ہُوئی رات

گرتی ہے بدن پہ قطرہ قطرہ
خوشبو سے کشید کی ہوئی رات

آنکھوں پہ ستارے چن رہی ہے
آنگن میں مرے کھلی ہُوئی رات

ماتھے پہ نئی رفاقتوں کے
افشاں کی طرح چُنی ہُوئی رات

خوابوں کی سجل ہتھیلیوں پر
مہندی کی طرح رچی ہُوئی رات

آہٹ پہ کسی کی کسمسائی
دلہن کی طرح سجی ہُوئی رات

تا عمر نہ ٹوٹنے دے نشّہ
ساقی سے مرے ملی ہوئی رات

چھُوتی ہُوئی ایک ایک تارا
آکاش پہ تیرتی ہُوئی رات

حل ہونے لگی لہو میں میرے
سانسوں میں ترے گھلی ہُوئی رات

شبنم سے گلاب پوچھتے ہیں
اب تک تھی کہاں چھپی ہُوئی رات

اک پل کو جھپک سکی نہ پلکیں،
آنکھوں میں رہی رُکی ہوئی رات

کیا چین کی نیند سو رہی ہے
اک عمر سے جاگتی ہُوئی رات

ہے چور تھکن سے لیکن اب تک
شاداب ہے ٹُوٹتی ہُوئی رات

اک لمحہ سخن پہ ایسا آیا
چپ ہو گئی بولتی ہُوئی رات

———

❁

سندر، کومل سپنوں کی بارات گزر گئی جاناں!
دھوپ آنکھوں تک آ پہنچی ہے رات گزر گئی جاناں!

بھور سمے تک جس نے ہمیں باہم اُلجھائے رکھا
وہ البیلی ریشم ایسی بات گزر گئی جاناں!

سدا کی دیکھی رات ہمیں اس بار ملی تو چپکے سے
خالی ہات پہ رکھ کے کیا سوغات گزر گئی جاناں!

کس کونپل کی آس میں اب تک ویسے ہی سرسبز ہو تم
اب تو دھوپ کا موسم ہے برسات گزر گئی جاناں!

لوگ نجانے کن راتوں کی مرادیں مانگا کرتے ہیں
اپنی رات تو وہ جو تیرے سات گزر گئی جاناں!

اب تو فقط صیاد کی دلداری کا بہانہ ہے ورنہ
ہم کو دام میں لانے والی گھات گزر گئی جاناں!

آنکھوں میں تھکن، دھنک بدن پر
جیسے شبِ اوّلیں دلہن پر

دستک ہے ہوائے شب کی تن پر
کُھلتا ہے نیا دریچہ فن پر

رنگوں کی جمیل بارشوں میں
اُتری ہے بہار پھول بن پر

تھامے ہُوئے ہاتھ روشنی کا
رکھ آئی قدم زمیں، گگن پر

گزرا تھا کوئی سحر پہ جھونکا
سلوٹ ہے قبائے یاسمن پر

شبنم کے لبوں پہ ناچتی ہے
چھایا ہے عجب نشہ کرن پر

کھلتی نہیں برگ و گُل کی آنکھیں
جادو کوئی کر گیا چمن پر

خاموشی کلام کر رہی ہے
جذبات کی مُہر ہے سخن پر!

وصال

خمارِ لذّت سے، ایک پل کو
جو آنکھیں چونکیں،
تو نیم خوابیدہ سرخوشی میں
غرورِ تاراجگی نے سوچا
خدائے برتر کے قہر سے
آدم اور حوّا
بہشت سے جب بھی نکلے ہوں گے
سپردگی کی اسی حسیں انتہا پہ ہوں گے
اسی طرح
ہم بدن اور ہم خواب و ہم تمنّا

سپردگی

زمین اپنے قدیم محور کے گرد رقصاں ہے
اور فضا میں
کسی پُراسرار سرخوشی کا سرور اس طرح بہہ رہا ہے
کہ جیسے بادِ شمال نے جھوم کر ہرے موسموں کے تن میں
کہیں رگِ ناک کھول دی ہو،
اور اب محبت کی اوک سے زندگی کو خوشبو پلا رہی ہے!
نظر سے اوجھل کوئی خوشی ہے
کہ جسم کی پور پور کو چھو رہی ہے آکر
لہو کی نیلی صداقتوں میں اُترنے والی گلابی لذّت

مرا بدن چومنے لگی ہے،
بیک زماں کوئی زندگی دے کے
جسم سے جان کھینچتا ہے،
یہ جاں سے جانے کا اور مسیحائی کا تصادم
عناصرِ زندگی کا بے حد قدیم سنگم
وجود کے سرمدی دھندلکے ہیں
آب و آتش بہم ہوئے ہیں
ہوا نے مٹی کے سامنے سر جھکا دیا ہے!

دودھ، شہد اور شبنم

وہی بدن ہے
کہ ابرِ نیساں سے قبل
بے برگ و بے ثمر تھا،
بہار کی بارشوں میں ایسا نکھر گیا ہے
کہ زندگی سبز روشنی میں نہا گئی ہے
وجود کی بے ہنر جڑوں تک
نمو کی شبنم اُتر چکی ہے
جلی ہُوئی شاخ کی نئی کونپلوں میں پھر دودھ بھر رہا ہے
ہزاروں خوش رنگ تتلیوں کا حسین جھرمٹ
شجر کے تن پر جھکا ہُوا ہے
محبتیں اعتبار پاکر
بدن کے سب ذائقوں کو امرت بنا رہی ہیں

بچ رہا تھا اک پرندہ ڈال پر ہنستا ہُوا
جال وہ پھینکے ہوا نے، وہ بھی پر بستہ ہُوا

دے کے مجھ کو اذن گہرے پانیوں کی سیر کا
خود روانہ ہے وہ میری رسّیاں کستا ہُوا

شہر کی ہر رہگزر پر برف خیمہ زن ہُوئی
بند اگلے چاند تک اب دھوپ کا رستہ ہُوا

جو ہَوا آئی، مرے چہرے پہ پاؤں رکھ گئی
اونچی شاخوں کا شگوفہ برگِ نو رستہ ہُوا

ریت پر لکھا گیا یا سطحِ موجِ آب پر
نام جو اُس آنکھ کی وحشت سے وابستہ ہُوا

بختِ رسوائی کہ کوئی اپنی نظروں میں گرا
اور کوئی مصر کے بازار میں سستا ہُوا

—

چاند کا پیغام دھندلا تھا نہ چہرہ حرف کا
شہر کے سارے دریچوں پر ہے پردہ برف کا

یہ ہوا کی سرد مہری تھی کہ میرے دل کا خوف
جم گیا ہے ہونٹ پر آ کر تنفّس حرف کا

دیکھ کر قاتل کے نیچے در گزر کرتا قصاص
کون تھا مقتول کے پیاروں میں اتنے ظرف کا

ایک وہ موسم کہ مجھ پر مسکراہٹ جبر تھی
اور اب موقع نہیں ملتا ہنسی کے صرف کا

ہاتھ بھی جھلسے، بدن بھی بے اماں ہو کر رہا
چھوڑ کر مٹی، بنایا جب گھروندہ برف کا

96553

ہنی مون

سرخ انگور سے چھنی ہوئی یہ سرد ہوا،
جس کو قطرہ قطرہ پی کر
میرے تن کی بھوری شاخ کے سارے پیلے پھول گلابی
ہونے لگے ہیں
سوچ کے ہر پتھر پہ ایسی ہریالی اُگ آئی ہے
جیسے ان کا اور بارش کا بڑا پرانا ساتھ رہا ہو
ہریالی کے سبز نشے میں ڈوبی خوشبو
میری آنکھیں چوم رہی ہے

خوشبو کے بوسوں سے بوجھل میری پلکیں

ایسے بند ہوئی جاتی ہیں

جیسے ساری دنیا اک گہرا نیلا سیّال ہے

جو پاتال سے مجھ کو اپنی جانب کھینچ رہا ہے

اور میں تن کے پورے سُکھ سے

اس پاتال کی پہنائی میں

دھیرے دھیرے ڈوب رہی ہوں!

———

کالام

(۱)

ہوا میں زمرّد گھُلا ہے!
(شجر کا بدن ایک لمس گریزاں میں شاداب کر دے)
کوئی لاتعلق سا جھونکا
کسی سنگ ریزے کے رخسار کو تھپتھپا دے
تو وہ دیکھتے دیکھتے
سبز خط ہو کے یوں جی اُٹھے گا
کہ بنجر پہاڑوں کے چہرے گلابوں کے سہرے میں چھپ جائیں گے
کاسنی پتھروں سے پرے،

نیلے چشموں کی آواز سے بال دھوتی ہُوئی شوخ چنچل ہوا،
زندگی کی سہاگن ہنسی،
پیڑ، آنگن، دریچے،
جسے چُوم لے
رنگ سے بیاہ دے!

کالام

(۲)

برف کی رُت اور تن پر اک بوسیدہ قبا
جس سے جگہ جگہ موسم کی نیلی شدّت جھانک رہی ہے
ہر جھونکے پر ہلتے ہُوئے لکڑی کے مکاں
جن پر بارش پنجے گاڑے بیٹھی ہے ،
سرد ہوا سے سارے گھر زخمی ہیں ،
لیکن ـــ سب کی چھتوں پر
نیلے پیلے ، سبز گلابی جھنڈے ایسے لہراتے ہیں
جیسے وادی کے سب بچّے ریشم پہنے گھوم رہے ہوں !

LIBRARY
MALHOTRA COLLECTION

نیلم — تیرے کتنے رنگ!

پتھر کاٹ کے اپنا رستہ ڈھونڈنے والے نیلم!
تیری نرم آواز کے سایے سایے سپنے بُنتی
تیرے کناروں پر سے تیری سبز کمائی چُنتی
شہر سے آئی لڑکی،
تجھ کو بہتے، تجھ کو ہنستے، تجھ کو موج اُڑاتے دیکھے
من ہی من میں سوچے
پو پھٹنے سے لے کر چاند کے ڈھل جانے تک
تیرے سارے رنگ عجب ہیں

کبھی نوزائیدہ بچے کی آنکھوں میں جمی ہوئی حیرت کی صورت نیلا
کبھی کسی کی پہلی چاہت جیسا اُجلا
کبھی شہر کو جانے والے رستے کی صورت کالا،
کبھی ہرن کی آنکھوں جیسا من موہن بھولا بھالا،
بادل کے مٹیالے دُکھ کا سارا بھورا پن اپنائے
چاند کے سینے کے ہر داغ کو اپنے اُجلے من میں چھُپائے
سبز کبھی اُمّید کی صورت
زرد فراق کے جیسا
چرواہی کی اوڑھنی جیسی کبھی کاسنی لہریں
سرخ پہاڑ تک آتے آتے وہی جامنی لہریں
پھولوں کے جھرمٹ تک پہنچے جونہی سادہ پانی
کہیں سنہرا، کہیں چمپئی، کہیں چمکتا دھانی
کھلے روپہلے آسمان تک آکر پھر وہی نیلا
وہی ازل اور ابد کا رنگ جو کبھی پڑا نہیں پھیکا

لہر کے ساتھ سفر کرتے مری آنکھیں دُکھنے آئیں

تیرے رنگ نہ ٹھہرے،

تیری موجیں نہ رُکنے پائیں

نیلم ـــــ تُو بھی عجب مسافر

صدیوں سے اوروں کے لیے بہتا جائے

سب کے دکھ سکھ آئینہ کرتا جائے

شرارت

جھاگ اُڑاتا چشمہ
میرے بال بھگو کر
دور کہیں جا نکلا ہے ــ
لیکن اُس کی شوخی اب تک
میری مانگ سے موتی بن کر
قطرہ قطرہ ٹپک رہی ہے !

گیلے بالوں سے چھنتا سُورج

شوخ کرن نے
گیلے ریشم بالوں کو جس لمحہ چھُوا
بے ساختہ ہنس دی
پلکوں تک آتے آتے
سورج کی ہنسی بھی
گوری کی مُسکان کی صورت،
سات رنگ میں بھیگ چکی تھی!

بج اُٹھے ہوا کے دف ، وجد میں کلی آئی
زندگی کے میلے میں رقص کی گھڑی آئی

میں بھی کتنی بھولی تھی ، ایک لطفِ مبہم پر
رقص گہ میں گرگابی چھوڑ کر چلی آئی

چشم و دل کے سب آنسو اس ہوا میں کھِل اُٹھے
شاخسارِ مژگاں پر رُت گلاب کی آئی

شہر کے شگوفوں کے نیم رس سے اُکتا کر
تازگی سے ملنے کو بن میں تیتری آئی

اس سے قبل بھی سائے کب قریب آئے تھے
اس نئے سفر میں بھی کام دھوپ ہی آئی

تو نے کبھی سوچا

گلہ کم گوئی کا مجھ سے بجا ہے
لیکن اے جانِ سخن!
تو نے کبھی سوچا
کہ تیری سمت جب میں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوں تو
مری ہلکی سنہری جلد کے نیچے
اچانک
اتنے ڈھیروں ننھے ننھے سے دیئے کیوں جلنے لگتے ہیں؟

اولمپکس

مقدّس رسم ہے
سو اختراماً اہلِ یوناں
فصلِ گل میں
سرخ سورج کی کرن سے اپنی مشعل کو جلا کر
کھیل کے تہوار کا آغاز کرتے ہیں،
یہ منظر ساری دنیا دیکھتی ہے
مگر یہ بات کس کے علم میں ہوگی
کہ اب کے سال
پیلے ایشیا کے اک بہت چھوٹے سے قصبے کے
بہت ننھّے سے آنگن میں

جو دو شمعیں جلی ہیں
اُن کی لَو کو چاند نے روشن کیا ہے
اور یہ منظر صرف دو آنکھوں نے دیکھا ہے،
مگر یہ کھیل
(شاید زندگی کا سب سے پیارا کھیل)
ان مقدونیوں کے کھیل سے بے حد پرانا ہے!

بلاوا

میں نے ساری عمر
کسی مندر میں قدم نہیں رکھا،
لیکن جب سے
تیری دعائیں
میرا نام شریک ہُوا ہے،
تیرے ہونٹوں کی جنبش پہ
میرے اندر کی داسی کے اُجلے تن میں
گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں!

محبّت آشنا

میں تجھ سے مل کے جونہی باہر آئی
مارچ کی تیکھی ہَوا ،
بچپن کے ساتھی کی طرح سے ،
رنگ کی پچکاریاں تھامے کھڑی تھی ،
قبل اس کے
میں ہوا کی مسکراہٹ کو سمجھ پاتی ،
مری پیاری سہیلی
رنگ میں مجھ کو بھگوتی ، کِھلکھلاتی ، ناچتی ،

پل بھر میں اوجھل ہو چکی تھی،

اور پل بھر میں ہی

میرے جاگتے تن پر

دھنک کی اتنی قوسیں بن چکی تھیں

آج جتنی بار مجھ کو دیکھ کر تو مسکرایا تھا!

اسم

بہت پیار سے
بعد مدّت کے
جب سے کسی شخص نے چاند کہہ کر بلایا ہے'
تب سے
اندھیروں کی خوگر نگاہوں کو
ہر روشنی اچھی لگنے لگی ہے !

جمالِ ہم نشیں.....

ترے آئینۂ فن میں
سراپا دیکھ کر اپنا
بہت حیران ہوں
اور بارہا پلکیں جھپکتی ہوں کہ یہ میں ہوں
(کہ کوئی اور لڑکی ہے!)
مری آنکھوں میں پہلے بھی شرارت تھی
مگر اب تو ستارے کھلکھلاتے ہیں!
مرے لب اس سے پہلے بھی تبسّم آشنا تھے

لیکن اب تو بے ضرورت مسکراتے ہیں!

غرور ایسا کہاں کا آگیا دھیمے مزاجوں میں

کہ دن میں بھی اُڑی پھرتی ہوں خوابوں کی ہواؤں میں

مرے لہجے میں ایسی نرم فامی کب سے در آئی

کہ جس سے بات کرتی ہوں

سماعت پھول چنتی ہے

ہنسی میں اُس کھنک کی گونج ہے

جس سے محبّت گیت بنتی ہے،

اور ان سب سے سوا

دل کی گدازی،

جو مجھ کم ظرف کو شائستہٴ ضبطِ الم کر دے

کسے دشمن کی بھی اُنگلی تو میری آنکھ نم کر دے

سکھائے چشم پوشی

دوست کا پردہ رکھے

بلکہ

خلوصِ ہم دہاں کو شک کی آنکھوں سے ہمیشہ دیکھنا ہی ترک کروا دے

لہو کے اعترافِ عشق پر ایمان لانے کی بصیرت دے،

مجھے گوتم کے ہر اُپدیش، عیسیٰ کے ہر اک سرمن کا بین السطور سمجھا دے!

میں اُس کی خوش گماں آنکھوں سے

دنیا دیکھتی ہوں،

مسکرا کر سوچتی ہوں،

زمیں یک لخت کتنی خوبصورت ہو گئی ہے!

شہر کو تیری جستجو ہے بہت
ان دنوں ہم پہ گفتگو ہے بہت

جب سے پرواز کے شریک ملے
گھر بنانے کی آرزو ہے بہت

درد رہ رہ کے سر اُٹھاتا ہے
کبھو کم ہو گیا، کبھو ہے بہت

کچھ تو وہ یاد بھی بہت آیا
کچھ ان آنکھوں میں بھی لہو ہے بہت

پلنے والی نگاہ ہے درکار
آنکھ کو چاند کا سبو ہے بہت

دھوپ سات رنگوں میں پھیلتی ہے آنکھوں پر
برف جب پگھلتی ہے اُس کی نرم پلکوں پر

پھر بہار کے ساتھی آ گئے ٹھکانوں پر
سرخ سرخ گھر نکلے سبز سبز شاخوں پر

جسم و جاں سے اُترے گی گرد پچھلے موسم کی
دھو رہی ہیں سب چڑیاں اپنے پنکھ چشموں پر

ساری رات سوتے میں مسکرا رہا تھا وہ
جیسے کوئی سپنا سا کانپتا تھا ہونٹوں پر

تتلیاں پکڑنے میں دور تک نکل جانا
کتنا اچھا لگتا ہے پھُول جیسے بچّوں پر

لہر لہر کرنوں کو چھیڑ کر گزرتی ہے
چاندنی اُترتی ہے جب شریر جھرنوں پر

پھول سوکھ جائیں تو روشنی نہیں بجھتی
سبز دُوب کی آنکھیں جاگتی ہیں رستوں پر

بس اسے بہار کے سورج ! بڑھا یہ قہر کا رنگ
جلا گئی ہے تری دھوپ میرے شہر کا رنگ

شجر کو سبز قبا دیکھ کر یہ اُلجھن ہے
کہاں پہ رنگِ نمو ہے کہاں پہ زہر کا رنگ

کنارِ جُوئے رواں جب سے قتل گاہ بنی !
ہجوم اُمڈنے لگا دیکھنے کو نہر کا رنگ

ابھی تو میں نے سمندر میں ناؤ ڈالی تھی
یہ کیا ہُوا کہ بدلنے لگا ہے لہر کا رنگ

یہ احتجاج بجا ہے کہ تیز تھی بارش
یہ ماننا ہے کہ کچّا تھا اپنے شہر کا رنگ

گلہ ہی کیا ہے اگر وہ بھی سبز چشم ہُوا
طبیعتوں پہ تو چڑھتا رہا ہے دہر کا رنگ

وہ آج بھی مجھے سوتے میں ڈسنے آئے گا
وہ جانتا ہے کہ کھِلتا ہے مجھ پہ زہر کا رنگ

اُترنے پائے گا قوسِ قزح کا تھام کے ہاتھ
سوادِ حرف میں کب عشقِ بے سپہر کا رنگ

امیرِ شہر سے سائل بڑا ہے
بہت نادار لیکن دل بڑا ہے

لہو جمنے سے پہلے خوں بہا دے
یہاں انصاف سے قاتل بڑا ہے

چٹانوں میں گھِرا ہے اور چُپ ہے
سمندر سے کہیں ساحل بڑا ہے

کسی بستی میں ہو گی سچ کی حُرمت
ہمارے شہر میں باطل بڑا ہے

جو ظلِّ اللہ پر ایمان لائے
وہی داناؤں میں عاقل بڑا ہے

اُسے کھو کر بہائے درد پائی
زیاں چھوٹا تھا اور حاصل بڑا ہے

پرو دیے مرے آنسو ہوا نے شاخوں میں
بھرم بہار کا باقی رہے نگاہوں میں

صبا تو کیا کہ مجھے دھوپ تک جگا نہ سکی
کہاں کی نیند اُتر آئی ہے ان آنکھوں میں

کچھ اتنی تیز ہے سرخی کہ دل دھڑکتا ہے
کچھ اور رنگ پسِ رنگ ہے گلابوں میں

سپردگی کا نشہ ٹوٹنے نہیں پاتا
انا سمائی ہوئی ہے وفا کی باہوں میں

بدن پہ گرتی چلی جا رہی ہے خواب سی برف
خنک سپیدی گھلی جا رہی ہے سانسوں میں

سیف الملوکؒ سے!

شہزادے!
تو خوش قسمت تھا ــــ!
جس خواب کی اُنگلی تھامے ــــ
تو رستم دکے کی مٹّی سے
سرکش دریاؤں، تنگ نکیلی گھاٹیوں، سخت چٹانوں سے ہوتا ہُوا
ساٹھ برس میں ــــ
مغرور ہمالہ کی اس پتھر چوٹی تک آ پہنچا تھا
اس خواب نے خود برسوں تیرا رستہ دیکھا

ؒ: دادیٔ کاغان کی ایک لوک روایت کا کردار

اور تیری سبز پری نے —

پھر تیری پذیرائی اس شان سے کی

کہ اپنی مٹّی، اپنا پانی —

اور اپنی ہَوا اور اپنی آگ —

سب تیرے حوالے کر دی —

ترے پاؤں کے سب چھالے شبنم انجام ہُوئے

ترا ایک جنم — اور ایک سفر

منزل سے آ کر گلے ملے

مرے سارے جنم اور سارے سفر

منزل سے پہلے اُجڑ گئے

مرے پاؤں ہمیشہ اُکھڑ گئے !

———

نِک نیم*

تم مجھ کو گڑیا کہتے ہو
ٹھیک ہی کہتے ہو —!
کھیلنے والے سب ہاتھوں کو میں گڑیا ہی لگتی ہوں۔
جو پہنا دو، مجھ پہ سجے گا
میرا کوئی رنگ نہیں
جس بچّے کے ہاتھ تھما دو
میری کسی سے جنگ نہیں

---

* NICK NAME

سوتی جاگتی آنکھیں میری

جب چاہے بینائی لے لو

کوک بھرو اور باتیں سُن لو

یا میری گویائی لے لو

مانگ بھرو، سیندور لگاؤ

پیار کرو، آنکھوں میں بساؤ

اور پھر جب دل بھر جائے تو

دل سے اُٹھا کے طاق پہ رکھ دو

تم مجھ کو گڑیا کہتے ہو

ٹھیک ہی کہتے ہو!

کس شہر میں لائی خوش کلامی
دل بیشتر ہی ور رفیق شامی

اک عمر سے زندگی کا معمول
تنہائی ہے اور خود کلامی

دریا بھی جو میری رہگزر ہو
تقدیرِ سفر ہے تشنہ کامی

کچھ رستے ہیں عشق کے، جہاں پر
آتی نہیں کام تیز گامی

سب فیض اُسی شفق نظر کا
کیا چیز ہے میری لالہ فامی

جو اپنے کمال کی جزا لے
کس کام کی ایسی نیک نامی

سب عشق کریں گے اور سچّا
ہے اپنے قبیلے میں یہ خامی

جس جال کی رسیاں ہوں ڈھیلی
کیا سمجھے گا میری زیر دامی

ننھّا سا پرند شاخِ گل پر
ہے ابرِ بہار کا پیامی

رنگوں کو تو چن دیا نظر میں
خوشبو کی زمام کس نے تھامی

جذبات ہی کند ہیں تو بے کار
تلوار کی لاکھ بے نیامی

آنکھوں سے رواں ہے جوئے خوں پر
پہلی سی نہیں سبک خرامی

یہ رسم تو میر سے چلی ہے
دل والوں کو درد کی سلامی

ہم بے ہنروں کی زیست پل بھر
اقبال کی زندگی، دوامی

کیکر تے انگور چڑھایا.....

وہ وقت جو تجھ بن بیت گیا
اُس وقت کا کون حساب کرے،
اِک دھوپ چھاؤں کا موسم تھا،
کبھی زخمِ جگر، کبھی مرہم تھا
یوں جان کہ وہ گزری ہُوئی عمر
اک لمبی کالی رات تھی
جس کے ماتھے پر
جھوٹے تاروں کی افشاں تھی

(اور اس افشاں کو میں نے اپنی مانگ میں بھرنا چاہا تھا!)

اک لمبی کالی رات کہ جس کے پہلے پہر کی آنکھوں میں
ادھ کھلے دریچے اور ان کی بے خوابی تھی،
اور پچھلے پہر کی سانسوں میں
پھر کبھی نہ آنے والوں کے قدموں کی آہٹ
واہمہ بن کر گونجتی تھی،
(ہر واہمہ تب کس درجہ یقین سا لگتا تھا!)

بس ایسی شاخ کہ جو اپنی کچی کلیاں
بارش سے قبل جلا بیٹھی
جب پھول آنے کے دن آئے
بادل کا پیار گنوا بیٹھی،
کیسی کیسی بے معنی باتوں میں شامیں برباد ہوئیں
کیسے، بے مصرف کاموں میں اُجلی راتیں برباد ہوئیں
کس درجہ منافق لوگوں میں دل سچی بات سُناتا رہا

وہ جن کے قلوب پہ مہریں تھیں، انھیں روشنیاں دکھلاتا رہا
کیسے کیسے پیارے جذبے
کن ناقدروں کو دان کیے
کیسی بارآور رُت نے بے زر موسم سے پیمان کیے
کن کم ہمّت شہزادوں کے وعدوں پہ بھروسا کر کے
اپنے نوخفتہ جسم میں سوئیاں گڑوالیں،
کن آسیبوں کے کہنے میں
آبادیاں شہرِ جاں کی تمام اُجڑوالیں،

کیا کیا دکھ دل نے پائے
ننھی سی خوشی کے بدلے
ہاں کون سے زخم نہ کھائے
تھوڑی سی ہنسی کے بدلے

زخموں کا کون شمار کرے
یادوں کا کیسے حصار کرے
اور جینا پھر سے عذاب کرے
اُس وقت کا کون حساب کرے
وہ وقت — جو تجھ بن بیت گیا!

شام آئی، تری یادوں کے ستارے نکلے
رنگ ہی غم کے نہیں، نقش بھی پیارے نکلے

ایک موہوم تمنّا کے سہارے نکلے
چاند کے ساتھ ترے ہجر کے مارے نکلے

کوئی موسم ہو مگر شانِ خم و پیچ وہی
رات کی طرح کوئی زلف سنوارے نکلے

رقص جن کا ہمیں ساحل سے بہا لایا تھا
وہ بھنور آنکھ تک آئے تو کنارے نکلے

وہ تو جاں لے کے بھی ویسا ہی سبک نام رہا
عشق کے باب میں سب جرم ہمارے نکلے

عشق دریا ہے، جو تیرے وہ تہی دست رہے
وہ جو ڈوبے تھے، کسی اور کنارے نکلے

دھوپ کی رُت میں کوئی چھاؤں اُگاتا کیسے
شاخ پھُوٹی تھی کہ ہمسایوں میں آرے نکلے

ایک سفر

اُونچے نیچے پراسرار پہاڑی رستے
رستوں کے نیچے بل کھاتا دریا
دریا اور پہاڑ سے ہٹتا بچتا
طوفانی بارش میں
ہوا سے باتیں کرتا
میرا مشکی گھوڑا
اور تری چاہت کی راس !

ایک سفر

اُونچے نیچے پُراسرار پہاڑی رستے
رستوں کے نیچے بل کھاتا دریا
دریا اور پہاڑ سے ہٹتا بچتا
طوفانی بارش میں
ہوا سے باتیں کرتا
میرا مشکی گھوڑا
اور تری چاہت کی راس !

ایک کوہستانی المیہ

بادل اتنے پاس —
ہاتھ بڑھا کر چھو لیں!
پانی اتنی دور —
ہاتھ کٹا کر بھی کچھ ہاتھ نہ آئے!

جیون ساتھی سے!

دھوپ میں بارش ہوتے دیکھ کے
حیرت کرنے والے!
شاید تُو نے میری ہنسی کو
چُھو کر
کبھی نہیں دیکھا!

نئی آنکھ کا پُرانا خواب

آتش دان کے پاس
گلابی حدّت کے ہالے میں سمٹ کر
تجھ سے باتیں کرتے ہُوئے
کبھی کبھی تو ایسا لگا ہے
جیسے اوس میں بھیگی گھاس پہ
اُس کے بازو تھامے ہُوئے
میں پھر نیند میں چلنے لگی ہوں !

محرومی

ننھّے سواتی بچّے کے کشکول میں
صبح سے شام تلک
نیلی آنکھوں، بھُورے بالوں، دھن والوں کی بدولت
اُجلی ہنسی اور چمکیلے آنسو کے عکس کے بدلے
میلے سکّے آج بھی دن بھر گرتے رہے
آج بھی کھوجتی رہی سماعت
کاسۂ دل میں کوئی کھنک !

گُونج

اُونچے پہاڑوں میں گم ہوتی پگڈنڈی پر
کھڑا ہُوا ننھّا چرواہا
بکری کے بچّے کو پھسلتے دیکھ کے
کچھ اس طرح ہنستا ہے
وادی کی ہر درز سے جھرنے پھُوٹ رہے ہیں!

حاکم بدہن

سرکار!

ہم تو آپ کے ایماں نثار تھے

ہر مقتلِ جفا میں لہو کے شریک تھے
کم پوشیِ قبا میں رفو کے شریک تھے
دل آپ کا دُکھا ہے تو آنسو ادھر بہے
چوٹ آپ کو لگی تھی مگر نیل کب پڑے
اپنی ہی سمت کھنچا ہُوا تیر ہم بھی تھے
اپنے خلاف لی ہُوئی تعزیر ہم بھی تھے

خاکم بدہن

سرکار!

ہم تو آپ کے ایماں نثار سے تھے

ہر مقتلِ جفا میں لہو کے شریک تھے
کم پوشیٔ قبا میں رفو کے شریک تھے
دل آپ کا دُکھا ہے تو آنسو ادھر بہے
چوٹ آپ کو لگی تھی مگر نیل کب پڑے
اپنی ہی سمت کھنچا ہُوا تیر ہم بھی تھے
اپنے خلاف لی ہُوئی تعزیر ہم بھی تھے

بدن کے موسمِ بے اختیاری میں

کوئی دن زندگی میں ایسا آئے
تو میرے دھیان میں کھو کر
رموزِ شہریاری بھول جائے
میں اس شدت سے یاد آؤں
شکوہِ کج کلاہی بھول جائے
مرے بھی سارے رشتے، سارے ناتے
خود فراموشی بہالے جائے
کل دنیا سمٹ کر تیری باہوں میں سما جائے

بدن کے موسم بے اختیاری ہیں

کسی پل —

فصیلِ شہر سے باہر

حصارِ چادر و دستار کی حد سے نکل کر

ایک لمحے کو — بس اک لمحے کو

ہم اپنے مقدّر آزمالیں —

شبِ ممنوع سے اک پل چُرالیں!

—————

تاوان

گُلِ انار کی ہلکی گلابی چھاؤں میں بیٹھ کے
کافی بنانا
مجھے بھی اچھا لگتا ہے
لیکن ایسا کرتے ہُوئے
میری جھکی ہُوئی پلکیں
تجھ سے جو رنگ چھپاتی ہیں
وہ اس چھاؤں کے رنگ سے بڑھ کر گہرا ہے!

ہوا چلے تو

ہوا چلے تو
اپنی سمت بلاتی ہے
پیڑ کے نرم گھنے پتّوں میں
اٹکی ہوئی بارش کی ہنسی!

ساتھی

اکیلے گھر میں
شریر چڑیا کا گیت
چہرے اُگا رہا ہے!

نیرنگ

جابر حاکم کے دل جیسا
تنگ ، سیاہ پہاڑ
مظلوموں کی آنکھوں جیسا
ہر پتھّر کا سینہ
ہوا چلی اور جاگ اُٹھا
کوئی زخم پُرانا
ٹیس لگی اور پُھوٹ بہا
گرم ، روپہلا چشمہ !

چیڑ کے مغرور پیڑ

چیڑ کے مغرور پیڑ
جن کی آنکھیں
اپنی قامت کے نشے میں صرف اوپر دیکھتی ہیں
اپنی گردن کے تناؤ کو کبھی تو کم کریں
اور نیچے دیکھیں —
وہ گھنے بادل جو اُن کے پاؤں کو چھُو کر گزر جاتے ہیں
جن کو چوُم سکتے ہیں
وہ پودے
پیار کے اس والہانہ لمس سے کیسے نکھر آئے!

پیشی

شہرتیں نیکیوں کی سزا ہیں
مری ذات بھی، ایک دن
واژگوں جام کی طرح
میخانۂ زندگی میں
تجسس سے پیاسی نگاہوں کے آگے بکھر جائے گی
جس کا دل چاہے
جس ہاتھ سے
جس طرح سے چھوئے
قطرے قطرے کو دینا پڑے گا
نشے کا حساب!

سجدہ

جسم کی چاہ میں
آتشِ لمس سے جب رگِ جاں چٹخنے لگے
اور من و تو کے مابین
اک بال سے بڑھ کے باریک لمحہ بھی آخر بکھرنے لگے
اُس سمے
صرف میری نگاہوں کا دُکھ دیکھ کر
ہر طلب کی زباں کاٹ دینا
تمھاری بڑائی ہے
اور اس بڑائی کے آگے
مرے لب ابھی تک تمھارے نقوشِ قدم پر جھکے ہیں !

پا بہ گِل سب ہیں، رہائی کی کرے تدبیر کون
دست بستہ شہر میں کھولے مری زنجیر کون

میرا سر حاضر ہے لیکن میرا منصف دیکھ لے
کر رہا ہے میری فردِ جرم کو تحریر کون

آج دروازوں پہ دستک جانی پہچانی سی ہے
آج میرے نام لاتا ہے مری تعزیر کون

کوئی مقتل کو گیا تھا مدّتوں پہلے مگر
ہے درِ خیمہ پہ اب تک صورتِ تصویر کون

میری چادر تو چھنی تھی شام کی تنہائی میں
بے ردائی کو مری پھر دے گیا تشہیر کون

سچ جہاں پابستہ، ملزم کے کٹہرے میں ملے
اُس عدالت میں سنے گا عدل کی تفسیر کون

نیند جب خوابوں سے پیاری ہو تو ایسے عہد میں
خواب دیکھے کون اور خوابوں کو دے تعبیر کون

ریت ابھی پچھلے مکانوں کی نہ واپس آئی تھی
پھر لبِ ساحل گھروندا کر گیا تعمیر کون

سارے رشتے ہجرتوں میں ساتھ دیتے ہیں تو پھر
شہر سے جاتے ہُوئے ہوتا ہے دامن گیر کون

دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے، کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون

مشکل ہے کہ اب شہر میں نکلے کوئی گھر سے
دستار پہ بات آ گئی ہوتی ہوئی سر سے

برسا بھی تو کس دشت کے بے فیض بدن پر
اک عمر مرے کھیت تھے جس ابر کو ترسے

اس بار جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بڑا پیار تھا اُس بوڑھے شجر سے

محنت مری آندھی سے تو منسوب نہیں تھی
رہنا تھا کوئی ربط شجر کا بھی ثمر سے

خود اپنے سے ملنے کا تو یارا نہ تھا مجھ میں
میں بھیڑ میں گم ہو گئی، تنہائی کے ڈر سے

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعیّن کبھی ہوتا ہے سفر سے

پتھرایا ہے دل یوں کہ کوئی اسم پڑھا جائے
یہ شہر نکلتا نہیں جادو کے اثر سے

نکلے ہیں تو رستے میں کہیں شام بھی ہو گی
سورج بھی مگر آئے گا اس رہگزر سے

اسٹینو گرافر

چمکیلی صبح سے پہلے
جب نیند بدن میں شہد کی صورت گھلتی ہو
اور صبا کے ہاتھوں گرہ ہر درد کی کھلتی ہو
اُس وقتِ شفا
سب کچے زخم بدن کے
سب پیاسے سپنے تن کے
بے قیمت جان کے اُٹھنا
اِک ہاری مان کے اُٹھنا

اور خود کو موسم کی بے مہر ہوا کے حوالے کر دینا

دن بھر بے معنی ہندسوں

اور بے مقصد ناموں کو

بس خالی ذہن اور بے حس ہاتھ سے ٹائپ کرتے جانا

گاہے گاہے، حسبِ موقع

گنجے سر والے باس کی میٹھی اور کڑوی باتیں سہنا

اور پتّھر کی مورت کی طرح ہر لہجے پر چپ رہنا

پھر شام گئے

جب چڑیاں تک اپنے گھر کی ہو جائیں

دفتر کی خنک بھٹی سے

جھلسا ہُوا چہرہ لے کر

صدیوں کی تھکن سے دوہرے

جھکتے ہُوئے شانے تھامے

بھُوکی آنکھوں، جلتے فقروں، گھر تک چھوڑ آنے والی شائستہ کاروں
سے بچتی

ڈر ڈر کے قدم اُٹھاتی
اک اسٹینو گرافر
اپنے گھر لوٹ آتی ہے
اور ٹوٹی ہُوئی دیوار کو تھام کے شاید روز ہی کہتی ہے —
مالک!
اک دن ایسا بھی آئے
مرے سر پہ چھت پڑ جائے!

ورکنگ وومن

سب کہتے ہیں
کیسے غرور کی بات ہوئی ہے
میں اپنی ہریالی کو خود اپنے لہو سے سینچ رہی ہوں
میرے سارے پتّوں کی شادابی
میری اپنی نیک کمائی ہے
میرے ایک شگوفے پر بھی
کسی ہوا اور کسی بارش کا بال برابر قرض نہیں ہے
میں جب چاہوں کھل سکتی ہوں

میرا سارا روپ مری اپنی دریافت ہے
میں اب ہر موسم سے سر اونچا کر کے مل سکتی ہوں
ایک تناور پیڑ ہوں اب میں
اور اپنی زرخیز نمو کے سارے امکانات کو بھی پہچان رہی ہوں
لیکن میرے اندر کی یہ بہت پُرانی بیل
کبھی کبھی — جب تیز ہوا ہو
کسی بہت مضبوط شجر کے تن سے لپٹنا چاہتی ہے !

اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے
کون ہوگا جو مجھے اُس کی طرح یاد کرے

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اُس کا
وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

اتنا حیراں ہو مری بے طلبی کے آگے
واقفس میں کوئی در خود مرا صیّاد کرے

اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے
کون ہوگا جو مجھے اُس کی طرح یاد کرے

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اُس کا
وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

اتنا حیراں ہو مری بے طلبی کے آگے
وا قفس میں کوئی در خود مرا صیّاد کرے

ملالِ تیز روی

کتنا عجب ہے یہ راگ ملن کا
کوئی بھی سُر تو نہیں کومل
ایسی شور مچاتی ہوائیں
کیسے کھِلے تن کی کونپل
اور ہردے کی وہ آنکھ
جو موہ کی رُت میں شریر سے پہلے جاگا کرتی ہے
وقت کے اتنے تیز بہاؤ ہیں
تجھ سے ملن کی رُت کچھ ایسے گزرتی ہے

جیسے گھنے جنگل میں سرپٹ دوڑتی ریل کی کھڑکی سے
ہاتھ بڑھا کر
کسی گھنیری شاخ کو تھامنا چاہوں
اور اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ پہ
ایک خراش بسالوں
اک انکار کی نیلی لکیر کا
اور اضافہ کرلوں!

پذیرائی

ابھی میں نے دہلیز پر پاؤں رکھا ہی تھا — کہ
کسی نے مرے سر پہ پھولوں بھرا تھال اُلٹا دیا —
میرے بالوں پہ، آنکھوں پہ، پلکوں پہ، ہونٹوں پہ،
ماتھے پہ، رُخسار پر
پُھول ہی پُھول تھے
دو بہت مسکراتے ہُوئے ہونٹ
میرے بدن پر محبت کی گلنار مہریں کو یوں ثبت کرتے چلے جا رہے تھے
کہ جیسے ابد تک
مری ایک اک پور کا انتساب
اپنی زیبائی کے نام لے کر رہیں گے
مجھے اپنے اندر سمو کر رہیں گے

نیگ

صبح وصال کی پو پھٹتی ہے
چاروں اُور،
مدھ ماتی بھور کی نیلی ٹھنڈک پھیل رہی ہے
شگن کا پہلا پرند
منڈیر پر آ کر
ابھی ابھی بیٹھا ہے
سبز کواڑوں کے پیچھے اک سرخ کلی مسکائی
پازیبوں کی گونج فضا میں لہرائی
کچّے رنگوں کی ساری میں
گیلے بال چھپائے گوری
گھر کا سارا باجرہ آنگن میں لے آئی!

بے پناہی

کسی اور کے بازوؤں میں سمٹ کر
تجھے سوچنا
کس قدر منفرد تجربہ تھا :
یہ احساس ہی کس قدر جاں لیوا ہے جاناں !
کہ ایسی جگہ، اس خنک زار میں
میرے تن پر پھسلتی ہوئی شبنمی حدّتیں
تیری لذّت فشاں اُنگلیوں سے اگر پھُوٹتیں
تو مرے جسم کی ایک اک پور تب کس طرح جگمگاتی
ترے روشنی آشنا ہاتھ
کیسے بھٹکتے،

یہاں

اب یہاں

اور اب سرخوشی کی اُس اک آخری یاد رہ جانے والی گھڑی میں...

وقت کی ناسمجھ رَو ہے

اور بے بسی کی نئی لہر ہے،

زمستاں کی اس آخری شام میں

اور مرے جسم میں
شاید اب کوئی بھی فرق باقی نہیں،
میرا ساتھی مری بند آنکھوں کو کس پیار سے چوم کر کہہ رہا ہے،
ارے — آج تو برف باری ابھی سے ہی ہونے لگی
جان! — آؤ مجھے اوڑھ لو!

اُسے کیا خبر ہے
کہ اس وقت مَیں آگ بھی اوڑھ لُوں تو
مری رُوح پر ہونے والی کوئی برفباری
نہیں رُک سکے گی!

ہجر کی شب کا کسی اسم سے کٹنا مشکل
چاند پُورا ہے تو پھر درد کا گھٹنا مشکل

موجۂ خواب ہے وہ اُس کے ٹھکانے معلوم
اب گیا ہے تو یہ سمجھو کہ پلٹنا مشکل

جن درختوں کی جڑیں دل میں اُتر جاتی ہیں
اُن کا آندھی کی درانتی سے بھی کٹنا مشکل

قوّتِ غم ہے جو اس طرح سنبھالے ہے مجھے
ورنہ بکھروں کسی لمحے تو سمٹنا مشکل

اُس سے ملتے ہوُئے چہرے بھی بہت ہونے لگے
شہر کے شہر سے اک ساتھ نمٹنا مشکل

اب کے بھی خوشوں پہ کچھ نام تھے پہلے سے لکھے
اب کے بھی فصل کا دہقانوں میں بٹنا مشکل

❁

شکستہ پائی ارادوں کے پیش و پس میں نہیں
دل اُس کی چاہ میں گُم ہے جو میرے بس میں نہیں

براہِ روزنِ زنداں ہَوا تو آتی تھی
کھُلی فضا میں گھُٹن وہ ہے جو قفس میں نہیں

قبائے جاں جسے چھُوتے ہی جمپئی ہو جائے
وہ شعلگی کسی فصلِ حنا نفس میں نہیں

کسی وصال خبر رُت کی مہرباں آمد
ہمیں قبول — مگر ہجر کے برس میں نہیں

عجیب خواب تھا آنکھیں ہی لے گیا میری
کرن کا عکس بھی اب میری دسترس میں نہیں

دلوں کا حال تو بین السطور لکھتے ہیں
کلیدِ حرف کتابوں کے پیش رس میں نہیں

رستہ بھی کٹھن، دھوپ میں شدت بھی بہت تھی
سائے سے مگر اُس کو محبت بھی بہت تھی

خیمے نہ کوئی میرے مسافر کے جلائے
زخمی تھا بہت پاؤں، مسافت بھی بہت تھی

سب دوست مرے منتظرِ پردۂ شب تھے
دن میں تو سفر کرنے میں دقّت بھی بہت تھی

بارش کی دعاؤں میں نمی آنکھ کی مل جائے
جذبے کی کبھی اتنی رفاقت بھی بہت تھی

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹّی میں بغاوت بھی بہت تھی

پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن
کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی بہت تھی

وہ بھی سرِ مقتل ہے کہ سچ جس کا تھا شاہد
اور واقفِ احوال عدالت بھی بہت تھی

اس ترکِ رفاقت پہ پریشاں تو ہوں لیکن
اب تک کے ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی

خوش آئے تجھے شہرِ منافق کی امیری
ہم لوگوں کو سچ کہنے کی عادت بھی بہت تھی

شامِ غریباں

غنیم کی سرحدوں کے اندر
زمینِ نامہرباں پہ جنگل کے پاس ہی
شام پڑ چکی ہے
ہوا میں کچے گلاب جلنے کی کیفیت ہے
اور ان شگوفوں کی سبز خوشبو
جو اپنی نوخیزیوں کی پہلی رُتوں میں
رعنائیِ صلیبِ خزاں بنے
اور بہار کی جاگتی علامت ہُوئے ابد تک!
جلے ہُوئے راکھ خیموں سے کچھ کھُلے ہُوئے سر
ردائے عفّت اُڑھانے والے بریدہ بازو کو ڈھونڈتے ہیں
بریدہ بازو — کہ جن کا مشکیزہ

ننھّے حلقوم تک اگرچہ پہنچ نہ پایا
مگر وفا کی سبیل بن کر فضا سے اب تک چھلک رہا ہے

برہنہ سر بیبیاں
ہواؤں میں سُوکھے پتّوں کی سرسراہٹ پہ
چونک اُٹھتی ہیں
بادِ صرصر کے ہاتھ سے بچنے والے پھُولوں کو چُومتی ہیں
چھپانے لگتی ہیں اپنے اندر
بدلتے، سفّاک موسموں کی ادا شناسی نے
چشمِ حیرت کو سہم ناکی کا مستقل رنگ دے دیا ہے،
نگاہِ تخئیل دیکھتی ہے
چمکتے نیزوں پہ سارے پیاروں کے سر سجے ہیں،
کٹے ہُوئے سر
شکستہ خوابوں سے کیسا پیمان لے رہے ہیں
کہ خالی آنکھوں میں روشنی آتی جارہی ہے!

اِدراکنی

خیمۂ بے گناہی سے بس
شہرِ انصاف کی سمت جونہی بڑھی،
اپنی اپنی کمیں گاہ سے
میرے قاتل بھی نکلے
کمانیں کسے، تیر جوڑے، طمنچے چڑھائے،
مچانوں پہ ناوک بدستوں کو تیار رہنے کے احکام دیتے ہوئے،
شاہراہوں پہ پیاسی سنانیں لیے فتنہ گر صف بہ صف
چوک پر قاضیٔ شہر خنجر بکف
راستے دشنہ در آستیں
گھات میں شہر کا ہر مکیں
میرے تنہا کجاوے کی آہٹ کو سنتے ہوئے
عنکبوتی ہنر میرے چاروں طرف جال بُنتے ہوئے

کوئی میرے علم کا طلبگار

کوئی مرے سر کا خواہاں

تو کوئی ردا کا تمنائی بن کر

نپ چھٹنے کو ہے،

حلقۂ دشمناں تنگ ہونے کو ہے

موت سے آخری جنگ ہونے کو ہے

کوفۂ عشق میں

میری بے چارگی

اپنے بالوں سے چہرہ چھپائے ہُوئے

ہاتھ باندھے ہُوئے

سر جھکائے ہُوئے

زیرِ لب ایک ہی اسم پڑھتی ہُوئی —

یا غفور الرحیم

یا غفور الرحیم

علی مشکل کشا سے!

مولا!

یہ کیسا دُکھ ہے

جس کی گرہیں تجھ سے بھی کھلنے نہیں پائیں

تیرے نام کا جادو اب تک

کیسے کیسے سحر کو کاٹتا آیا

کہاں کہاں گرنے سے بچایا

کیسے کیسے دشتِ بلا میں آبِ تیغ کی پیاس بنا

کس کس کو فے، کس کس شام میں پامردی کی اساس بنا

لیکن سورج خوروں کی اس بستی تک آکر تو
تیرا نام بھی رُک جاتا ہے
فاتحِ خیبر!
اپنے ہاتھوں کو پھر جنبش دے
ہم اپنی نامرد اَنا سے ہار چکے
ساقیٔ کوثر!
ایک دفعہ نظریں تو اُٹھا
دیکھ کہ تیرے ماننے والے
ذرا سی پیاس پہ کیسے فرات کو وار چکے!

تقیہ

سو اب یہ شرطِ حیات ٹھہری
کہ شہر کے سب نجیب افراد
اپنے اپنے لہو کی حرمت سے منحرف ہو کے جینا سیکھیں،
وہ سب عقیدے کہ ان گھرانوں میں
ان کی آنکھوں کی رنگتوں کی طرح تسلسل سے چل رہے تھے
سنا ہے باطل قرار پائے،
وہ سب وفاداریاں کہ جن پر لہو کے وعدے حلف ہُوئے تھے
وہ آج سے مصلحت کی گھڑیاں شمار ہوں گی
بدن کی وابستگی کا کیا ذکر
روح کے عہد نامے تک فسخ مانے جائیں!

خموشی و مصلحت پسندی میں خیریت ہے

مگر مرے شہرِ منحرف ہیں

ابھی کچھ ایسے غیور و صادق بقیدِ جاں ہیں

کہ حرفِ انکار جن کی قیمت نہیں بنا ہے

سو حاکمِ شہر جب بھی اپنے غلام زادے

انھیں گرفتار کرنے بھیجے

تو ساتھ میں ایک ایک کا شجرۂ نسب بھی روانہ کرنا

اور ان کے ہمراہ سرد پتھر میں چننے دینا

کہ آج سے جب،

ہزار ہا سال بعد ہم بھی،

کسی زمانے کے ٹیکسلا یا ہڑپہ بن کر تلاشے جائیں

تو اُس زمانے کے لوگ

ہم کو

کہیں بہت کم نسب نہ جانیں!

جتنا ہو فزوں، عطائے رب ہے
تخلیق کا کرب بھی عجب ہے

اس خواب کی لَو کو مت بجھانا
یہ میرا چراغِ نیم شب ہے

سورج نے کبھی تو سوچا ہوتا
کیا میرے زوال کا سبب ہے

کب اُس کے وصال میں ہُوا تھا
وہ حال جو تیرے دل کا اب ہے

ملنے کا تو مسئلہ نہیں ہے

پہچان بھی پائے، بات تب ہے

خود ڈھونڈ رہا ہے آبِ حیواں

اور پیچھے قبیلہ جاں بلب ہے

—

بچھڑا ہے جو اک بار تو ملتے نہیں دیکھا
اس زخم کو ہم نے کبھی سِلتے نہیں دیکھا

اِک بار جسے چاٹ گئی دھوپ کی خواہش
پھر شاخ پہ اُس پھول کو کھِلتے نہیں دیکھا

یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہِلتے نہیں دیکھا

کانٹوں میں گھِرے پھُول کو چوم آئے گی لیکن
تتلی کے پروں کو کبھی چھِلتے نہیں دیکھا

کس طرح مری روح ہری کر گیا آخر
وہ زہر جسے جسم میں کھِلتے نہیں دیکھا

تجھ سے تو کوئی گلہ نہیں ہے
قسمت میں مری، صلہ نہیں ہے

بچھڑے تو نجانے حال کیا ہو
جو شخص ابھی ملا نہیں ہے

جینے کی تو آرزو ہی کب تھی
مرنے کا بھی حوصلہ نہیں ہے

جو زیست کو معتبر بنا دے
ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے

خوشبو کا حساب ہو چکا ہے
اور پھول ابھی کھِلا نہیں ہے!

سرشاریِ رہبری میں دیکھا
پیچھے مرا قافلہ نہیں ہے

اک ٹھیس پہ دل کا پھُوٹ بہنا
چھُونے میں تو آبلہ نہیں ہے!

بدن تک موجِ خواب آنے کو ہے پھر
یہ بستی زیرِ آب آنے کو ہے پھر

ہری ہونے لگی ہے شاخِ گریہ
سرِ مژگاں گلاب آنے کو ہے پھر

اچانک ریت سونا بن گئی ہے
کہیں آگے سراب آنے کو ہے پھر

زمیں انکار کے نشّے میں گم ہے
فلک سے اک عذاب آنے کو ہے پھر

بشارت دے کوئی تو آسماں سے
کہ اک تازہ کتاب آنے کو ہے پھر

دریچے میں نے بھی وا کر لیے ہیں
کہیں وہ ماہتاب آنے کو ہے پھر

جہاں حرفِ تعلّق ہو اضافی
محبّت میں وہ باب آنے کو ہے پھر

گھروں پر جبر یہ ہو گی سفیدی
کوئی عزّت مآب آنے کو ہے پھر

فصیلِ شہر پر بھی ضربِ کاری
کماں داروں کا شوقِ شہریاری

کہاں فن کار کو مر کے بھی حاصل
عذابِ زندگی سے رستگاری

ہجومِ رنگ میں بھی دل کا مسلک
کسی عہدِ وفا کی پاسداری

اُسی چہرے سے اوروں کی پرکھ ہے
ابھی تک ہے وہی اک شکل پیاری

وہ جب خود ٹوٹنے والا ہُوا تھا
میں ہاری بھی تو کیسے وقت ہاری!

زمیں ماں کی طرح ہے، ہر ستم پر
بس اک حرفِ دعا ہونٹوں سے جاری

— ق —

کسی بیمار کی بیعت میں روشن
ہماری گردنوں پر سرخ دھاری

اسیرِ کربلا جب یاد آئیں
کہاں لگتی ہے پھر زنجیر بھاری

... بدتر از گنہ

سو یہ طے پایا
کہ اس شہد بھری نیند کا رس
میری آنکھوں کے سوا بھی کوئی پی سکتا ہے
اور وہ سرشاری
جو اب تک کسی منتر کی طرح
صرف مجھے پڑھنی تھی
اب کسی اور بدن کو بھی یونہی وردِ زباں جانے گی
وہی لمحے — اُسی شدّت سے
ترے خوں میں ستاروں کی طرح دمکیں گے

جن کی تنویر ابھی تک مری تقدیر رہی
آج معلوم ہُوا،
بند پلکوں کے عقب میں کسی جگنو کی طرح
جس کو چھپا لیتی تھیں تیری پلکیں
وہ مرا عکس نہ تھا — وہ مری تصویر نہ تھی
خوابِ یکتائی کی میرے — کوئی تعبیر نہ تھی
تیرا دلدار تبسّم آخر
ناخنِ عذر سے کیا دل کی گرہ کھولے گا
آنکھ جب جھوٹ کہے
آئینہ کیا بولے گا؟

سنگ پگھل بھی جاتے ہیں
جادو چل بھی جاتے ہیں

دیر تلک نم رہنے سے
آنچل گل بھی جاتے ہیں

دو رویہ پیڑوں کے بیچ
رستے جل بھی جاتے ہیں

صرف ہوا پر کیوں تعزیر
پھول مسل بھی جاتے ہیں

بس تریاق نہ کھوج کے بیٹھ
سانپ نگل بھی جاتے ہیں

طاؤسی یادوں سے دُکھ
زخم کو جھل بھی جاتے ہیں

دیکھ اپنی شادابی کو
آنسو پھیل بھی جاتے ہیں

دریا پار یہ سوچ کے چل
گھڑے بدل بھی جاتے ہیں

خزاں کی رُت میں لمحۂ جمال کیسے آگیا
یہ آج پھر سنگھار کا خیال کیسے آگیا

ہنسی کو اپنی سُن کے ایک بار میں بھی چونک اُٹھی
یہ مجھ میں دُکھ چھُپانے کا کمال کیسے آگیا

وہ رسمِ چارہ سازیٔ جنوں تو ختم ہو چکی
یہ دل کے نام حرفِ اندمال کیسے آگیا

ابھی تو دھوپ روزنِ قفس سے کوسوں دور تھی
ابھی سے آفتاب کو زوال کیسے آگیا

جدائیوں کے زخم تو، سنا کہ، بھر چلے تھے، پھر
بدن کے ہاتھ ناخنِ وصال کیسے آ گیا

تمام کائنات ازل سے آئنوں کی زد پہ تھی
ہجومِ عکس میں یہ بے مثال کیسے آ گیا

گھر کی یاد ہے اور درپیش سفر بھی ہے
چوتھی سمت نکل جانے کا ڈر بھی ہے

لمحۂ رخصت کے گونگے سنّاٹے کی
ایک گواہ تو اُس کی چشمِ تر بھی ہے

عشق کو خود دریوزہ گری منظور نہیں
مانگنے پر آئے تو کاسۂ سر بھی ہے

نئے سفر پہ چلتے ہُوئے یہ دھیان رہے
رستے میں دیوار سے پہلے در بھی ہے

جن پیڑوں کے ہرا رہنے کی دعا کی تھی
اُن میں آج سے شاملِ زخمِ ہنر بھی ہے

بہت سے ناموں کو اپنے سینے میں چھپائے
جلی ہُوئی بستی میں ایک شجر بھی ہے

وہی خیال کہ آنکھوں تک رہ جائے تو اشک
مصرعۂ تر بن جائے تو سلکِ گہر بھی ہے

سُوکھ گیا خود اپنے دل کی نرمی سے
پیڑ کو کیا معلوم تھا، بیل امر بھی ہے

———

غزالِ شوق کی وحشت عجب تھی
کسی خوش چشم سے نسبت عجب تھی

ہجومِ چشم و رخسار و دہن میں
جو تنہا کر گئی صورت عجب تھی

وہ تردیدِ وفا تو کر رہا تھا
مگر اُس شخص کی حالت عجب تھی

مری تقدیر کی نیرنگیوں میں
مری تدبیر کی شرکت عجب تھی

سرِ مقتل کسی کے پیرہن میں
گلابی رنگ کی حدّت عجب تھی

بدن کا پہلے پہلے آگ چکھنا
رگ و پے میں کوئی لذّت عجب تھی

گنگا سے

جُگ بیتے
دجلہ سے اک بھٹکی ہُوئی لہر
جب تیرے پوتّر چرنوں کو چھُونے آئی تو
تیری ممتا نے اپنی باہیں پھیلا دیں
اور تیرے ہرے کناروں پر تب
اناس اور کٹھل کے جھنڈ میں گھرے ہُوئے
کھپریلوں والے گھروں کے آنگن میں کلکاریاں گونجیں
میرے پرکھوں کی کھیتی شاداب ہُوئی

اور شگن کے تیل نے دیے کی لَو کو اونچا کیا
پھر دیکھتے دیکھتے
پیلے پھولوں اور سنہری دیوں کی جوت
نرسے پھولوں والے پُل کی قوس سے ہوتی ہوئی
مہران کی اور تک پہنچ گئی،
میں اُسی جوت کی ننھّی کرن
پھولوں کا تھال لیے تیرے قدموں میں پھر آ بیٹھی ہوں
اور تجھ سے اب بس ایک دیا کی طالب ہوں
یوں انت سمے تک تیری جوانی ہنستی رہے،
پر یہ شاداب ہنسی
کبھی تیرے کناروں کے لب سے
اتنی نہ چھلک جائے
کہ میری بستیاں ڈوبنے لگ جائیں
گنگا پیاری!

یہ جان

کہ میرے روپہلے راوی اور بھورے مہران کی گیلی مٹی ہیں

مری ماں کی جان پہ چھپی ہے

مری ماں کی جان نہ لینا

مجھ سے مرا مان نہ لینا

تاج محل

سنگِ مرمر کی خنک باہوں میں
حسنِ خوابیدہ کے آگے مری آنکھیں شل ہیں
گنگ صدیوں کے تناظر میں کوئی بولتا ہے
وقت جذبے کے ترازو پہ زر و سیم و جواہر کی تڑپ تولتا ہے!
ہر نئے چاند پہ پتھّر وہی سچ کہتے ہیں
اُسی لمحے سے دمک اُٹھتے ہیں ان کے چہرے
جس کی لَو، عمر گنے، اک دلِ شب زاد کو مہتاب بنا آئی تھی
اُسی مہتاب کی اک نرم کرن

سانچۂ سنگ میں ڈھل پائی تو
عشق رنگِ ابدیت سے سرافراز ہُوا

کیا عجب نیند ہے
جس کو چھُو کر
جو بھی آتا ہے کھُلی آنکھ لیے آتا ہے
سو چکے خوابِ ابد دیکھنے والے کب کے
اور زمانہ ہے کہ اس خواب کی تعبیر لیے جاگ رہا ہے
اب تک!

بُوئے یاسمن باقیست

(نذرِ فراق)

سبز دنوں کا سب سے تناور پیڑ
ہوا کے آگے اب بے بس ہے
پتّے اک اک کر کے گرتے جاتے ہیں
وہی شاخ کہ کبھی دلہن کی طرح پھولوں سے لد کر بھی
کیسی تیکھی سرشاری سے تنی رہتی تھی
آج اپنے سب گہنے اُتار چکی ہے — پھر بھی خمیدہ ہے!
وہی تنا — جو برف کے ہر موسم کے بعد
ننھّی ننھّی ہری، ستاروں جیسی کونپلوں سے بھر جاتا تھا،
آج اُس پر بس چیونٹیاں چلتی نظر آتی ہیں،
وہی شگوفے جن سے لپٹ کر دھوپ کبھی ہنستی،

تو رنگوں اور کمرنوں کے چہرے گڈمڈ ہو جاتے،
اُس کی بھی ساری پنکھڑیاں رزق ہوا کہلائیں
سبز دنوں کا سب سے تناور پیڑ — آخر
اپنی ہر ممکن ہریالی کما چکا
اور اب خاموشی سے اپنے ہونے کی مجبوری کا؛
وعدہ معاف گواہ بنا استادہ ہے
اور وقت کی اٹل شہادت پر،
اپنے فیصلہ کن لمحے کا رستہ دیکھ رہا ہے
تنہا — اور تہی داماں!
سبز لباسی کے گئے جنم کی بات ہُوئی
پھر یہ برہنہ شاخوں سے چھن چھن کر،
اتنی ٹھنڈی چھاؤں کہاں سے آتی ہے،
بن پھولوں کے
خوشبو کیسے پھیل رہی ہے؟

قرۃ العین حیدر

جیون زہر کو متھ کر امرت نکال لینے والی موہنی
بھرا پیالہ ہاتھوں میں لیے پیاسی بیٹھی ہے،
وقت کا راہو گھونٹ گھونٹ بھرے جاتا ہے،
دیوی بے بس دیکھ رہی ہے!
پیاس سے بیکل ہے — اور چپ ہے!
ایسی پیاس کہ جیسے
اس کے ساتوں جنم کی جیبھ پہ کانٹے گڑے رہے ہوں،
ساگر اس کا جنم بھون

اور جل کو اس سے بَیر

ریت پہ چلتے چلتے اب تو جلنے لگے ہیں پیر!

ریت بھی ایسی، جس کی چمک سے،

آنکھیں جھلس گئی ہیں

طیّب رزق کی دعا قبول ہُوئی آخر،

آبِ زر سے نام لکھے جانے کی تمنّا بھی بر آئی — لیکن

پیاسی آتما سونا کیسے پی لے؟

اک سنسار کو روشنی بانٹنے والا سورج

اپنے برج کی تاریکی کو

کس ناخن سے چھیلے

شام آتے آتے کالی دیوار پھر اُونچی ہو جاتی ہے!

———

سلمیٰ کرشن

تو ہے رادھا اپنے کرشن کی
ترا کوئی بھی ہو نا نام
مُرلی ترے بھیتر باجتی
کسی بن کرتی بسرام
یا کوئی سنگھاسن براجتی
تجھے کھوج ہی لیتے شیام
جس سنگ بھی پھیرے ڈالتی
سنجوگ میں تھے گھنشیام

کیا مول تو من کا مانگتی

بکنا تھا تجھے بے دام

بنسی کی مدھر تانوں سے

بسنا تھا یہ سُونا دھام

ترا رنگ بھی کونسا اپنا

موہن کا بھی ایک ہی کام

گردھر آکر بھی سے گئے اور

من مالا ہے وہی نام

جوگن کو پتہ بھی کیا ہو

کب صبح ہوئی کب شام!

میکبیتھ

دشتِ شب رنگ کے اک ٹیلے پر
تین ہم ذات چڑیلوں کی ملاقات ہے پھر
اپنے منتر میں کسی نام کو دہراتے ہُوئے
سانپ کی آنکھوں سے اطراف و جوانب پہ نظر رکھتے ہُوئے
گِدھ کی ناقابلِ تسکین، ازلی بھوک کے ساتھ
سرخ ہونٹوں پہ زباں پھیرتی ہیں
حرفِ تحریص کے زہرابِ ہلاہل میں ڈبوئی ہُوئی خوش کُن نوید

اُس تہی زاد کو دینے کے لیے بیٹھی ہیں
جس کے کیسے میں تشکّر کا کوئی لعل نہیں

ہو چکی طالبِ منصب کو بھی جمشید کلاہی کی خبر
زندگی بھر کی رفاقت کے، چلو دام چکے
لیکن اُس غنچۂ گل فام کا کیا ہو
کہ لرزتے ہُوئے ہاتھوں میں ابھی تک ہے — اور
جس کی خوشبو سے در و بام کے اعصاب تنے جاتے ہیں!

کانپتے دل کی خود آسیبی میں
آنکھ میں نیند کہاں،
چونکتی آنکھوں کا مقسوم ہی بیداری ہے
نیند مچھلی کی طرح ہاتھ سے کچھ ایسے پھسل جاتی ہے

جیسے اس کو کسی بد خواب کی آگاہی ہو،
آنکھ کی طرح یہ بے خواب گھڑی
دستِ لرزیدہ پہ بھی آئی ہے
ساحلِ بحرِ عرب کے لب سے
مشک و عنبر کی طلب ایک عجوزہ کو بھی ہے
ہاتھ پانی میں ہے
اور آنکھ میں در آئی ہے
ساری دنیا کے سمندر کی تلاش!

اے مرے شہرِ رسن بستہ

اے مرے شہرِ رسن بستہ، ترے بازو کے نیل
اتنے گہرے ہو چکے ہیں اب
کہ تیری روح پر دِکھنے لگے
اور ترے ماتھے پہ کوئی بل نہیں!
ہیں ترے طرزِ توکّل پر بہت حیران ہوں!
ان اذیّت ناک، نیلی دھاریوں کو
کیا کلاہِ خم زدہ ہیں
تمغۂ نیلوفری سمجھا ہے تو؟

اس قدر سفاک لمحوں کے نشانوں سے بھری اس پیٹھ کو
کس نے پشتِ لاجوردی کہہ کے بہلایا تجھے ؟
یا اسے بھی اک عطائے خسروی سمجھا ہے تو ؟
یہ تو تیری سات پشتوں کے لیے وہ تازیانہ ہے
کہ جس کے گھاؤ
جب بھرنے کو آئیں گے
تو تیرے حافظے کے سارے ناخن یک بیک بڑھ آئیں گے !
شہریاروں کے نشاطِ حسن بازی کے لیے
سجدہ گاہِ عشق کو رسوا نہ کر
روشنی کی بے رُخی پر کور چشمی کو رضائے رب نہ کہہ
اپنے تارے کو تلاش
اپنی کم گوشی کی دُھن میں زندگی کے بے صدا ہونے پہ مت
اصرار کر
پاؤں میں آ کر تو ہر زنجیر بول اُٹھتی ہے دوست

دیر بس ہلنے کی ہے

روح کے چھلنے کی ہے

اک دفعہ بس چوٹ کی گہرائی کوئی جان لے

ایک لمحے کے لیے رسوائی کے آسیب کو پہچان لے!

ایک بار احساس آنکھیں مل کے اُٹھ جائے تو پھر

تجھ کو گہنوں کی طرح پہنی ہوئی زنجیر بھی بھاری لگے

صحنِ زنداں سے اُدھر کی زندگی پیاری لگے!

واقف بعهد ک

(امام حسینؓ کے آخری الفاظ)

کنارِ دریا
اب آخری بار رَن پڑا ہے
علم کی نصرت کو جانے والے وہی جری پاس بچ رہے ہیں
کہ جو مری ذرّیت میں ہیں،
اور جاں سپاری
جنھیں اب وجد سے ورثۂ افتخار بن کر عطا ہوئی ہے!
لڑائی کی رات
گفتگو میں وہ لمحہ آیا تھا
جبکہ میں اپنے خیمے کے سب دیے بجھا کر چلا گیا تھا،
مرے رفیقوں کی مشکلیں کچھ تو سہل ہوتیں

مگر چراغوں کی لو بڑھانے کے ساتھ ہی
فیصلے کی ساعت گزر چکی ہے
مبارزت کی نوید میرے شجیع لوگوں کو مل چکی ہے
مرے ہراول جوان ایک ایک کرکے کام آرہے ہیں
مجھ کو ــــ یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہو چکی ہے
کہ میرا پرچم ہوا کے آگے زیادہ عرصے نہیں رُکے گا!
سبھی طرف سے غنیم گھیرے کو تنگ تر کرتا جا رہا ہے
یہ ہاتھ سے ڈھال چھوٹنے کی صدا مجھے کس طرف سے آئی؟
گماں ہے شاید مرا کوئی شہسوار گھوڑے سے گر گیا ہے!
مرے یمین و یسار نیزوں کی زد پہ ہیں
میرا قلب پہلے ہی برچھیوں سے چھدا پڑا ہے
عقب تک اب تو بجھے ہوئے تیر آرہے ہیں!
وہ رَن پڑا ہے کہ صحنِ مقتل ہماری لاشوں سے پٹ گیا ہے
برہنہ لاشوں کو اب تو گھوڑے بھی روند کر آگے جا چکے ہیں

ہیں بکھرے ٹکڑوں کو جمع کرتے
بریدہ سر سے بدن کی نسبت تلاش کرتے
کنارۂ روح تک شکستہ ہوں ـــ تھک گیا ہوں
بہت کڑا وقت ہے کہ اس مجمعِ عزیزاں میں آج تنہا کھڑا ہُوا ہوں!
تمام زخموں سے چُور ہوں میں
مگر شہادت گہِ وفا میں
لہو سے رسمِ وضو کی تکمیل کرنے سے قبل
اپنے سجدے کی مستجابی کی تہنیت مجھ کو مل چکی ہے!
مرا یہ اعزاز کم نہیں ہے
کہ اتنے تیروں میں ایک بھی تیر وہ نہیں تھا
کہ جو کسی پشت سے نکالا گیا ہو،
ہنگامِ عصر ـــ مقتل سے سرخرو ہوں
کہ میرے توشے میں جتنے وعدے تھے ـــ اتنے سر ہیں!

کسے کہ کشتہ نہ شد...

سنا ہے خسروِ دوراں کی کج کلاہی کو
کشیدہ قامتیِ عصر خوش نہیں آئی
بزن کے حکم سے لرزاں چلا جو ہرکارہ
تو اپنے منصبِ عقبیٰ شکار سے آگاہ
ارادۂ شہِ والا کو معتبر کرنے
فقیہہِ شہر مناسب جواز لے آیا
طلائی طشت میں تازہ گلاب سجنے لگے
ذرا اُٹھے تھے کہ نیزوں پہ سر پہنچنے لگے

عبا و جبّہ و دستار بے ہنر ٹھہرے
ازل کے کورِ نظر آج دیدہ ور ٹھہرے
کنارہ کرتے ہُوئے دوست شرمسار نہیں
وہ ابتلا ہے کہ سائے کا اعتبار نہیں
وہ تیرگی ہے کہ اُمیدِ اجر دل میں نہیں
دعائیں مانگتے ہیں اور صبر دل میں نہیں
مگر وہ لوگ کہ جن کا یقین زندہ تھا
امیدِ اجر پہ جن کا چراغ جلتا تھا
وہ ایک نام کی نسبت سے معتبر اب بھی
وہ ایک زخم کے رشتے سے دوست تر اب بھی
نہ ان کو تخت سے مطلب، نہ لوح کی خواہش
نہ مصلحت کی اسیری، نہ جاہ سے سازش
نجابتوں کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں
درونِ شہر جہاں جشنِ قتلِ عام ہُوا

حضورِ شاہ سبھی جاں گزارنے آئے
زباں کا قرض لہو سے اُتارنے آئے
ہوا نے جتنے دیے مانگے، نذر کر ڈالے
کہ روشنی کا نسب صرف بام و در سے نہ تھا
اور آنے والی کسی سرد رات کی خاطر
کوئی چراغ بچا تھا — تو میرے گھر سے نہ تھا!

اے جگ کے رنگ ریز

اے جگ کے رنگ ریز!
مری بھی اوڑھنی رنگ دے
میں پنگھٹ پر کیسے جاؤں
بھیگے پلّو سے ہاتھوں کو بچاتی سکھیاں
مجھ پر ہنستی ہیں!
میں نے سو سو جتن کیے
پر مجھ پر رُوپ نہ آیا
کیسر پنکھڑی، حنا کے پتّے، ہار سنگھار کا ڈنٹھل
اور کُسُم کے پھول

سب آنچل میں بندھے رہ گئے

کوئی مرے کام نہ آیا

گہنے پاتے گئے اکارت

پتی کا پیار بھی مری کایا بدل نہ پایا

رہی مری چُنری پھیکی کی پھیکی !

ہاں — بس اک رُت ایسی آئی تھی

جب مجھ پر ہریالی ٹوٹ کے چھائی تھی

تن کے سندر بن میں ساتوں رنگ کے پھول کِھل اُٹھے تھے !

لیکن پہلی ہی بارش میں

جل گئے سارے پھول

ایک ذرا سی دھوپ ہوُئی

اور پل بھر میں سب دُھول

دھوپ کڑی تھی یا پھر رنگ ہی کچّے تھے —

اب تک جان نہ پائی ،

بس اتنا بھر دیکھ سکی ہوں

اے جگ کے رنگ ریز !

تری مٹھی میں دھنک ہے

بادل ، جل ، آکاش ، چندرما ، کمل ، چنبیلی ، دُوب

اُودا ، اُجلا ، نیلا ، پیلا ، سرخ ، رو پہلا ، سبز

اتنے سارے رنگوں میں

مرے نام کا کوئی رنگ تو ہوگا

خسرو مرشد !

اپنے ہاتھ سے میرے تن پر مل دے

اور جو تجھے یہ بھی نہ سہائے

مجھے اپنے رنگ میں رنگ لے !

اپنے قائدؒ کے لیے کچھ حرف

بے آب آئنوں پہ طلسمِ نظر کھُلا
چشمِ فسوں زدہ سے کوئی خواب گر کھُلا

اک شخص کو کلیدِ محبّت عطا ہُوئی
تنہائیوں پہ شہرِ رفاقت کا در کھُلا

اک سرخوشی میں چلتے رہے اُس کے ساتھ ساتھ
منزل پہ آ گئے تو مآلِ سفر کھُلا

ٹھنڈا ہُوا اُدھر عَلَمِ جاں فروشگاں
شہرِ وفا میں روح کا پرچم اِدھر کھُلا

اک حرفِ سبز شاخِ بدن پر چمک اُٹھا
میری زمیں پہ اپنے لہو کا ہُنر کھُلا

اک چادرِ پناہ تھی — اور سب سروں پہ تھی
بے سائباں کے نام بھی اس بار گھر کھُلا

ننّھے سے اک ستارے کی کیا روشنی مگر
پرچم پہ آگیا تو بہت چاند پر کھُلا

وہ وقت تھا کہ تھی بھی ضروری ردائے سبز
آندھی میں کون دیکھتا مٹّی کا سر کھُلا

لمسِ زر

کیمیا گر یہ کہتے ہیں —
بعض شرابیں اپنے وصف میں اتنی عجیب ہوتی ہیں
کہ جب تک
جامِ سفالیں میں رکھّی جائیں
تو ان کا نشّہ
اپنے خمار تلک
مے خواروں کے حق میں امرت رہتا ہے
اور جیسے ہی سونے کے پیالوں میں انڈیلی جائے

تو امرت — زہرِ ہلاہل بن جاتا ہے
آج اپنے محبوب — مگر مرحوم سخن ور کو میں نے
جب کرسئ اعلیٰ پر بیٹھے
اور تیسرے درجے کے مہمل اشعار سناتے دیکھا تو
مجھ کو یہ معلوم ہُوا
ایسی عجیب شرابوں میں
ایک شرابِ سخن بھی ہے!

مار گزیدہ

معصومیت اور حماقت میں پل بھر کا فاصلہ ہے!
میری بستی میں پچھلی برسات کے بعد
اک ایسی اعصاب شکن خوشبو پھیلی ہے
جس کے اثر سے
میرے قبیلے کے سارے زیرک افراد
اپنی اپنی آنکھوں کی جلتی مٹیالی کر بیٹھے ہیں
سادہ لوح تو پہلے ہی
سرکنڈوں اور چنبیلی کے جھاڑوں کے پاس.

بے سدھ پائے جاتے تھے!

ذہن کے اندر گھلتے ہی
نیم کے پتّوں کا یوں برگِ گلاب ہو جانا تو مجبوری تھی
حیرت تو اس بات پہ ہے کہ
آک کے پودوں کی موجودگی کے باوصف،
وارثِ تسنیم و کوثر
ایسی لعاب آلود مٹھاس کو آبِ حیات سمجھ بیٹھے ہیں
معصومیت اور حماقت میں پل بھر کا فاصلہ ہے!

ـــــ تو برمن بلاشدی

کچے ذہن اور کچی عمر کی لڑکیاں
اپنی خوبی میں
مائع جیسی ہوتی ہیں
جس برتن میں ڈالی جائیں
اُسی شکل میں کیسے مزے سے ڈھل جاتی ہیں!
کیسا چھلکنا، کیسا اُبلنا اور کہاں کا اُڑنا!
اور اک میں ہوں ـــ پتھر اور شوریدہ مزاج!
کاسۂ خالی میں بے وجہ سما جانے کی بجائے
اُس سے اس قوت سے ٹکرانا چاہوں کہ
ظرفِ تہی کی گونج سے اُس کا بھرم کھُل جائے!

میں نے آئینے کو کب جھٹلایا ہے!
ہاں — گہنے مجھ پر بھی اچھے لگتے ہیں،
لیکن جب بھی مجھکو ان کا مول کبھی یاد آتا ہے تو
کنگن بچھو بن جاتے ہیں
اور پازیبیں ناگ کی صورت میرے پاؤں جکڑ لیتی ہیں!
بہت ہی میٹھے بولوں کا جزوِ اعظم
جب حالتِ خام میں مجھ کو نظر آ جاتا ہے
دہشت سے مری آنکھیں پھیلنے لگتی ہیں
اور اس خوف سے میری ریڑھ کی ہڈی جمنے لگتی ہے کہ
ان ہی مادر زاد منافق لوگوں میں
مجھ کو ساری عمر بسر کرنی ہے!

کبھی کبھی ایسا بھی ہُوا ہے
میں نے اپنا ہاتھ اچانک کسی اور کے ہاتھ میں پایا

لیکن جلد ہی، میری ضرورت سے زاید، بے رحم بصارت نے یہ دیکھ لیا ہے
یا تو میرے ساتھی کی پرچھائیں نہیں بنتی ہے
یا پھر مٹی پر
اُس کے پنجے اُس کی ایڑی سے پہلے بن جاتے ہیں
انسانوں کی سایہ رکھنے والی نسل ناپید ہوئی جاتی ہے!
شام کے ڈھل جانے کے بعد
جب سایہ اور سایہ کناں دونوں بے معنی ہو جاتے ہیں
میں نکروہ ارادوں والی آنکھوں میں گھر جاتی ہوں
اور اپنی چادر پر تازہ دھبّے بنتے دیکھتی ہوں
کیونکہ مجھ کو ایک ہزار راتوں تک چلنے والی کہانی کہنا
نہیں آتی
میں — آقائے ولی نعمت کو
خود اپنی مرضی بھی بتانا چاہتی ہوں!

ظلِّ الٰہی کے پرابلمز

راج پاٹ کرنے والوں کی جان
ہتھیلی پر رہتی ہے
بے چاروں کے مسائل کیسے عجب ہوتے ہیں
کبھی اس باجگزار ریاست کی شوریدہ سری
کبھی اُس زیرِنگیں صوبے کی نافرمانی
کبھی خود پایۂ تخت میں غیر مناسب بیداری
کبھی سپہ سالارِ اعظم کا شوقِ لشکر آرائی
کبھی امیرِ مطبخ کی خاصے میں خاصی غیر ضروری دلچسپی

شہزادوں کی شورہ پشتی

حرم سرا میں پلنے والی چھوٹی بڑی سیاست
بالاعلان بغاوت، درپردہ سازش!

دشمن جلد ہی کھل جاتے ہیں
ان سے نبٹنا اتنا مشکل کام نہیں
الجھاوا تو پاؤں چومنے والوں سے پڑتا ہے!
اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں
ایک تو کُتّے —
اپنی وفاداری میں شہرۂ عالم رکھنے والے
جب تک جی چاہے پیروں میں لوٹتے ہیں
پھر اپنی اپنی ہڈّی لے کر الگ ہو جاتے ہیں!
دوسری قسم زیادہ مہلک ہے
یہ دو پیروں پر چلتی ہے

دیکھنے میں انسان مگر باطن کے ریچھ
تلوے چاٹتے چاٹتے اپنے پیارے آقا کو ایسا کر دیتے ہیں کہ
ایک سہانی صبح کو جب
اپنی کنیزِ خاص کی بھیرویں سُن کر آنکھیں کھولتے ہیں تو
ظلِّ الٰہی
اپنے پاؤں ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں!

اُسی طرح سے ہر اک زخم خوشنما دیکھے
وہ آئے تو مجھے اب بھی ہرا بھرا دیکھے

گزر گئے ہیں بہت دن رفاقتِ شب میں
اک عمر ہو گئی چہرہ وہ چاند سا دیکھے

مرے سکوت سے جس کو گلے رہے کیا کیا
بچھڑتے وقت ان آنکھوں کا بولنا دیکھے

ترے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے

بس ایک ریت کا ذرّہ بچا تھا آنکھوں میں
ابھی تلک جو مسافر کا راستہ دیکھے

اُسی سے پوچھے کوئی دشت کی رفاقت۔ جو
جب آنکھ کھولے، پہاڑوں کا سلسلہ دیکھے

تجھے عزیز تھا اور میں نے اُس کو جیت لیا
مری طرف بھی تو اک پل ترا خدا دیکھے

موجیں بہم ہوئیں تو کنارہ نہیں رہا
آنکھوں میں کوئی خواب دوبارہ نہیں رہا

گھر بچ گیا کہ دور تھے کچھ صاعقہ مزاج
کچھ آسمان کا بھی اشارہ نہیں رہا

بھولا ہے کون ایڑ لگا کر حیات کو
رُکنا ہی رخشِ جاں کو گوارا نہیں رہا

جب تک وہ بے نشان رہا، دسترس میں تھا
خوش نام ہو گیا تو ہمارا نہیں رہا

گم گشتۂ سفر کو جب اپنی خبر ملی
رستہ دکھانے والا ستارہ نہیں رہا

کیسی گھڑی میں ترکِ سفر کا خیال ہے
جب ہم میں لوٹ آنے کا یارا نہیں رہا!

—

تجزیہ

گڑیا سی یہ لڑکی
جس کی اُجلی ہنسی سے
میرا آنگن دمک رہا ہے
کل جب سات سمندر پار چلی جائے گی
اور اک ساحلی شہر کے سرخ چھتوں والے گھر کے اندر
پورے چاند کی روشنی بن کر بکھرے گی
ہم سب اس کو یاد کریں گے
اور اپنے اشکوں کے سچّے موتیوں سے
ساری عمر
اک ایسا سُود اُتارتے جائیں گے،
جس کا اصل بھی ہم پر قرض نہیں تھا!

کنیّا دان

بال صندل کے پانی میں بھیگے ہُوئے
جسم چندن کے مس سے دمکتا ہُوا
آنکھ خوابوں کی افشاں سے بوجھل بہت
ہونٹ پر ان کہی کا مزہ !
گوری گوری کلائی سے لپٹی ہُوئی موتیے کی لڑی
سرخ زرتار جوڑے میں سمٹی ہوئی ایک کچّی کلی
گاہے گاہے جھلکتی ہُوئی موہنی شکل وہ — چاندسی
چوڑیوں کی کھنک
اور پائل کی چھن چھن سے چھنتی ہُوئی
کیسی پیاری ہنسی
رَس پہ سکھیوں کی وہ چھیڑ کہ
آئنے سے بھی نظریں ملائی نہیں جا سکیں !

شامیانے کے پرلی طرف،
وقت کے جبر کے سامنے،
چپ کھڑی ماممتا—
جس کے چاروں طرف
تشنہ ہونٹوں، گرسنہ نگاہوں، لٹکتی زبانوں، بدن گیر
غرّاہٹوں کا عجب غول ہے

اور اسی غول سے
اپنی نازوں کی پالی کی خاطر
بڑے صبر سے
ایک مجبور رہنی کی صورت وہ چُن لائی ہے
اک ذرا کم ضرر بھیڑیا!

—

ہاں — ابھی دُعائے نور پڑھی جا سکتی ہے

ہاں — ابھی دعائے نور پڑھی جا سکتی ہے،
ردِّ بلا کے اسم ابھی تک اپنی تاثیروں سے منافی نہیں ہوئے
حرفِ دعا میں آس کی لَو تابندہ ہے!
ٹوٹنے والی سانسوں کا اک تار
کسی اَن دیکھے مسیحا کے ہاتھوں میں جھول رہا ہے،
دو دشمن دنیاؤں کے مابین زمینِ بے ملکیت کی حد پر
کوئی خزانوں جیسا ذہن
رہ رہ کے کچھ بھول رہا ہے

آنکھوں پر اُس لمحۂ آخر کی سیّال رو پہلی جھلّی چڑھنے لگی ہے
جس کو چھُونے سے سورج کے ہاتھ بھی
برف کے ہو جائیں گے
آنے والوں کی صورت کجلانے لگی ہے
پھر بھی آنکھیں ہیں کہ دروازے سے لگی ہیں!
کوئی نجات دہندہ —— شافعِ روزِ قیامت
کوئی سب باتوں کا جاننے والا —— میرے علیم و خبیر
کوئی معجزے والا ہاتھ —— اے موسیٰ کے خدا
کوئی جلانے والی سانس —— اے ربِّ عیسیٰ
کوئی محبّت والی آنکھ —— اے محبوبِ محمدؐ!

———

نہیں — مرا آنچل میلا ہے

نہیں — مرا آنچل میلا ہے
اور تیری دستار کے سارے پیچ ابھی تک تیکھے ہیں
کسی ہوا نے ان کو اب تک چھُونے کی جرأت نہیں کی ہے
تیری اُجلی پیشانی پر
گئے دنوں کی کوئی گھڑی
پچھتاوا بن کے نہیں پھوٹی
اور میرے ماتھے کی سیاہی
تجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتی

اچھے لڑکے

مجھے نہ ایسے دیکھ
اپنے سارے جگنو سارے پھول
سنبھال کے رکھ لے،
پھٹے ہُوئے آنچل سے پھول گر جاتے ہیں
اور جگنو،
پہلا موقع پاتے ہی اُڑ جاتے ہیں
چاہے اوڑھنی سے باہر کی دھوپ کتنی ہی کڑی ہو!

ایران

اک اُلو، اک ریچھ اور اک ہاتھی
شطرنج کے رسیا تھے
آپس میں جانی دشمن تھے
لیکن اپنے شوق کے آگے بے بس تھے
ایک ہی میز پہ بیٹھ کے پہروں کھیلتے تھے
کبھی کبھی کوئی لومڑ، کوئی گدھا یا کوئی عقاب بھی
مہرے بدلنے میں
ان کی حسبِ حکم مدد کر دیتا تھا
کبھی بے چاری فاختہ تک پیادوں کے ساتھ پس جاتی
چھوٹی موٹی چڑیاں تو کس شمار میں تھیں

کھیل کی لت بھی طاقت کے نشے جیسی ہے

پہلا شب خونِ عقلِ سلیم پہ پڑتا ہے

سو اک دن ایسا کرنا ہُوا کہ

سب سے بڑے شاطر کا مسئلہ

حسبِ توقع نکل پڑا

تینوں نے اپنا مستقبل سوچا

اور شیرِ ببر کو اپنا گواہ ٹھہرایا

اس کے کچھ اسباب بھی تھے

اُلّو کے بچّے جنگل میں سوتے تھے

ریچھ کو شہد کے لیے کچھار سے ہو کے گزرنا پڑتا تھا

ہاتھی کو اپنے رمبا سمبھا کے لیے

گندم اور آلو کے کھیت چھوٹے پڑتے تھے

شتیر بچارہ — بھلا امورِ ملک سے اس کو کب فرصت
ابھی انکار کا پہلا حرف ہی کہہ پایا تھا
تینوں نے اک دوسرے کی جانب دیکھا
اور جنابِ والا کو ہی داؤ پہ رکھ کے کھیل دیا
ہار جیت کے فیصلے سے پہلے ہی
بساطِ خونی پر سے
فیل، پیادے، شاہ، وزیر سب ہٹے ہُوئے تھے
شتیر کے ٹکڑے خانہ خانہ بٹے ہُوئے تھے!

❁

زمیں سے رہ گیا ہے دور آسمان کتنا
ستارہ اپنے سفر میں ہے خوش گمان کتنا

پرندِ پیکاں بدوش پرواز کر رہا ہے
رہا ہے اس کو خیالِ صیادگان کتنا

ہوا کا رُخ دیکھ کر سمندر سے پوچھنا ہے
اُٹھائیں اب کشتیوں پہ ہم بادبان کتنا

بہار میں خوشبوؤں کا نام و نسب تھا جس سے
وہی شجر آج ہو گیا بے نشان کتنا

گرے اگر آئنہ تو اک خاص زاویے سے
وگرنہ ہر عکس کو رہے خود پہ مان کتنا

بنا کسی آس کے اُسی طرح جی رہا ہے
بچھڑنے والوں میں تھا کوئی سخت جان کتنا

وہ لوگ کیا چل سکیں گے جو انگلیوں پہ سوچیں
سفر میں ہے دھوپ کس قدر سائبان کتنا!

زمین پر پاؤں تھے، قیام آسمان میں تھا
مری طرح سے وہ شخص بھی امتحان میں تھا

یہ روشنی تھی کہ اُس کا چہرہ دھیان میں تھا
ستارہ سا اک چراغ میرے مکان میں تھا

کہ چاند خود آکے ایک تارے کا نام پوچھے
ہجومِ سیارگاں! یہ کس کے گمان میں تھا

میں اس کی آنکھوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں
نظر کا ایسا طلسم کس داستان میں تھا

میں اُس کی کشتی سے اپنا آنچل ہٹا کے سمجھی
سفر کا بھی حوصلہ فقط بادبان میں تھا

دعا کبھی میں نے مانگی تھی دونوں وقت ملتے
یہ زندگی بھر کا جھٹپٹا کب دھیان میں تھا

جدائی کا فیصلہ تو پھر بھی ہمارا ہوتا
یہ مان بھی ہیں اگر کوئی درمیان میں تھا

قدموں میں بھی تکان تھی، گھر بھی قریب تھا
پر کیا کریں کہ اب کے سفر ہی عجیب تھا

نکلے اگر تو چاند دریچے میں رُک بھی جائے
اس شہرِ بے چراغ میں کس کا نصیب تھا

آندھی نے اُن رُتوں کو بھی بے تاج کر دیا
جن کا کبھی ہُما سا پرندہ نقیب تھا

کچھ اپنے آپ سے ہی اُسے کشمکش نہ تھی
مجھ میں بھی کوئی شخص اُسی کا رقیب تھا

پوچھا کسی نے مول تو حیران رہ گیا
اپنی نگاہ میں کوئی کتنا غریب تھا

مقتل سے آنے والی ہوا کو بھی کب ملا
ایسا کوئی دریچہ کہ جو بے صلیب تھا

—

چھتنار

اے رے پیڑ، ترے کتنے پات

اتنے

جتنے گگن میں تارے

یا جتنے بن میں پھول

جتنی ساگر کی لہریں

جتنی مری مانگ کی دھول ؟

تیری سندر ہریالی کا اور نہ چھور کوئی !

جگ کی دھوپ تری چھایا سے چھوٹی ہے

میں تیرے سایے میں جیسے سمٹتی جاؤں
اپنے دُکھتے ماتھے ، جلتی آتما پر سے
شبنم چنتی جاؤں ،
اسے رے پیڑ، ترے کتنے ہات ؟

سبھی گناہ دھل گئے، سزا ہی اور ہو گئی
مرے وجود پر تری گواہی اور ہو گئی

رفوگرانِ شہر بھی کمال لوگ تھے، مگر
ستارہ ساز ہاتھ میں قبا ہی اور ہو گئی

بہت سے لوگ شام تک کواڑ کھول کر رہے
فقیرِ شہر کی مگر صدا ہی اور ہو گئی

اندھیرے میں تھے جب تلک زمانہ سازگار تھا
چراغ کیا جلا دیا، ہوا ہی اور ہو گئی

بہت سنبھل کے چلنے والی تھی پر اب کے بار تو
وہ گُل کھلے کہ شوخیٔ صبا ہی اور ہو گئی

نجانے دشمنوں کی کون بات یاد آگئی
لبوں تک آتے آتے بد دعا ہی اور ہو گئی

یہ میرے ہاتھ کی لکیریں کھُل رہی تھیں یا کہ خود
شگن کی رات خوشبوئے حنا ہی اور ہو گئی

ذراسی کرگسوں کو آب و دانہ کی جو شہ ملی
عقاب سے خطاب کی ادا ہی اور ہو گئی

سحاب میں بھی تو وہ بھی صبا مثال ہی تھا
کسی کے واسطے رکنا ذرا محال ہی تھا

ہزار آئینے جس جا ہوں روکشِ خورشید
نگاہ بھر کے اُسے دیکھنا کمال ہی تھا

یہ کیا کہ ہلنے لگے قصر و کاخِ پرویزی
گدائے عشق کے کیسے میں اک سوال ہی تھا

بچھڑ کے وہ بھی مجھے لوٹا گیا ہے میرا وجود
یہ سانحہ مرے حق میں تو نیک فال ہی تھا

پرندہ اپنی رضا سے زمین پر اُترا
وگرنہ ایسی ہوا تھی نہ ایسا جال ہی تھا

ہرا رکھا مجھے جس نے بہ وصفِ چارہ گراں
وہ معجزہ مرا اندوہِ اندمال ہی تھا

قید میں گزرے گی جو عمر بڑے کام کی تھی
پر میں کیا کرتی کہ زنجیر ترے نام کی تھی

جس کے ماتھے پہ مرے بخت کا تارہ چمکا
چاند کے ڈوبنے کی بات اسی شام کی تھی

میں نے ہاتھوں کو ہی پتوار بنایا ورنہ
ایک ٹوٹی ہوئی کشتی مرے کس کام کی تھی

وہ کہانی کہ ابھی سوئیاں نکلی بھی نہ تھیں
فکر ہر شخص کو شہزادی کے انجام کی تھی

یہ ہوا کیسے اُڑا لے گئی آنچل میرا
یوں ستانے کی تو عادت مرے گھنشام کی تھی

بوجھ اُٹھائے ہوئے پھرتی ہے ہمارا اب تک
اے زمیں ماں! تری یہ عمر تو آرام کی تھی

پلکیں نہ جھپکتی تھیں کہ گفتار عجب تھی
آنکھوں کے لیے ساعتِ دیدار عجب تھی

خاموش تھے لب، صورتِ اقرار عجب تھی
کیا کہنے صفائی ہیں کہ سرکار عجب تھی

پھر جب جمنے لگے، دیکھ، مرے پاؤں زمیں پر
غربت میں ترے شہر کی دیوار عجب تھی

امکانِ بہار اس سے بھی دل کٹنے لگا تھا
اور برگِ تمنّا کی بھی کچھ دھار عجب تھی

صحرا میں پلٹ کے میں کسے دیکھتی لیکن
آواز سی اک زمزمہ آثار عجب تھی

جھکتی ہی گئی زعم میں دیوار کے اس پار
تقدیر تری شاخِ ثمردار عجب تھی

اک لمحۂ پرواں کی بھی قیمت نہیں چھوٹی
یہ سلطنتِ درہم و دینار عجب تھی!

دستار کے بل گن کے جہاں ملتی ہو عزت
اس شہر میں توقیرِ سخن کار عجب تھی!

ہوا نژاد اور آج ہے گوشہ گیر ایسا
رگِ گلو میں ہُوا ہے پیوست تیر ایسا

نہ آپ کھلتا نہ میرا احوال پوچھتا ہے
رہِ وفا میں یہ مل گیا کون میر ایسا

بندھے ہُوئے ہاتھ کا بھی اس کو ملال کب ہے
شریکِ پرواز کر رہا ہے اسیر ایسا

نہ مٹ سکے گا، کوئی مرے شیشہ گر سے کہہ دے
جو فاصلہ پڑ گیا دلوں میں لکیر ایسا

میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر چل رہی ہوں پھر سے
سرِ ارادہ کھڑا ہے اک دستگیر ایسا

چٹان چھوڑ کے شاہیں سرِ نہال آیا
کہ عمر بھر کی ریاضت پہ خاک ڈال آیا

سگانِ راہ و طفلانِ شہر کیا کرتے
فقیہہِ وقت تو دستار خود اُچھال آیا

ستارہ پہلے کبھی اس قدر نہ تھا روشن
یہ کون ہاتھ مرے بخت کو اُجال آیا

زمانے نے جسے بے تیشہ کر دیا تھا کبھی
پہاڑ کاٹ کر خود راستہ نکال آیا

یہی نہیں کہ مجھے اس نے تھام رکھا ہے
مرا خیال بھی اس کو کبھی سنبھال آیا

ستارہ داں! تو مرا زائچہ دوبارہ دیکھ
ترے کہے میں نہ آیا، عجیب سال آیا

یہ کس کا سامنا کرنے سے حرف لرزاں ہیں
سخن شناسوں میں یہ کون باکمال آیا

کفِ گلاب سے خوشبو ہی چُن سکا تو بہت
جو میرے گھر میں ہمیشہ ہوا مثال آیا

کوئی ستارہ مرے ساتھ ساتھ چلنے لگا
سفر میں جیسے ہی مجھ کو ترا خیال آیا

بہاؤ تیز تھا طوفانِ ابر و باد بھی تھا
فصیلِ شہر کو دریا سے کچھ عناد بھی تھا

غبار ہونے سے پہلے ہوا کو یاد بھی تھا
سوادِ سنگ میں اک آئنہ نژاد بھی تھا

ہزار بار ہُوئی بند جس پہ شہر پناہ
سنا گیا ہے کہ وہ شخص شہرزاد بھی تھا

جو بے نیازِ ستائش بنا رہا تھا مجھے
اسی کے ہاتھ میں دیکھا تو سنگِ داد بھی تھا

ہزار ٹکڑوں میں بٹ کر بھی اس کا عکس رہی
مَیں آئنہ تھی، بکھرتے پہ اعتماد بھی تھا

اِک ایسے گھر کا ٹھہرنا تو مُعجزہ سمجھیں
جو بے ستون بھی تھا اور کج نہاد بھی تھا

وہ باکمال کہ اتمامِ عشق جس پہ ہُوا
بنامِ حُسن اِسے حقِ اجتہاد بھی تھا

قضا نے مرے نام کی لوح بھر دی
مری جان! تو نے بہت دیر کر دی

زمیں کرۂ زمہریری میں آئی
فضا میں ہے پت جھڑ سے پہلے کی سردی

قفس کی تو خود تیلیاں مڑ گئی ہیں
پرندے کو کس نے نویدِ سفر دی

یہ کیسے شکاری نے جکڑا ہے مجھ کو
کہ خود میں نے اُڑنے کی خواہش کتر دی

ہوائے زمستاں نے کیا گُل کھلائے
دمِ واپسیں شاخ کی گود بھر دی

اسی سے طلب حرفِ آخر کی رکھوں
وہی جس نے توفیقِ عرضِ ہنر دی

ہوا کی طرح سے نہیں اختیاری
کسی بے ٹھکانہ کی آوارہ گردی

محبّت کی تاریخ میں کب نئی ہے
کسی آبلہ پا کی صحرا نوردی

حسابِ عداوت بھی ہوتا رہے گا
محبّت نے جینے کی مہلت اگر دی

مَیں پھر خاک کو خاک پر چھوڑ آئی
رضائے الٰہی کی تکمیل کر دی

شام! مَیں توری گیّاں چراؤں!

آنکھ جب آئینے سے ہٹائی

شام سندر سے رادھا مِل آئی

آئے سپنوں میں گوکل کے لیے اجے

دینے سکھیوں کو آئی بدھائی

پریم جل خوب گاگر میں بھرلوں

آج بادل نے مایا لٹائی

کس کو پنگھٹ پہ جانے کی ضد تھی

کس سے گاگر نے بنتی کرائی

اوک سے پانی بہنے لگا تو!

پیاس گردھر کی سے کیسے بجھائی

اب تو جل کا ہی آنچل بنا لوں

پیڑ پر کیوں چُھپا سکھائی

اس ہی بالک سے بندیا ملے گی

جس نے ماتھے کی بندیا چرائی

رنگ ڈالی مری آتما تک

کیا منوہر کے من میں سمائی

مَیں نے سکھیوں کو کب کچھ بتایا

بیری پائل نے ہی حب لگائی

گوپیوں سے بھی کھیلیں کنہیّا

اور ہم سے بھی میٹھی لڑائی

کوئی خوشبو تو اچھی لگے گی

پھُول بھر بھر کے آنچل میں لائی

شام: مَیں توری گیّاں چراؤں

مول لے لے تو میری کمائی

کرشن گوپال رستہ ہی بھُولے

رادھا پیاری تو سُدھ بھُول آئی

سارے سُر ایک مُرلی کی دُھن ہیں

ایسی رچنا بھلا کس نے گائی

کیسا بندھن بندھا شام مورے

بات تیری سمجھ میں نہ آئی

ہاتھ پھُولوں سے پہلے بنے تھے

یا کہ گجرے سے پھوٹی کلائی!

A WOMAN'S PRIDE

اُس کی ہتھیلی پر میرے آنسو
کتنے، اچھے لگتے ہیں
جیسے صُبح سویرے
کنول کی پنکھڑیاں
شبنم سے جگمگ کرتی ہوں
موتی جیسی شبنم ——
پھُول کی آنکھوں میں جا کر ہیرے کی کنی بن جاتی ہے
قطرہ قطرہ دل کٹتا ہے
خوشبُو دھیرے دھیرے تن میں پھیلتی ہے
شبنم پھُول کے رنگ میں آخر رنگ جاتی ہے
ننھّے ننھّے چراغوں کی لو بڑھتی ہے تو
اُس کا چہرہ پہلے سے بڑھ کر روشن لگنے لگتا ہے
اُس کی آنکھوں میں میرے آنسو
کتنے اچھے لگتے ہیں !

❋

شب وہی لیکن ستارہ اور ہے
اب سفر کا استعارہ اور ہے

ایک مٹھی ریت میں کیسے تھمے
اس سمندر کا کنارہ اور ہے

موج کے مڑنے میں کتنی دیر ہے
ناؤ ڈالی اور دھارا اور ہے

جنگ کا ہتھیار طے کچھ اور تھا
تیر سینے میں اتارا اور ہے

متن میں تو جرم ثابت ہے مگر
حاشیہ سارے کا سارا اور ہے

ساتھ تو میرا زمیں دیتی مگر
آسماں کا ہی اشارہ اور ہے

دُھوپ میں دیوار ہی کام آئے گی
تیز بارش کا سہارا اور ہے

ہارنے میں اِک انا کی بات تھی
جیت جانے میں خسارہ اور ہے

سکھ کے موسم انگلیوں پر گن لیے
فصلِ غم کا گوشوارہ اور ہے

دیر سے پلکیں نہیں جھپکیں مری
پیشِ جاں اب کے نظارہ اور ہے

اور کچھ پل اس کا رستہ دیکھ لوں
آسماں پر ایک تارہ اور ہے

حد چراغوں کی یہاں سے ختم ہے
آج سے رستہ ہمارا اور ہے

اس کی ثنا میں حدِ بیاں سے نکل چکا
دل کا یہ حال ہے تو یہاں سے نکل چکا

اِک حرفِ تلخ میری زباں سے نکل چکا
کیا عذر ہو کہ تیر کماں سے نکل چکا

بانٹی تھی جس نے عام معافی کی خود نوید
وہ راتوں رات شہرِ اماں سے نکل چکا

اب زندگی چراغ بکف آئی بھی تو کیا
اِک آدمی تو اپنے مکاں سے نکل چکا

آنکھوں نے بھی یہ جان لیا ہے کہ کوئی شخص
اک خواب تھا کہ عرصۂ جاں سے نکل چکا

*

چھڑانا سہل ہو گیا ہے ہات درمیان میں
خدا کا شکر پڑ رہی تھی رات درمیان میں

عجب بساط ہے کہ جیتنے کا ذکر ہی نہیں
فریق دونوں چاہتے ہیں مات درمیان میں

اشارہ کوچ کا تو ہو چکا ہے دیر سے مگر
بچھا رکھی ہے زندگی نے گھات درمیان میں

فصیلِ شوق پر کمند ڈالنا تو کچھ نہ تھا
مگر کہ پڑ رہا تھا شہرِ ذات درمیان میں

کھُلا یہ بعدِ گفتگو کہ حاصلِ سخن رہی
وہی، جو کٹ رہی تھی ایک بات درمیان میں

ابھی تو سات قحط اور سات بارشیں بھی ہیں
یہ کون مانگنے لگا نجات درمیان میں

❋

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں، تم کنارہ دیکھنا

یوں بچھڑنا بھی بہت آساں نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا وہ مُڑ کر دوبارہ دیکھنا!

کس شباہت کو لیے آیا ہے دروازے پہ چاند
اے شبِ ہجراں! ذرا اپنا ستارہ دیکھنا

کیا قیامت ہے کہ جن کے نام پر پسپا ہوئے
ان ہی لوگوں کو مقابل میں صف آرا دیکھنا

جب بنامِ دل گواہی سر کی مانگی جائے گی
خون میں ڈوبا ہُوا پرچم ہمارا دیکھنا

جیتنے میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے
ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھنا

آئنے کی آنکھ ہی کچھ کم نہ تھی میرے لیے
جانے اب کیا کیا دکھائے گا تمہارا دیکھنا

ایک مشتِ خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے
زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا

—

کیسا ثبات ہے کہ روانی بھی ساتھ ہے
وابستہ ہیں اور ناؤ میں پانی بھی ساتھ ہے

آسیب کون سا ہے تعاقب میں شہر کے
گھر بن رہے ہیں، نقلِ مکانی بھی ساتھ ہے

یونہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا
تازہ ہوا کے، یاد پرانی بھی ساتھ ہے

ہر قصّہ گو نے دیدۂ بے خواب سے کہا
اک نیند لانے والی کہانی بھی ساتھ ہے

ہجرت کا اعتبار کہاں ہو سکے کہ جب
چھوڑی ہوئی جگہ کی نشانی بھی ساتھ ہے

لیڈی آف دی ہاؤس

سبز ریشمی پردے
اور زرد غالیچہ
کارنیس کے اُوپر
صادقین کی تصویر
مغربی دریچے سے
اک ذرا قریں ہو کر
قیمتی سپاٹو ہے
پھول دان اس جانب
میری جان اُس جانب

بچے سو چکے ہیں کیا؟
تم بھی تھوڑا دم لے لو
پھر یہ کام کر لینا
خوب یاد آ گیا!
شام سے ذرا پہلے
کچھ سنگھار کر لینا

میرے نرم دل محبوب!
میری خوشنما آنکھیں
جن کے شبنمی آنسو
تیرے مسکراتے لب
چومتے نہیں تھکتے
کیا اگر تری ہوتیں
(تیری ملکیت ہوتیں)

اس قدر حسیں لگتیں؟
تیرا دل یونہی دکھتا؟

مجھ پہ کیا ترس کھانا
میرا کوئی آقا ہو
(نام میں بھلا کیا ہے)
اس کی دی ہوئی چھت کا
بوجھ مجھ کو ڈھونا تھا
اور عمر بھر میرا
یونہی صرف ہونا تھا

DEMONETIZATION

قدروں کے نمبر منسوخ ہوئے
شہر میں کچھ ایسی ٹکسالیں پائی گئی تھیں
جن میں سچ کا چہرہ جھوٹ سے بڑھ کر روشن ڈھلتا تھا
سکوں کی نسبت میں کھوٹ بہت کم ہونے لگا تھا
وقت کی اصل شناس دکھتی بھٹی ہیں
سونے اور پیتل کی پرکھ اب تک ممکن تھی!

بازاروں میں لیکن جیسی گرانی تھی

اس عالم میں

افراطِ خواہش، تفریطِ وقت کے ساتھ

نقدِ جاں کی ارزانی ہی ممکن تھی!

درہمِ خودداری، دینارِ عزتِ نفس

کوڑیوں کے بھی مول نہ نکلے

سامانِ آسائش سے آراستہ دوکانوں کے آگے

پھیلے ہوئے ہاتھوں کی بھیڑ لگی ہے

اور پھیلی ہوئی ہتھیلی کا مذہب ہی کیا؟

اچھا ہوا

جو ایسی ٹکسالوں پر چھاپے مارے گئے

اور سچائی، نیکی اور عفو اور خودداری کا خزانہ

بحقِ کذبِ زمانہ ضبط ہوا

خلقِ خدا نے سکھ کا سانس لیا ہے
اب ہر شخص قریبی مذبح خانے سے
اپنے اپنے حافظے کی خود کار تجوری میں رکھی
ان منسوخ شدہ قدروں کے بدلے
جو جی چاہے لے سکتا ہے
چھری، کلہاڑی یا رسّی!

—

ٹکٹکی

کیا وہ شہر میں داخل ہونے والا پہلا شخص تھا؟
یا اس بستی کے آداب مسافرداری ہی ایسے ہیں
ابھی تو اس نے کسی شجر کی جانب بھی کم ہی دیکھا تھا
شہر پناہ پہ استادہ پہرے داروں میں
آج کا لفظِ رہداری کیا طے پایا تھا
جس کے لیے
سچ کی پہچان اتنی مشکل تھی!

شاہِ وقت نے ایسا کون سا خواب بھلا دیکھا تھا

جس پر

خوف کی بوڑھی کاہنہ نے

راتوں رات پیمائشِ عرضِ گلو کی منادی کر دی ہے

شہر کے بیچوں بیچ

صلیبِ خوں آشام گڑی ہے

اور اناڑی ہاتھوں سے بننے والا اک حلقہ

اپنے نصف قطر تک کھنچنے والا ہے

اک جھٹکا

اور خوابِ نحس کا صدقہ اُتار لیا جائے گا

لیکن — اِک پَل

کوئی مشیرِ با تدبیر

اپنے مقدس آقا کو یہ بھی تو دکھلائے

چشمِ عالم کو کیسی ٹکٹکی لگی ہے!

روزِ سیاہ

کیا سورج نکلا ہے؟
ہر آتے جاتے سے
میرا آج یہی سوال رہا ہے
جانے میرے سوال میں کیا آسیب نظر آتا ہے
کہ ہر رہگیر
نہایت تیز تیز قدموں سے گلی سے دور نکل جاتا ہے
یا پھر
اُلٹے پاؤں وہیں واپس ہو جاتا ہے
جس کوچے میں شہر کے سب مشہور کفن گر رہتے ہیں!

میں نے اپنے ظاہر اور باطن کی سب آنکھوں کو مل کر دیکھ لیا ہے
روشنی کی ننھی سی کرن بھی
مجھے سجھائی نہیں دیتی
کیا اس عمر میں آکر مجھ کو سورج مکھی ہوا ہے
یا میرے وجدان کا کہنا سچ ہے
کہ سورج قتل ہُوا ہے!

—

اُونٹ کا حافظہ رکھنے والے

میرا قبیلہ بڑا عجب ہے
اپنا نسب صحرا گردوں سے ملاتا ہے
اپنے خیمے ریگِ رواں پہ لگاتا ہے
رزق اپنا سانپوں سے چھین کے لاتا ہے
موت کے ڈر سے چھوٹنے والوں کی نفرت ہیں
ایک ہزار رطل انسانوں کے بدلے
اک اونٹ سے پیار زیادہ ہے
صدیوں کی ہمراہی نے
راکب و مرکب میں ایسی ہم آہنگی پیدا کر دی

دونوں مزاجوں کے مابین
کوئی خطِ تفریق نہیں کھنچ سکتا ہے
تیز روی کے ساتھ غلاموں جیسا تحمّل مرکب ہیں
اور راکب کی پشت پہ اک کوہان
(بظاہر نظر نہ آنے والا)
رزق اندوزی اور اطاعت کے ہمراہ
ہر عورت اپنے مردہ وارث کی آنکھوں کی پُتلی ہیں
جمی ہُوئی تصویر کو ڈھونڈنا جانتی ہے
اور موقعہ پاکر ہر مرد
اپنے تیز مزاج مربّی کی ہڈّیاں چبا سکتا ہے
میرے قبیلے کی بولی ہیں
لفظِ عفو ندارد ہے!

بارشوں کی کچھ نظمیں

(۱)

نوید کوئی بنامِ موسم
نہ تہنیت کوئی چشمِ نم کو
نہ مسکرانے کا تھا سبب کچھ
مگر ملے تو
خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی
ہم اپنی آواز سن کے حیران ہو رہے تھے
ہمارے لہجے میں
رات بھر ہونے والی بارش کھنک رہی تھی!

(۲)

پیروں کی مہندی میں نے
کس مشکل سے چھڑائی تھی
اور پھر پیرہن خوشبو کی
کیسی کیسی بنتی کی تھی

پیارے دھیرے بول
بھرا گھر جاگ اُٹھے گا
لیکن جب اس کے آنے کی گھڑی ہوئی
صبح سے ایسی جھڑی لگی
عمر میں پہلی بار مجھے
بارش اچھی نہیں لگی!

(۳)

بارش اب سے پہلے بھی کئی بار ہوئی تھی
کیا اس بار مرے رنگریز نے چنری کچی رنگی تھی
یا تن کا ہی کہنا سچ کر
رنگ تو اس کے ہونٹوں میں تھا!

(۴)

بارش میں کیا تنہا بھیگنا لڑکی !

اسے بلا جس کی چاہت میں

تیرا تن من بھیگا ہے

پیار کی بارش سے بڑھ کر کیا بارش ہو گی

اور جب اس بارش کے بعد

ہجر کی پہلی دھوپ کھلے گی

تجھ پر رنگ کے اسم کھلیں گے

—

ایک اداس نظم

اک طرف سہاگ ہے
اور دوسری طرف
روح کو جلانے والی آگ ہے
خود پہ برف گرتے دیکھتی رہوں
کہ روشنی کا ہاتھ تھام لوں
اے خدائے آب و آگ
میرا فیصلہ سنا
زندہ دفن ہوں
کہ زندگی کا ہاتھ تھام لوں؟

ایک معقول نکاح

ایک روز بہرام بادشاہ نے ایک اُلّو کی آواز سنی تو موبذان حکیم سے پوچھنے لگا، کیا سمجھتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک نر بُوم کسی مادہ بوم سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے مہر میں بیس ویران گاؤں کا مطالبہ کرتی ہے۔ نر بوم اس شرط کو قبول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر بہرام بادشاہ کی حکومت کچھ دن اور رہ گئی تو تُو بیس ویران گاؤں کا مطالبہ کرتی ہے میں تجھ کو ہزار ویران گاؤں دوں گا۔ (مسعودی)

تو فی الوقت مہرِ مؤجّل ہی کافی ہے

فکرِ معجّل تو تب ہو

کہ مطلوبہ ویرانیاں مشتبہ ہوں

یہاں تو مکانات کچھ ایسی سرعت سے کھنڈرات میں ڈھل رہے ہیں

کہ ہم سات پشتوں تک اپنے بسیرے کی فکروں سے آزاد ہو جائیں گے

اب نہ کھیتوں میں فصلوں کی ہے بدشگونی۔

نہ آنگن میں گڑیا لیے کوئی بچی
نہ پنگھٹ پہ گاگر چھلکنے کی ناخوشگواری
نہ چوپال پر بے تُکی گفتگو
گِدھوں کا نمایندہ پہلے ہی مجھ کو کسی جشن کا کارڈ پہنچا گیا ہے
جہاں بعدِ اکل و شرب
غیر معلوم مدّت تک
محفلِ رقص برپا رہے گی
سنا ہے کہ چمگادڑوں کا بھی اپنا الگ طائفہ زیرِ ترتیب ہے
کہ جس کو ولایت گہِ مرگ میں
فتح کا گیت گانے کا اعزاز بخشا گیا ہے
تباہی کے قاصد، مری جاں، مرے سبز پا
خداوندِ ابلیس تیرے ارادوں میں برکت کرے
کتابِ نحوست سے نکلی ہوئی تیری بدفال کو
حافظِ خوش دہن کی طرح وصفِ تکمیل دے

دیہہِ موعودہ کی ممکنہ دسترس دیکھ کر
نان و نفقہ کی مجھ کو بھلا فکر کیا
غم کا موضع
اداسی کی تحصیل
تنہائی کا پرگنہ
مری عمر بھر کی کفالت کو کافی رہیں گے
مرے بُوم نر حاجبِ بارگاہِ حماقت
قاضیِ شاہِ بہرام کو حکم ہو
صیغۂ عقد پڑھ!

—

آتشِ جاں سے قفس آپ ہی جل جانا تھا
قفلِ زنداں! ترا مقسوم پگھل جانا تھا

جس کو اک نسل نے سینچا تھا لہو سے اپنے
اک نہ اک روز تو اس پیڑ کو پھل جانا تھا

وقت سے پہلے کبھی شام نہ یوں آ لیتی
منہ اندھیرے ہی ہمیں گھر سے نکل جانا تھا

ہارنے والوں سے سمجھوتا کہاں ممکن تھا
حرف ملتے بھی تو مفہوم بدل جانا تھا

کس کو ٹھہرائیں گے میثاقِ محبت میں فریق
ہم نے خود کو بھی ارادے کا اٹل جانا تھا

اس نے ہی پہلی ہوا میں مرا دامن تھاما
جس دیے کو کسی نیکی کا بدل جانا تھا

وقت کی اتنی کمیں گاہوں سے ہو آئی ہے
زندگی! اب تو کسی طور سنبھل جانا تھا

وہ تو کہیے کہ کھلی آنکھ رکھی نیند میں بھی
ورنہ ہم شب کا کوئی وار تو چل جانا تھا

فصل بر وقت نہ کٹتی جو سروں کی پروینؔ
آسمانوں نے زمینوں کو نگل جانا تھا

کسے خبر ہے کہ کیا رنج و غم اُٹھاتے ہیں
تراش کر جو زباں کو قلم اُٹھاتے ہیں

قرار دادِ محبت تو کب کی فسخ ہوئی
فریق آج یہ کیسی قسم اُٹھاتے ہیں

زمیں کی پشت تحمل سے دوہری ہو جائے
اگر وہ بوجھ اُٹھائے جو ہم اُٹھاتے ہیں

مثالِ دُردِ تہِ جام ہیں کہ بیٹھ کے بھی
اِک اور حشر پسِ جامِ جم اُٹھاتے ہیں

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہوا مزاجوں کا احسان کم اُٹھاتے ہیں

وہاں بھی ہم تو ستارہ سوار رہتے کہ جہاں
بہت ہی سوچ سمجھ کے قدم اُٹھاتے ہیں

گواہی کیسے ٹوٹتی، معاملہ خدا کا تھا
مرا اور اس کا رابطہ تو ہاتھ اور دعا کا تھا

گلاب قیمتِ شگفت شام تک چکا سکے
وہ دھوپ کو ادا ہُوا جو قرض کہ صبا کا تھا

بکھر گیا ہے پھول تو ہمیں سے پوچھ گچھ ہوئی
حساب باغباں سے ہے، کیا دھرا ہوا کا تھا

لہو چشیدہ ہاتھ اس نے چوم کر دکھا دیا
جزا وہاں ملی جہاں کہ مرحلہ سزا کا تھا

جو بارشوں سے قبل اپنا رزق گھر میں بھر چکا
وہ شہرِ مور سے نہ تھا پہ دوربیں بلا کا تھا

کتّوں کا سپاس نامہ

رنگ تو آپ کے ہاتھ میں جا کے یوں بول اُٹھتے ہیں
جیسے ازل سے اسی دستِ معجز اثر کے لیے منتظر تھے
تصاویر میں کس قدر کا تنوع ہے
بلینڈ اسکیپ میں فارم اور خط کا کا تھک توازن
ادھر منجمد زندگی میں حرارت کی اور رنگ کی یہ فلیمش فضا —
بی بی!
آپ ان کی باتوں میں مت آئیے
دیکھیے تو کہ اس نقش میں
دور ہوتے ہوئے سرمئی رنگ کے یہ پہاڑ
جان ایک کے بنائے ہوئے فاصلے کے اصولوں سے کیسے ہم آہنگ ہیں

اور یہ پورٹریٹس

رافیل اور ٹشن ایسے بچ سوچ سکتے بھلا؟

ہمیں تو یہاں مائیکل انجلو اور ڈونچی کے اسٹروک یاد آ گئے!

اوہو، مشرقی سمت میں بھی تو دیکھیں ذرا

راہ تکتی ہوئی یہ حسینہ

اگر ریمبراں دیکھ لیتا

تو پھر نیم وا در میں تو عمر لڑکی بنانے کی جرأت نہ کرتا

ذرا روشنی کا تناسب تو دیکھیں

یہاں آپ نے نیم فاقہ زدہ گاؤں کا رُخ کیا

تو مجھے

ڈومیا کے تخیل سے نکھری ہُوئی درجۂ سوم کی اک سواری بہت

یاد آنے لگی

اور یہ — صبح کے وقت اک شہر کا نیم بیدار منظر

کہ جیسے دھڑکتا رہا ہو یہاں برش وان گاگ کا

گیلری ختم ہونے سے پہلے وہاں ہیقیوی موڑ پر
کیوبزم کے عجب شاہ پارے سجے ہیں
پکاسو کے ہاتھوں کا سارا ہنر آپ کا تجربہ بن گیا!
اتنے بھرپور اور جاں فزا تبصروں کے لیے
آپ سب کی تہِ دل سے ممنون ہوں
مگر قبل اس کے
کہ مجھ مبتدی کے لیے
داد و تحسیں کے ٹکراؤ میں
آپ کے سر پھٹیں
ناقدین کرام!
اپنی باچھوں سے بہتی ہوئی
رال تو پونچھ لیں!

—

پوسٹ ڈنر آئیٹم

آپ کی زلف کے ہم تو پہلے ہی گویا اسیروں میں تھے
آج تو آپ کے ہاتھ بھی چوم لینے کو جی چاہتا ہے
کہ آج آپ نے
اتنی انواع و اقسام کی لذتیں میز پہ جمع کر دیں
کہ ہم لوگ حیران تھے سب
کہاں سے شروعات ہوں
تعجب تو یہ ہے کہ اپنے سماجی فرائض میں اس درجہ مصروف
رہنے کے باوصف
آپ اتنے گھنٹے کچن میں رہیں

نوکروں کا ہے قحط اور پھر خاص کر گُکس کی بد دماغی کے عالم میں
اتنا بہت کچھ ! پھر اتنا مزیدار کھانا پکانا !
ہمیں تو کوئی معجزہ ہی لگا
اس پہ حیران کن بات یہ ہے
کہ اتنی تھکن پر
جبیں اور ساری پہ کوئی شکن تک نہیں
اس ڈنر کے مقابل میں بیگم فلاں کا ڈنر کچھ نہ تھا !

شکریہ
اس پسندیدگی کا بہت شکریہ
اب یہ فرمایئے، کیا پیش ہو
چائے، کافی کہ شاعر؟

—

بُجھ گئی آنکھ تو پیراہنِ تر کیا لانا
چاہ سے اب مرے یوسف کی خبر کیا لانا

جب مسافر کا ارادہ ہی بھٹکنے کا ہُوا
اِک چراغ اور سرِ راہگزر کیا لانا

رات ہم خانہ خرابوں کا بھرم رکھ لیتی
روشنی رہتے میں مہمان کو گھر کیا لانا

شب گزار دہ ستارہ تو مرا ڈوب چکا
اب دمِ صبح دعاؤں میں اثر کیا لانا

اک دیا بجھ ہی گیا ہوگا سرِ طاقِ اُمید
ورنہ پیغام ہواؤں کو ادھر کیا لانا

شہر میں سانپ جب انسانوں سے نایاب ہو جائیں
پیشِ آئینہ کوئی ذہن میں ڈر کیا لانا

اتنی مہلت ہے کہ میں مشک میں پانی بھر لوں؟
فاصلہ کم ہو تو پھر زادِ سفر کیا لانا!

شاخِ بدن کو تازہ پھول نشانی دے
کوئی تو ہو جو میری جڑوں کو پانی دے

اپنے سارے منظر مجھ سے لے لے ــــ اور
مالک ! میری آنکھوں کو حیرانی دے

اس کی سرگوشی میں بھیگتی جائے رات
قطرہ قطرہ تن کو نئی کہانی دے

اُس کے نام پہ کھُلے دریچے کے نیچے
کیسی پیاری خوشبو رات کی رانی دے

بات تو تب ہے میرے حرف کو گونج کے ساتھ
کوئی اُس لہجے کو بات پُرانی دے

ایک سُورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اُٹھا
آنکھ حیران ہے، کیا شخص زمانے سے اُٹھا

کس سے پُوچھوں ترے آقا کا پتہ اے رہوار
یہ عَلم وہ ہے نہ اب تک کسی شانے سے اُٹھا

حلقۂ خواب کو ہی گردِ گلُو کس ڈالا
دستِ قاتل کا بھی احسان نہ دوانے سے اُٹھا

پھر کوئی عکس شعاعوں سے نہ بننے پایا
کیسا مہتاب مرے آئینہ خانے سے اُٹھا

کیا لکھّا تھا سرِ محضر، جسے پہچانتے ہی
پاس بیٹھا ہُوا ہر دوست بہانے سے اُٹھا

آج تک شہر کا چہرہ نہیں دُھلنے پایا
گرد کا کیسا بگولا ترے جانے سے اُٹھا

زندگی میں یہ بدن شعلۂ جوّالہ تھا
موجۂ سرد! مری راکھ ٹھکانے سے اُٹھا

ڈھال اب وقت کے ہاتھوں میں ہے اے تیر انداز
رکھ دے اِک سمت کماں ہاتھ نشانے سے اُٹھا

دل تری چشمِ مدارات سے بیعت تھا تو پھر
کس طرح بزم میں اوروں کے اٹھانے سے اُٹھا

دُودِ یک سینۂ سوزاں سے بھلا کیا ڈرنا
وہ دُھواں دیکھ جو شعلوں کے بجھانے سے اُٹھا

دِل دُکھا ہے تو کُھلی ہے مرے وجدان کی آنکھ
اِک شگوفہ تھا کہ شبنم کے جگانے سے اُٹھا

سونپ دے اپنا ہُنر اُن کو کہ جن کا حق ہے
وقت آیا ہے کہ اب سانپ خزانے سے اُٹھا

کتبہ

یہاں وہ لڑکی سو رہی ہے

کہ جس کی آنکھوں نے نیند سے خواب مول لے کر

وصال کی عمر رتجگے میں گزار دی تھی

عجیب تھا انتظار اس کا

کہ جس نے تقدیر کے تنک حوصلہ مہاجن کے ہاتھ

بس اک، دریچۂ نیم باز کے سُکھ پہ

شہر کا شہر رہن کروا دیا تھا

لیکن وہ ایک تارہ

کہ جس کی کرنوں کے مان پر
چاند سے حریفانہ کشمکش تھی
جب اُس کے ماتھے پہ کھلنے والا ہُوا
تو اُس پل
سپیدۂ صبح بھی نمودار ہو چکا تھا
فراق کا لمحہ آ چکا تھا!

لیجیے، اب پتہ چلا، خوشبو جب اپنے بدن میں ڈھلتی ہے، تو صد برگ بنتی ہے ___ پروین نے اپنے سفر کے ان دو مرحلوں کے درمیان جو مسافت طے کی ہے، دُنیائے شعر میں اس سے پہلے اس کا سُراغ نہیں ملتا۔ یہ وہ راہیں ہیں، جنہیں پروین کو خود تراشنا پڑا۔ نسائیت کی رُوح، لڑکی سے عورت بنتے ہُوئے، جدید مشرق میں کس طرح ظہور کرے گی، اس کا اب تک کوئی اندازہ نہ تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پروین کا سفر رُکا نہیں، اسی لیے ہم بڑے اعتماد کے ساتھ مشرق کی اِس عورت کو اب اپنی مکمل اور اصلی شکل میں دیکھنے کی آرزو کرسکتے ہیں۔ ایک وقت تھا یہ بات ناممکن نظر آتی تھی، پروین نے اس ناممکن کو ممکن بنادیا ہے۔ اُس نے اپنے گرد پھیلے ہُوئے انتشار اور بکھراؤ سے حُسن کا جو پیکر تراشا ہے، وہ ایک پھُول بن کر ہمارے سامنے ہے۔ صد برگ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ پروین ایک عورت کی طرح دُکھ سہنا جانتی ہے۔ شاید مرد کی طرح دُکھ سہنا آسان ہو ___ اسی لیے ہم نے بڑی بڑی عورتوں کو مرد بنتے دیکھا ہے ___ تاہم اس لڑکی کو کوئی جلدی نہیں، اس لیے کہ اسے اپنے آپ سے باہر ہونے کی کوئی ہوس نہیں۔ وہ سچائی کے ساتھ وہی لکھنا چاہتی ہے جو محسوس کرتی ہے۔ خدا اس کی اِس سچائی کو زندہ رکھے۔ اس نے اپنے لیے بہت مشکل راہ انتخاب کی ہے۔ میرے نبیؐ کا قول ہے کہ خوشبو، عورت اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہی تو وہ عورت ہے کہ زمانہ جس کی تلاش میں ہے اور جسے دیکھنے کی ہمیں آرزو ہے۔ خوشبو کی شاعرہ اپنے سفر کی اس انتہا پر اس عورت کا ایک ادنیٰ سا رُوپ یا ہلکا سا عکس دِکھا سکے، تو یہ بیسویں صدی میں تخلیقی دُنیا کا عظیم ترین کارنامہ ہوگا۔

سجّاد مِیر

پروین شاکر

خودکلامی

پروین شاکر

کتنی دیر تک
املتاس کے پیڑ کے نیچے
بیٹھ کے ہم نے باتیں کیں
کچھ یاد نہیں
بس اتنا اندازہ ہے
چاند ہماری پشت سے ہو کر

خود کلامی

پروین شاکر

ترتیب

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا ترا خیال بھی	،	6
دو ساحلی نظمیں	،	7
الآمِ حیات لوٹ آئیں	،	8
یوں حوصلہ دل نے ہارا کب تھا	،	9
کُھلے گی اس نظم پر چشمِ تر آہستہ آہستہ	،	10
جواز	،	11
میرا لال	،	12
تیری موہنی صورت	،	12
کائنات کے خالق	،	13
اب بھلا چھوڑ کے گھر کیا کرتے	،	14
ہمسفر چھوٹ گئے رہگزر کے ہمراہ	،	15
اک نہ اک روز تو رخصت کرتا	،	15
کسے خبر تھی	،	16
مِسفیٹ	،	17
اختیار کی ایک کوشش	،	19
نئے سال کی پہلی نظم	،	19
وقت کے ساتھ عناصر بھی رہے سازش میں	،	20
الزام تھا دیے پہ نہ تقصیر رات کی	،	21
اک لمحہ تو پتھر بھی خوں رو جائے	،	22
وہ	،	23
ساتھ	،	23
اس کی آواز	،	24
سرشاری	،	25

آتش بجاں	،	25
بے بسی کی ایک نظم	،	26
اے رمز بھری رات	،	27
بے فیض رفاقت میں ثمر کس کے لئے تھا	،	28
شاید اس نے مجھ کو تنہا دیکھ لیا ہے	،	29
کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا	،	29
موتی ہار پروئے ہُوئے	،	30
ایک وکٹورین شخص سے	،	31
میں تیتری رہنے میں خوش ہوں	،	32
چین ری ایکشن	،	34
مجبوری کی ایک رات	،	35
الوداعیہ	،	36
دشت و دریا سے گزرنا ہو کہ گھر میں رہنا	،	37
دو گھڑی میسر ہو اس کا ہمسفر ہونا	،	39
میں ہجر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی	،	40
آواز کے ہمراہ سراپا بھی تو دیکھوں	،	41
اک شخص کو سوچتی رہی ہیں	،	42
دائرہ	،	42
دی مسنگ لنک	،	44
........پھولوں کا کیا ہوگا	،	46
سفر کی خواہش کسے نہیں ہے	،	47
ہمارا المیہ یہ ہے	،	47
عشق میں بھی مرنا اتنا آسان نہیں	،	49
جو دھوپ میں رہا نہ روانہ سفر پہ تھا	،	50
دشمن کو ہارنے سے بچانا عجیب تھا	،	51

ماہِ تمام

یہ کیسا از نِ تکلم ہے، جس کی تاب نہ ہو	،	52
چراغ مانگتے رہنے کا کچھ سبب بھی نہیں	،	53
نوشتہ	،	55
فبای الاء ربکما تکذبٰن	،	56
فروغ فرخ زاد کے لیے ایک نظم	،	58
پاسبانی پہ اندھیرے کو تو گھر پر رکھا	،	59
میں فقط چلتی رہی، منزل کو سر اس نے کیا	،	60
پھیلا دیے خود ہاتھ طلب گار کے آگے	،	61
عجب مکاں ہے کہ جس میں مکیں نہیں آتا	،	62
یوں چاہے خزاں کھڑی ہو دل میں	،	63
ایک مشورہ	،	64
مجھے مت بتانا	،	64
چہ کنم	،	65
بے یقینی کی ایک نظم	،	66
گھر کے مٹنے کا غم تر ہوتا ہے	،	67
عمر کا بھروسا کیا، پل کا ساتھ ہو جائے	،	68
خواب کیا دیکھے کوئی نیند کے انجام کے بعد	،	69
دل کا کیا ہے، وہ تو چاہے گا مسلسل ملنا	،	70
لفظ بڑھے اور وعدے پھیلے دل کی حکایت ختم ہوئی	،	70
بھٹ	،	71
انہونی کی ایک دعا	،	72
ایک تنہا سیارہ	،	74
فرزندِ زمیں سے	،	74
دنیا کو تو حالات سے امید بڑی تھی (غزل)	،	75
چاند چہروں کے فروزاں تھے کہ ناموں کے گلاب (غزل)	،	76

ماہِ تمام

اک صدا پکارے جاتی ہے	،	77
ایک خط	،	78
جدائی کے بندی خانے میں	،	79
ایک سوال ___ دور جانے والوں سے	،	80
کریں ترکِ زمیں یا جائیں جاں سے (غزل)	،	81
چراغ میلے سے باہر رکھا گیا وہ بھی (غزل)	،	83
نظر بھی آیا، اسے اپنے پاس بھی دیکھا (غزل)	،	83
ایک غیر زمینی رات	،	85
ایک خوبصورت ڈرائیو	،	86
آج کی رات	،	86
وہ مجبوری نہیں تھی، یہ اداکاری نہیں ہے	،	88
مرنے سے بھی پہلے مر گئے تھے	،	89
ایک شاعرہ کے لئے	،	90
لازم تھا اب کہ ذوق تماشا کو دیکھتی	،	92
پھر چاک زندگی کو رفو گر ملا کہاں	،	92
کچھ فیصلہ تو ہو کہ کدھر جانا چاہیے	،	93
خودکلامی	،	94

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا ترا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی

بات وہ آدھی رات کی، رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا اُس پہ ترا جمال بھی

سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رُک گئی گردشِ ماہ و سال بھی

دل تو چمک سکے گا کیا، پھر بھی ترش کے دیکھ لیں
شیشہ گرانِ شہر کے ہاتھ کا یہ کمال بھی

اُس کو نہ پا سکے تھے جب دل کا عجیب حال تھا
اب جو پلٹ کے دیکھیے، بات تھی کچھ محال بھی

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا، بھول گیا سوال بھی

اُس کی سخن طرازیاں میرے لئے بھی ڈھال تھیں
اُس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا حال بھی

گاہ قریبِ شاہ رگ، گاہ بعیدِ وہم و خواب
اُس کی رفاقتوں میں رات، ہجر بھی تھا وصال بھی

اُس کے ہی بازوؤں میں اور اُس کو ہی سوچتے رہے
جسم کی خواہشوں پہ تھے روح کے اور جال بھی

شام کی نا سمجھ ہوا پوچھ رہی ہے اک پتا
موجِ ہوائے کوئے یار، کچھ تو مرا خیال بھی

☆

(۲)

دوساحلی نظمیں

(۱)

پہلے چاند کی نرم مہکتی رات
سبک ساحل کی ٹھنڈک
اور خوش لمس ہوا
تن کی چاہ میں جلنے والی
دو پیاسی روحوں کو ایسے چھونے لگی تھی
جیسے اُن کا دُکھ پہچان گئی ہو!

(۲)

جس جذبے پر
دن بھر سورج اپنے ہاتھ رکھے رہتا تھا
شب کے لمس سے ایسے جاگ پڑا تھا
ریت کے دلآرام رفاقت
اور سُلگتی تنہائی کے بیچ

سمندر کی بانہوں سے لپٹے ہوئے دو منکر جسم
اپنے آپ سے ہار چکے تھے
رات کا جادو جیت چکا تھا!

☆

آلام حیات ' لوٹ آئیں
آسائشیں مجھ کو کھا نہ جائیں

کیا ایسی تلاش آب و دانہ
پرواز کا لطف بھول جائیں

تو مقتلِ شب سے آرہی ہے
اے صبح! تجھے گلے لگائیں

آسان سہی بچھڑ کے رہنا
پر اُس کا سا دل کہاں سے لائیں

جب ہم کسی اور کا ہُوئے رزق
کس کے لیے زندگی کمائیں

معلوم ' کہ چھوڑنا ہے اِک دن
پھر بھی یہ لگن کہ گھر بنائیں

بستی میں اُتر رہا ہے پانی
ہم اور کہاں اُتر کے جائیں

پانی ہے ' ہوا ہے ' خلا ہے
ہم اپنے قدم کہاں جمائیں

☆

یوں حوصلہ دل نے ہارا کب تھا
سرطان مرا ستارا کب تھا

لازم تھا گزرنا زندگی سے
بِن زہر پیے گزارا کب تھا

کچھ پل اُسے اور دیکھ سکتے
اشکوں کو مگر گوارا کب تھا

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اُس کا ہی قصور سارا کب تھا

اب اور کے ساتھ ہے تو کیا دُکھ
پہلے بھی کوئی ہمارا کب تھا

اِک نام پہ زخم کھل اُٹھے تھے
قاتل کی طرف اشارہ کب تھا

آئے ہو تو روشنی ہُوئی ہے
اِس بام پہ کوئی تارا کب تھا

دیکھا ہوا گھر تھا پر کسی نے
دُلہن کی طرح سنوارا کب تھا

☆

کُھلے گی اُس نظر پہ چشمِ تر آہستہ آہستہ
کیا جاتا ہے پانی میں سفر آہستہ آہستہ

کوئی بھی زنجیر پھر واپس وہیں پر لے کے آتی ہے
کٹھن ہو راہ تو چُھٹتا ہے گھر آہستہ آہستہ

بدل دینا ہے رستہ یا کہیں پر بیٹھ جانا ہے
کہ تھکتا جارہا ہے ہم سفر آہستہ آہستہ

خلش کے ساتھ اِس دل سے نہ میری جاں نکل جائے
کھنچے تیرِ شناسائی مگر آہستہ آہستہ

ہَوا سے سرکشی میں پھول کا اپنا زیاں دیکھا
سو جُھکتا جارہا ہے اب یہ سر آہستہ آہستہ

☆

جواز

کتنی سنسان زندگی تھی

سب طاق مرے دیے سے خالی
بے برگ و ثمر بدن کی ڈالی
کھڑکی پہ نہ آکے بیٹھے چڑیا
آنگن میں بھٹک سکے نہ تتلی
نجوگ کی بے نمو رُتوں سے
میں کتنی اُداس ہو چلی تھی
آواز کے سیلِ بے پنہ میں
میں تھی، مرے گھر کی خامشی تھی

پر دیکھ تو آکے لال میرے
اس کلبۂ غم میں مجھ کو تیرے
آنے کی نوید کیا ملی ہے
جینے کا جواز مل گیا ہے!

☆

میرالال

میرے زور آنگن میں
سرخ پُھول کی خوشبو
نقرئی کرن بن کر
کاسنی دنوں کی یاد
سبز کرتی جاتی ہے!

☆

تیری موہنی صُورت

ہاں مجھے نہیں پروا
اب کسی اندھیرے کی
آنے والی راتوں کے
سب اُداس رستوں پر
اک چاند ، روشن ہے
تیری موہنی صُورت!

☆

کائنات کے خالق!

کائنات کے خالق
دیکھ تو مرا چہرہ
آج میرے ہونٹوں پر
کیسی مسکراہٹ ہے
آج میری آنکھوں میں
کیسی جگمگاہٹ ہے
میری مسکراہٹ سے
تجھ کو یاد کیا آیا
میری بھیگی آنکھوں میں
تجھ کو کچھ نظر آیا
اس حسین لمحے کو
تُو تو جانتا ہوگا
اس سمے کی عظمت کو
تُو تو مانتا ہوگا
ہاں ___ ترا گماں سچ ہے
ہاں ___ کہ آج میں نے بھی
زندگی جنم دی ہے!

☆

اب بھلا چھوڑ کے گھر کیا کرتے
شام کے وقت سفر کیا کرتے

تیری مصروفیتیں جانتے ہیں
اپنے آنے کی خبر کیا کرتے

جب ستارے ہی نہیں مل پائے
لے کے ہم شمس و قمر کیا کرتے

وہ مسافر ہی کُھلی دھوپ کا تھا
سائے پھیلا کے شجر کیا کرتے

خاک ہی اوّل و آخر ٹھہری
کر کے ذرّے کو گہر کیا کرتے

رائے پہلے سے بنالی تُو نے
دل میں اب ہم ترے گھر کیا کرتے

عشق نے سارے سلیقے بخشے
حُسن سے کسبِ ہنر کیا کرتے

☆

ہم سفر چھوٹ گئے راہگزر کے ہمراہ
کوئی منظر نہ چلا دیدۂ تر کے ہمراہ

ایسا لگتا ہے کہ پیروں سے لپٹ آئی ہے
ایک زنجیر بھی اسبابِ سفر کے ہمراہ

اتنا مشکل تو نہ تھا میرا پلٹنا لیکن
یاد آجاتے ہیں رستے بھی تو گھر کے ہمراہ

کس سے تصدیق کروں شہر کی بربادی کی
اب تو قاصد بھی نہیں ہوتے خبر کے ہمراہ

ہم نے جنگل میں بھی پیچھے نہیں مڑ کر دیکھا
کیا عجب عزم بندھا رختِ سفر کے ہمراہ

☆

اِک نہ اِک روز تو رخصت کرتا
مجھ سے کتنی ہی محبت کرتا

سب رُتیں آ کے چلی جاتی ہیں
موسمِ غم بھی تو ہجرت کرتا

بھیڑیے مجھ کو کہاں پا سکتے
وہ اگر میری حفاظت کرتا

میرے لہجے میں غرور آیا تھا
اس کو حق تھا کہ شکایت کرتا

کچھ تو تھی میری خطا ' ورنہ وہ کیوں
اس طرح ترکِ رفاقت کرتا

اور اُس سے نہ رہی کوئی طلب
بس مرے پیار کی عزت کرتا

☆

کسے خبر تھی

(سرُ ودبادہ بنکوی کے لئے ایک نظم)

وہ زرد موسم کی آخری شب
ہجومِ ہم خوابگاں میں بیٹھا
بہار کے پہلے پھول کا ذکر کر رہا تھا
اور اپنے کل کے لئے سنہری شگون لینے کو
اس کے کھلنے کا منتظر تھا
کسے خبر تھی
کہ اب کے موسم
بہار کے پہلے پھول کو بھی

شگفت کے معجزے کی خاطر
اُسی کی مٹی کا آسرا تھا!

☆

مِسفِٹ

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں
مجھ میں لوگوں کو خوش رکھنے کا ملکہ
اتنا کم کیوں ہے
کچھ لفظوں سے، کچھ میرے لہجے سے خفا ہیں
پہلے میری ماں
میری مصروفیت سے
نالاں رہتی تھی
اب یہی گِلہ مجھ سے میرے بیٹے کو ہے!
(رزق کی اندھی دوڑ میں رشتے کتنے پیچھے رہ جاتے ہیں)
جب کہ صورتِ حال تو یہ ہے
میرا گھر
میرے عورت ہونے کی مجبوری کا
پورا لطف اٹھاتا ہے
ہر صبح
میرے شانوں پر
ذمہ داری کا بوجھا لیکن

پہلے سے بھاری ہوتا ہے
پھر بھی میری پشت پہ
نااہلی کا کوب
روز بروز نمایاں ہوتا جاتا ہے!

پھر میرا دفتر ہے
جہاں تقرر کی پہلی ہی شرط کے طور پہ
خودداری کا استعفےٰ داخل کرنا تھا
میں بنجر ذہنوں میں پھول اگانے کی کوشش کرتی ہوں
کبھی کبھی ہریالی دِکھ جاتی ہے
ورنہ
پتھر
بارش سے اکثر ناراض ہی رہتے ہیں
مرا قبیلہ
میرے حرف میں روشنی ڈھونڈ نکالتا ہے
لیکن مجھ کو
اچھی طرح معلوم ہے
ان میں
کسی کی نظریں لفظ پہ ہیں
اور کس کی لفظ کی خالق پر
سارے دائرے میرے پاؤں سے چھوٹے ہیں
لیکن وقت کا وحشی ناچ
کسی مقام نہیں رُکتا
رقص کی لَے ہر لمحہ تیز ہوئی جاتی ہے
یا تو میں کچھ اور ہوں

یا پھر
یہ میرا سیارہ نہیں ہے!

☆

اختیار کی ایک کوشش

اگر بن میں رہنا مقدر ہے
اور یہ اک طے شدہ امر بھی ہے
کہ ہر بن میں بس بھیڑیے منتظر ہیں مرے
تو یہ سوچتی ہوں
کہ اس صورتِ حال میں
کیوں نہ پھر
اپنی مرضی کے جنگل میں ہی جا بسوں!

☆

نئے سال کی پہلی نظم

اندیشوں کے دروازوں پر
کوئی نشان لگاتا ہے
اور راتوں رات تمام گھروں پر
وہی سیاہی پھر جاتی ہے

دُکھ کا شب خوں روز ادھورا رہ جاتا ہے
اور شناخت کا لمحہ بیتتا جاتا ہے

میں اور میرا شہرِ محبت
تاریکی کی چادر اوڑھے
روشنی کی آہٹ پر کان لگائے کب سے بیٹھے ہیں
گھوڑوں کی ٹاپوں کو سُنتے رہتے ہیں!
حدِ سماعت سے آگے جانے والی آوازوں کے ریشم
سے
اپنی ردائے سیاہ پہ تارے کاڑھتے رہتے ہیں
انگشتانے اِک اِک کر کے چھلنی ہونے کو آئے
اب باری انگشتِ شہادت کی آنے والی ہے
صبح سے پہلے وہ کٹنے سے بچ جائے ____ تو!

☆

وقت کے ساتھ عناصر بھی رہے سازش میں
جل گئے پیڑ کبھی دُھوپ کبھی بارش میں

وہ تو اِک سادہ و کم شوق کا طالب نکلا
ہم نے ناحق ہی گنوایا اُسے آرائش میں

زندگی کی کوئی محرومی نہیں یاد آئی
جب تلک ہم تھے ترے قرب کی آسائش میں

ایک دُنیا کا قصیدہ تھا اگرچہ مرے نام
لطف آتا تھا کسی شخص کی فہمائش میں

اس کی آنکھیں بھی مری طرح سے ،گروی کہیں اور
خواب کا قرض بڑھا جاتا ہے اِک خواہش میں
☆

الزام تھا دیے پہ نہ تقصیر رات کی
ہم نے تو بس ہوا کے تعلق سے بات کی

ہر صبح جب کہ صبحِ قیامت کی طرح آئے
ایسے میں کون ہوگا جو سوچے ثبات کی

تکلیف تو ہُوئی مگر اے ناخنِ ملال
کُھلنے لگی گرہ بھی کوئی اپنی ذات کی

زنجیر ہے' جزیرہ ہے یا شاخِ بے ثمر
اب کون سی لکیر سلامت ہے' ہات کی

مرنے اگر نہ پائی تو زندہ بھی کب رہی
تنہا کٹی وہ عمر جو تھی تیرے سات کی

پھر بھی نہ میرا قافلہ لٹنے سے بچ سکا

میں نے خبر تو رکھی تھی ایک ایک گھات کی

☆

اِک لمحہ تو پتھر بھی خوں رو جائے
جب خوابوں کا سونا مٹی ہوجائے

اِک ایسی بارش ہو میرے شہر پہ جو
سارے دل اورسارے دریچے دھوجائے

پہرہ دیتے رہتے ہیں جب تک خدشے
کیسے رات کے ساتھ کوئی پھر سوجائے

بارش اور نمو تو اس کے ہاتھ میں ہیں
مٹی میں پر بیج تو کوئی بو جائے

تین رُتوں تک ماں جس کا رستہ دیکھے
وہ بچہ چوتھے موسم میں کھو جائے

☆

وہ

اِک لمبے سفر کی دھوپ سر پہ
آنکھوں میں گلابی رتجگوں کی
ملبوس پہ گرد راستوں کی
شانوں پہ تھکن مسافتوں کی
آواز میں جھیل جیسا ٹھہراؤ
سینے میں چھپائے زخمِ خنداں
میلے میں خود اپنے سے بچھڑ کے
دامن مرا تھام کر کھڑا ہے
بچّے کی طرح ملول و مسرور!

☆

ساتھ

کتنی دیر تک
املتاس کے پیڑ کے نیچے
بیٹھ کے ہم نے باتیں کیں
کچھ یاد نہیں
بس اتنا اندازہ ہے
چاند ہماری پشت سے ہوکر
آنکھوں تک آ پہنچا تھا!

☆

اُس کی آواز

کتنی شفاف ہے یہ آواز
چشمے کی طرح سے، جس نے میرے
اندر کے تمام موسموں کو
آئینہ بنا کے رکھ دیا ہے

پتّھر ہو کہ پھول ہو کہ سبزہ
تاروں کی برات ہو کہ مہتاب

سورج کا جلال ہو کہ تن میں
خوابوں کی دھنک کھنچی ہوئی ہو
بارش ہو، شفق کِھلی ہوئی ہو
ہر رُت کا گواہ اُس کا لہجہ
تہہ تک جسے آنکھ چُھو کے آئے

کتنی شفاف ہے یہ آواز!

☆

سرشاری

ہاں، یہ وہ موسم تو وہ ہے
کہ جس میں نظر چُپ رہے
اور بدن بات کرتا رہے
اُس کے ہاتھوں کے شبنم پیالوں میں
چہرہ مرا
پھول کی طرح ہلکورے لیتا رہے
پنکھڑی پنکھڑی
اُس کے بوسوں کی بارش میں
پیہم نکھرتی رہے
زندگی اس جنوں خیز بارش کے شانوں پہ سر کو رکھے
رقص کرتی رہے!

☆

آتش بجاں

آگ باقی عناصر پہ کچھ ایسے حاوی ہے
کہ جیسے بدن میں
لہو کی جگہ
کوئی سیّال آتش رواں ہے
ایک تن دوسرے تن کی خواہش میں
صدیوں سے طے یافتہ کیمیا
بُھولتا جارہا ہے
ایک خواہش ہے جس کے تپاں چاک پر

گھومتا جا رہا ہے
ایک شعلہ
کہ مٹی، ہوا اور پانی کی حد چاٹتا جا رہا ہے
زندگی جیسے اب صرف اِک نام ہے
جس پہ دل
جُھومتا جا رہا ہے!

☆

بے بسی کی ایک نظم

کیا اُس پہ میرا بس ہے
وہ پیڑ گھنا
لیکن کسی اور کے آنگن کا
کیا پُھول مرے
کیا پھل میرے
سایہ تک چُھونے سے پہلے
دنیا کی ہر اُنگلی مجھ پر اُٹھ جائے گی
وہ چھت کسی اور کے گھر کی
بارش ہو کہ دُھوپ کا موسم
مرے اِک اِک دن کے دوپٹے
آنسو میں رنگے
آہوں میں سُکھائے جائیں گے
تہہ خانۂ غم کے اندر

سب جانتی ہوں
لیکن پھر بھی
وہ ہاتھ کسی کے ہاتھ میں جب بھی دیکھتی ہوں
اِک پیڑ کی شاخوں پر
بجلی سی لپکتی ہے
اِک چھوٹے سے گھر کی
چھت بیٹھنے لگتی ہے!

☆

اے رمز بھری رات

جس صبح کی آواز میں بارش کی کھنک ہو
اُس دن کا بدن دیکھیے سُر کیسے ہُوا ہو
جس شام کے ماتھے پہ کھِلے وصل کا تازہ
اُس رات کے اقرار کی کیا صورتیں ہوں گی
اے بھید بھرے دن مرے
اے رمز بھری رات
یہ ماہ زدہ ، مہر گزیدہ دل وحشی
پھر کون سے جادو کے اثر میں ہے گرفتار
برسات کے جلتے ہُوئے جنگل کے کنارے
کس قاف کے باشندے سے ٹھہری ہے ملاقات!

☆

بے فیض رفاقت میں ثمر کس کے لئے تھا
جب دھوپ تھی قسمت میں تو شجر کس کے لئے تھا

پردیس میں سونا تھا تو چھت کس لئے ڈالی
باہر ہی نکلنا تھا تو گھر کس کے لئے تھا

جس خاک سے پُھوٹا ہے اُسی خاک کی خوشبو
پہچان نہ پایا تو ہُنر کس کے لیے تھا

اے مادر گیتی ! تری حیرت بھی بجا ہے
تیرے ہی نہ کام آیا تو سر کس کے لئے تھا

یُوں شام کی دہشت سرِ دشتِ ارادہ
رُکنا تھا، تو پھر سارا سفر کس کے لئے تھا

☆

شاید اُس نے مجھ کو تنہا دیکھ لیا ہے
دُکھ نے میرے گھر کا رستا دیکھ لیا ہے

اپنے آپ سے آنکھ چُرائے پھرتی ہوں میں
آئینے میں کس کا چہرہ دیکھ لیا ہے

اب بھی سپنے بوئے تو ایمان ہے اُس کا
اُس نے ان آنکھوں میں صحرا دیکھ لیا ہے

اُس نے مجھے دراصل کبھی چاہا ہی نہیں تھا
خود کو دے کر یہ بھی دھوکا ، دیکھ لیا ہے

اُس سے ملتے وقت کا رونا کچھ فطری تھا
اُس سے بچھڑ جانے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے

رخصت کرنے کے آداب نبھانے ہی تھے
بند آنکھوں سے اُس کا جاتا دیکھ لیا ہے

☆

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم ہی یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا

زندگی سے کسی سمجھوتے کے باوصف اب تک
یاد آتا ہے کوئی مارنے مرنے والا

اُس کو بھی ہم ترے کوچے میں گزار آئے ہیں
زندگی میں وہ جو لمحہ تھا سنورنے والا

اُس کا انداز سخن سب سے جدا تھا شاید

بات لگتی ہُوئی ، لہجہ وہ مُکرنے والا

شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اِک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا

دسترس میں ہیں عناصر کے ارادے کس کے
سو بکھر کے ہی رہا کوئی بکھرنے والا

اسی اُمید پہ ہر شام بجھائے ہیں چراغ
ایک تارا ہے سرِ بام اُبھرنے والا

☆

موتی

ہار پروئے ہُوئے
دن گزرے ہیں روئے ہُوئے

نیند مسافر کو ہی نہیں
رستے بھی سوئے ہُوئے

جشنِ بہار میں آپہنچے
زخم کا چہرہ دھوئے ہُوئے

کبھی نہ کشتِ جاں اُجڑی
خواب تھے ایسے بوئے ہُوئے

اس کو پاکر رہتے ہیں
اپنے آپ سے کھوئے ہوئے

آج بھی یونہی رکھے رہے
سارے ہار پروئے ہوئے

کتنی برساتیں گزریں
اُس سے مل کر روئے ہوئے

☆

ایک وکٹورین شخص سے

بجائے اس کے
کہ تم مجھے سینت سینت کر
اپنے دل میں رکھو
الزبتھ دوم کے زمانے میں
عہدِ وکٹوریا کے آداب سیکھنے میں
اسی طرح زندگی گنوادو،
اور ایک فقرے کی گفتگو کے لئے
یہاں سے وہاں تلک کا ادب کھنگالو
بہار کے پہلے دن کا ہر سال،
میری کھڑکی کے نیچے تنہا کھڑے ہوئے
انتظار کھینچو

بس ایک دن

دفعتاً
کہیں سے نکل کے آ جاؤ
اور مجھے
بازوؤں میں اپنے سمیٹ کر
ایڑیوں پہ تم اپنی گھوم جاؤ!

☆

میں تیتری رہنے میں خوش ہوں

عمر کی نصف شب ______،
کلبۂ جاں کے گونگے کواڑوں پہ یہ
کوئی دستک ہُوئی
یا کہ میں نیند میں ڈر گئی
اور مجھے
سوچتی ہوں
یہ کیسی محبت ہُوئی
جس کی بنیاد میں خوف کے اتنے پتھر رکھے ہیں
کہ لگنے سے پہلے
عمارت کے سارے دریچوں کے شیشے لرزنے لگے ہیں
ایسا لگتا ہے، یہ خوف
باہر سے بڑھ کے کہیں میرے باطن میں ہے
اُس کی ذہنی وجاہت کی دہشت
اُس کی خوش روئی کی سانس کو روکنے والی ہیبت
پیچھا کرتی ہُوئی آنکھ سے میری بے پردہ وحشت

تو باطن کے ڈر کا لبادہ ہیں
دراصل میں
اُس کو تسلیم کر کے
عمر بھر کی کمائی
اس آزادیٔ ذہن و جاں کی
گنوانا نہیں چاہتی
اور مجھے یہ خبر ہے
کہ میں اِک دفعہ
ہاتھ اُس کے اگر لگ گئی تو
وہ مکھی بنا کے مجھے
اپنی دیوارِ خواہش سے تا عمر اس طرح چپکائے رکھے
رہے گا
کہ میں
روشنی اور ہوا اور خوشبو کا
ہر ذائقہ اسطرح بھول جاؤں گی
جیسے کبھی ان سے واقف نہ تھی
سو میں تیتری رہنے میں ہی بہت خوش ہوں
گرچہ یہاں
رزق اور جال کی سازشیں بے پنہ ہیں
مگر
میرے پَر تو سلامت رہیں گے

☆

چین ری ایکشن

مجھے تم اچھے لگتے ہو
تمہاری گفتگو میں
بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کو سمجھنے والے ذہن کی
چمک ہے
اور تمہارے لمس میں
وہ گرم تازگی
جو بدن کے سارے موسموں کو سبز رکھتی ہے
تمہارے بازوؤں پہ سر رکھے
chain reaction
میں ذہن اور جسم کا وصال دیکھتی ہوں
(فی زمانہ کس قدر عجیب واقعہ ہے یہ!)
مگر تمہارے اور میرے درمیاں
زمانوں اور عمروں
اور اپنے اپنے طبقے کے مفاد کا جو بُعد ہے
اُسے پھلانگنا ہے
نہ میرے بس میں ہے
نہ تم میں اس کا حوصلہ!
مفاہمت کی گول میز پر
کبھی شمال اور جنوب کے مذاکرات کی طرح
ہماری سب دلیلیں
ایک دوسرے پہ شک کریں گی
اور کبھی جنوب اور جنوب کی غلام بحثِ خام کی طرح سے
ایک دوسرے کے خبثِ باطنی کا نیل پرنٹ

ڈھونڈتے رہیں گے ہم!
سو عافیت اسی میں ہے
کہ ہم اندھیرے میں رہیں
اور اپنے اپنے نیوٹرونز سے
تعلقات ٹھیک رکھیں
تمہارے اور میرے آنسوٹوپس
تابکار نفرتوں کی زد میں ایک بار آ گئے
تو پھر محبتوں کا اختیار سمجھو!

☆

مجبوری کی ایک رات

ہاں اب تم بھی
اپنے سارے وعدوں
اور ٹھنڈک پہنچانے والی باتوں کے ہمراہ
مجھے پیاسا ہی رکھو گے
یہ جذبے میں بھیگی ہوئی آواز
مرے ماتھے کو جتنی بار چھوئے گی
اس کی تپش بڑھ جائے گی
آہستہ آہستہ
میرے تن پر ہونے اور پھسلنے والی
یہ بارش
یہ آگ
جس کی ٹھنڈک
جس کی حدت

اب بھی تمہاری پوروں میں ہے
میرے شانوں پر سر رکھے
تم جو یُوں آنکھیں موندے کچھ سوچتے ہو
اس لمحے اس چہرے پر
کیسی سیرابی، کیا آسودگی تیر رہی ہے

میں نادم ہوں
یہ کیفیت
تمہیں مرے لہجے اور میرے چہرے میں
کبھی نظر نہیں آئی
جان!
تمہیں شاید نہ خبر ہو
بعض محبتیں
اپنے بلڈ گروپ میں
"اونفی" ہوتی ہیں!

☆

الوداعیہ

وہ جاچکا ہے
مگر جُدائی سے قبل کا
ایک نرم لمحہ
ٹھہر گیا ہے
مری ہتھیلی کی پشت پر

زندگی میں
پہلی کا چاند بن کر!

☆

دشت و دریا سے گزرنا ہو کہ گھر میں رہنا
اب تو ہر حال میں ہے ہم کو سفر میں رہنا

دل کو ہر پل کسی جادو کے اثر میں رہنا
خود سے نکلے تو کسی اور کے ڈر میں رہنا

شہرِ غم ! دیکھ، تری آب و ہوا خشک نہ ہو
راس آتا ہے اُسے دیدۂ تر میں رہنا

فیصلے سارے اُسی کے ہیں ہماری بابت
اختیار اپنا بس اتنا کہ خبر میں رہنا

کوئی خاطر نہ مدارات نہ تقریبِ وصال
ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

رات بھر چاند میں دیکھا کروں صورت اُسکی
صبح کو اور ہی سودا مرے سر میں رہنا

میں تو ہر چہرے میں اب تک وہی چہرہ دیکھوں

اُس کو ہر روز تماشائے دگر میں رہنا

وہی تنہائی ، وہی دُھوپ ' وہی بے سمتی
گھر میں رہنا بھی ہُوا ، راہگزر میں رہنا

ٹوٹنا یُوں تو مقدر ہے ' مگر کچھ لمحے
پھول کی طرح میّسر ہو شجر میں رہنا

ہر ملاقات کے بعد اجنبیت اور بڑھی
اُس کو آئینے ہمیں زعمِ ہنر میں رہنا

گھاس کی طرح جہاں بُھوک اُگا کرتی ہو
اِتنا آسان نہیں شاخِ ثمر میں رہنا

چاند کی آخری راتوں میں بہت لازم ہے
ایک مٹی کا دیا راہگزر میں رہنا

طائرِ جاں کے گزرنے سے بڑا سانحہ ہے
شوقِ پرواز کا ٹوٹے ہُوئے پَر میں رہنا

کوئی سیفوؔ ہو کہ میرؔ ہو کہ پرویںؔ ' اُسے
راس آتا ہی نہیں چاند نگر میں رہنا

☆

دو گھڑی میسر ہو اس کا ہم سفر رہنا
پھر ہمیں گوارا ہے اپنا دربدر ہونا

اِک عذابِ پیہم ہے ایسے دورِ وحشت میں
زندگی کے چہرے پر اپنا چشمِ تر ہونا

اب تو اُس کے چہرے میں بے پناہ چہرے ہیں
کیا عجیب نعمت تھی ورنہ بے خبر ہونا

ہر نگاہ کا پتھر اور میرے بام و در
شہرِ بے فصیلاں میں' کیا ستم ہے' گھر ہونا

سوچ کے پرندوں کو اِک پناہ دینا ہے
دھوپ کی حکومت میں ذہن کا شجر ہونا

اُس کے وصل کی ساعت ہم پہ آئی تو جانا
کس گھڑی کو کہتے ہیں خواب میں بسر ہونا

☆

میں ہجر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی
پر کیا ہُوا کہ صبح تلک جان بھی نہ تھی

آئے میں گھر مرے' تجھے جتنی جھجک رہی
اس درجہ تو میں بے سرو سامان بھی نہ تھی

اِتنا سمجھ چکی تھی میں اس کے مزاج کو
وہ جارہا تھا اور میں حیران بھی نہ تھی

آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی
پر تجھ سے قبل اتنی پریشان بھی نہ تھی

جس جاکمین بننے کے دیکھے تھے میں نے خواب
اُس گھر میں ایک شام کی مہمان بھی نہ تھی

دُنیا کو دیکھتی رہی جس کی نظر سے میں
اُس آنکھ میں مرے لئے پہچان بھی نہ تھی

روتی رہی اگر تو مجبور تھی بہت
وہ رات کاٹنی کوئی آسان بھی نہ تھی

نقدِ وفا کو چشمِ خریدار کیا ملے
اس جنس کے لئے کوئی دوکان بھی نہ تھی

☆

آواز کے ہمراہ سراپا بھی تو دیکھوں
اے جانِ سخن ! میں ترا چہرا بھی تو دیکھوں

دستک تو کچھ ایسی ہے کہ دل چھونے لگی ہے
اس حبس میں بارش کا یہ جھونکا بھی تو دیکھوں

صحرا کی طرح رہتے ہُوئے تھک گئیں آنکھیں
دُکھ کہتا ہے، اب میں کوئی دریا بھی تو دیکھوں

یہ کیا کہ وہ جب چاہے مجھے چھین لے مجھ سے
اپنے لئے وہ شخص تڑپتا بھی تو دیکھوں

اب تک تو مرے شعر حوالہ رہے تیرا
میں اب تری رسوائی کا چرچا بھی تو دیکھوں

اب تک جو سراب آئے تھے، انجانے میں آئے
پہچانے ہُوئے رستوں کا دھوکا بھی تو دیکھوں

☆

اِک شخص کو سوچتی رہی میں
پھر آئینہ دیکھنے لگی میں

اُس کی طرح اپنا نام لے کر
خود کو بھی لگی نئی نئی میں

تُو میرے بِنا نہ رہ سکا تو
کب تیرے بغیر جی سکی میں

آتی رہے اب کہیں سے آواز
اب تو ترے پاس آگئی میں

دامن تھا ترا کہ میرا ماتھا
جو داغ بھی تھے مٹا چکی میں

☆

دائرہ

کسی نے زندگی اور موت کی سرحد کا نقشہ
وقت کے ہاتھوں سے چھینا ہے
کہاں آبادیاں معدوم ہوتی ہیں
کہاں ویرانیاں یک لخت اُگ آتی ہیں
کِس کے علم میں ہوگا
وبا کے خوف سے جب شہرِ مینورنگ کے باشندگانِ اوّلیں

اور آخری گھر کے مکیں تک
بھاگ جائیں
تو بے آواز، بے مہکار اور بے لمس گھر
کچھ مر نہیں جاتے
کہیں سے کوئی مکڑی جھانکتی ہے
پھر در و دیوار اپنی ریشمیں تنہائی سے
آباد کرتی ہے
کہیں سے کوئی جھینگر، کوئی مکھی آن پھنستی ہے
بالآخر عنکبوتی کارِ ہستی چل نکلتا ہے
اداسی میں سیاہی رچنے لگتی ہے
تو قرب و دُور سے
چمگادڑیں آتی ہیں
اور گرتی چھتوں کو تھام لیتی ہیں
کبوتر منہ میں دابے کوئی بلی
اور اُس کو سونگھتا کتا
کوئی سہما ہوا خرگوش
اور خرگوش کے پیچھے لپکتا بھیڑیا
اور بھیڑیے کی پُشت پر ایک شیر
اور پھر شیر کے پیچھے کوئی پیاسا شکاری
رائفل کی نال اور کھڑکی کے جالے صاف کرتے کرتے
آنے والی آخری راتوں کی خاطر
موم بتی چھوڑ جاتا ہے

یہ مدھم روشنی
اگلے مسافر کے سفر تک

اور پھر
اگلے مسافر کے ٹھہر جانے، چلے جانے تک
آباد رہتی ہے
یہاں تک کہ
کہیں سے کوئی مکڑی جھانکتی ہے.......

....

☆

دی مِسنگ لِنک

عجب ہے ارتقا کے باب کا یہ ذہن افگن مسئلہ
سارے عناصر
اپنی پہلے سے تعین کردہ ہیئت میں
کہیں سے جمع ہوتے ہیں
پھر اُس کے بعد، بے حد خاموشی سے
واپسی کے طے شدہ رستوں پہ اِک دن چل نکلتے ہیں
ازل سے زندگی کا دائرہ
یونہی سفر میں ہے
عناصر کا تناسب اپنے منظر کے تناظر میں بدلتا ہے
تلاشِ رزق میں گردان فصیلِ جسم سے باہر نکل جائے
کبھی سارا ہنر پنجوں میں در آئے
کبھی تلوے ہی جھڑ جائیں
کچھاریں اور بھٹ اور غار اور اسکائی سکریپر
زمیں پر پھیلتے جائیں

کبھی آہستہ آہستہ
کبھی یک لخت
اور گاہے بہ گاہے
دونوں صورت میں
(ابھی دانشوروں میں یہ سخن کچھ اختلافی ہے)
مگر شجرہ ہمیں مطلوب ہے
جس ذی حشم، ذی شاں قبیلے کا
وہاں آ کر نسب نامہ
گھنے بالوں، مناسب شکل و صورت، قد و قامت تک
پہنچ کر گنگ ہو جاتا ہے
اُس کے بعد پھر بس ایک منزل
ایک لمحہ
ایک صدی
آنکھوں سے اوجھل ہے

حقیقت یہ ہے لیکن
اگر تھوڑی سی سچائی نظر میں گھول کر
اِک دن ذرا سا اپنے گرد و پیش کو
ہم دیکھ ڈالیں
تو یہ گم گشتہ حلقہ ایسے روشن ہو
کہ سب کھوئی ہوئی کڑیاں
ہمارے ہاتھ آ جائیں!
اگر تھوڑی سی جرأت
اور تنہائی میں آئینہ اُٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ بھی ہو
تو شاید

اتنی زحمت بھی نہیں کرنی پڑے ہم کو!

☆

......پھولوں کا کیا ہوگا؟

سُنا ہے
تتلیوں پر پھر کوئی حد جاری ہوتی ہے
اگر گُل قند ہی شہد کی سب مکھیوں کے گھر پہنچ جائے
تو اُن کو گُل بہ گُل آوارہ گردی کی ہے حاجت کیا
ہوا کی چال بھی کچھ نامناسب ہوتی جاتی ہے
سو تتلی اور مکھی اور ہوا
نامحرموں سے دُور رکھی جا رہی ہیں
مگر یہ بھی کوئی سوچے
کہ پھر پھولوں کا کیا ہوگا
چمن میں ایسے کتنے پھول ہوں گے
کہ جو خود وصل اور خود بار آور ہوں!

☆

سفر کی خواہش کسے نہیں ہے

سفر کی خواہش کسے نہیں ہے
کوئی پرندوں کی طرح اُڑنے کا آرزومند ہے
کوئی ڈاک کے لفافے کی طرح محتاطؔ پا بہ منزل
کسی کی پرواز تاافق
اور کسی کی مکتوب الیہ تک ہے
یہ اپنے اپنے ارادے اور توشۂ سفر پر بھی منحصر ہے!

پرندوں اور جگنوؤں کے اور تتلیوں کے ہمراہ
بھاگنا
بھاگتے رہنا
عجیب رومان تو ہے لیکن
سفر کی لذت تو ہے لیکن
سفر کی لذت کو اپنی پوروں میں
شہد بن کر اُترتے دیکھ پائیں گے ہم
کہ جب کہیں پر قیام بھی ہو
اور اس خبر کے لئے
ہوا کی مزاحمت کا
بدن کا ممنون ہونا ہوگا!

☆

ہمارا المیہ یہ ہے

ہمارا المیہ یہ ہے
کہ ہم انکار کے رُومان میں
کچھ اس طرح سے مبتلا ہیں

کہ ہر موجود کو
اب صرف ناموجود کہنے میں ہی خوش ہوں گے
بزعم خود
کبھی سقراط بن کر
اور کبھی منصور کے الفاظ
بصری کھیل کی صورت میں
سادہ لوح انسانوں کے آگے
پیش کرتے ہیں
کوئی بھی خود کو ہرگز
والتیئر اور یار روسو سے تو کم گنتا نہیں ہے!

معافی مانگ کر
ہر شب امیر شہر سے
ہر صبح
گرفتاری کے حیلے ڈھونڈنا بھی
اپنا خاصا ہے
کبھی سرمایہ داروں
پہلی یا پھر دوسری دنیا کے رجعت گر
سفارت خانوں اور مکروہ بیوروکریٹس کے گھر میں
شرابیں پی کر
خود کر تیسری دنیا کا تیکھا انقلابی نشر کرتے ہیں

مثالِ سگ گزیدہ
اب کبھی آبِ رواں کا دیکھنا ممکن نہیں اپنا
کوئی ہم کو دکھائے بھی تو کیسے

پُلوں سے کتنا پانی بہہ چکا ہے!

☆

عشق میں بھی مرنا اتنا آسان نہیں
ذات کو رَد کرنا اتنا آسان نہیں

مجھ میں ایسی ہی خامی دیکھی اس نے
ترکِ وفا ورنہ اتنا آسان نہیں

ایک دفعہ تو پاسِ مسیحا کرجائے
زخم کا پھر بھرنا اتنا آسان نہیں

جانے کب شہرت کا زینہ ڈھ جائے
پاؤں یہاں دھرنا اتنا آسان نہیں

مرنے کی دہشت تو سب نے دیکھی ہے
جینے سے ڈرنا اتنا آسان نہیں

☆

جو دھوپ میں رہا نہ روانہ سفر پہ تھا
اُس کے لیے عذاب کوئی اور گھر پہ تھا

چکّر لگا رہے تھے پرندے شجر کے گرد
بچّے تھے آشیانوں میں ' طوفان سر پہ تھا

جس گھر کے بیٹھ جانے کا دُکھ ہے بہت ہمیں
تاریخ کہہ رہی ہے کہ وہ بھی کھنڈر پہ تھا

ہم یاد تو نہ آئیں گے لیکن بچھڑتے وقت
تارہ سا اک خیال تری چشمِ تر پہ تھا

سب زخم کِھل اُٹھے تو سبک رنگ ہوں بہت
باقی یہ قرضِ ناخنِ دستِ ہنر پہ تھا

یہ کیا کیا کہ گھر کی محبت میں پڑ گئے
آوارگانِ شب کا تو ہونا سفر پہ تھا

☆

دشمن کو ہارنے سے بچانا عجیب تھا
ترکِ مدافعت کا بہانا عجیب تھا

اک دوسرے کو جان نہ پائے تمام عمر
ہم ہی عجیب تھے کہ زمانہ عجیب تھا

زندہ بچا نہ قتل ہُوا طائرِ اُمید
اُس تیرِ نیم کش کا نشانہ عجیب تھا

سُنتے رہے اخیر تلک مہر و ماہ و نجم
اس خاکداں کا سارا فسانہ عجیب تھا

جس راہ سے کبھی نہیں ممکن تیرا گزر
تیرے طلب گروں کا ٹھکانہ عجیب تھا

اب کے تو یہ ہُوا ہے کہ میرے بُلانے سے
اس زود رنج شخص کا آنا عجیب تھا

کھونا تو خیر تھا ہی کسی دن اُسے مگر
ایسے ہَوا مزاج کا پانا عجیب تھا

سب داغ بارشوں کی ہَوا میں بُجھے رہے
بس دل کا ایک زخم پرانا عجیب تھا

☆

یہ کیسا اذنِ تکلّم ہے جس کی تاب نہ ہو
سوال کرنے دیا جائے اور جواب نہ ہو

اگر خلوص کی دولت کے گوشوارے بنیں
تو شہر بھر میں کوئی صاحبِ نصاب نہ ہو

ہرا ہے زخمِ تمنّا تو اشک کیسے تھمیں
بہار میلے میں کیوں شرکتِ گلاب نہ ہو

ہمیں تو چشمۂ حیواں بھی کوئی دکھلائے
تو تجربہ یہ کہے گا، کہیں سراب نہ ہو

ہماری بے جہتی کا کوئی جواز نہیں
یہ دُکھ تو اُن کا ہے جن کی کوئی کتاب نہ ہو

زمین اپنی محبت میں بے غرض تو نہیں
یہ اور بات کہ ہر ہاتھ کا حساب نہ ہو

ایک ایسی تتلی کہ بچّے کے لمس سے محروم
وہ نیند جس کے تعاقب میں کوئی خواب نہ ہو

ہے مسئلہ مرے سورج مکھی قبیلے کا
کہ صبح نکلے مگر ساتھ آفتاب نہ ہو

چراغ طاقِ تمنا میں رکھ کے بُھول گئی
دُعا وہ مانگ رہی تھی جو مستجاب نہ ہو

کبھی نہ تنگ ہو اُس پر زمین کا دامن
امیرِ شہر اگر آسماں جناب نہ ہو

ہمارے قحط بھی اور بارشیں بھی پوری ہُوئیں
ہمارے نام کا اب تو کوئی عذاب نہ ہو

سکوتِ خلق سمندر کی نیند ہوتا ہے
سکوں نہ جان بظاہر جو اضطراب نہ ہو

یہ چشمِ نم ہے اسے خشک دیکھ بھال کے کر
ہری بھری کوئی بستی ہی زیرِ آب نہ ہو

بس ایک نام کا تارا سدا چمکتا رہے
گلہ نہیں جو مقدر میں ماہتاب نہ ہو

☆

چراغ مانگتے رہنے کا کچھ سبب بھی نہیں
اندھیرا کیسے بتائیں کہ اب تو شب بھی نہیں

میں اپنے زعم میں اِک بازیافت پر خوش ہوں

یہ واقعہ ہے کہ مجھ کو ملا وہ اب بھی نہیں

جو میرے شعر میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
مَیں اُس کی بزم میں اِک حرفِ زیرلب بھی نہیں

اور اب تو زندگی کرنے کے سو طریقے ہیں
ہم اس کے ہجر میں تنہا رہے تھے جب بھی نہیں

کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اُس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں

یہ دستکیں ، یہ مری زندگی کی آدھی رات
ہوا کا شور سمجھ لوں تو کچھ عجب بھی نہیں

یہ دُکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

حسابِ در بدری تجھ سے مانگ سکتا ہے
غریبِ شہر مگر اتنا بے ادب بھی نہیں

ہمیں بہت ہے ، یہ ساداتِ عشق کی نسبت
کہ یہ قبیلہ کوئی ایسا کم نسب بھی نہیں

☆

نوشتہ

....تب زید نے بکر کو گالی دیتے ہوئے کہا:
کہ اس (بکر) کی ماں اس کے باپ سے زیادہ مشہور تھی

مرے بچے!
ترے حصے میں بھی یہ تیر آئے گا
تجھے بھی اس پدر بنیاد دُنیا میں، بالآخر
اپنے یوں مادر نشاں ہونے کی، اِک دن
بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی
اگرچہ
تیری ان آنکھوں کی رنگت
تیرے ماتھے کی بناوٹ
اور ترے ہونٹوں کے سارے زاویے
اُس شخص کے ہیں
جو تری تخلیق میں ساجھی ہے میرا
فقیہِ شہر کے نزدیک جو پہچان ہے تیری
مگر جس کے لہو نے تین موسم تک تجھے سینچا ہے
اُس تنہا شجر کا
ایک اپنا بھی تو موسم ہے
لہو سے فصل تارے چھاننے کی
سوچ سے خوشبو بنانے کی رُتیں
اور شعر کہنے کا عمل
جن کی عملداری ترے اجداد کے قلعوں سے باہر جا چکی ہے

اور جسے واپس بلا سکنا
نہ سیفوؔ کے لیے ممکن رہا تھا
نہ میرؔ کے ہی بس میں تھا!

سو اب ہمجولیوں میں
گاہے گاہے تیری خجلت
واقفوں کے آگے تیرے باپ کی مجبور خفت
اس گھرانے کا مقدر ہو چکی ہے
کوئی تختی لگی ہو صدر دروازے پہ لیکن
حوالہ ایک ہی ہوگا
ترے ہونے نہ ہونے کا!

☆

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰن

دلآزاری بھی اک فن ہے
اور کچھ لوگ تو
ساری زندگی اسی کی روٹی کھاتے ہیں
چاہے اُن کا بُرج کوئی ہو
تیسرے درجے کے پیلے اخباروں پر یہ
اپنی یرقانی سوچوں سے
اور بھی زردی مَلتے رہتے ہیں
مالا باری کیبن ہوں یا پانچ ستارہ ہوٹل

کہیں بھی قے کرنے سے باز نہیں آتے
اوپر سے اس عمل کو
فقرے بازی کہتے ہیں
جس کا پہلا نشانہ عموماً
بل کو ادا کرنے والا ساتھی ہوتا ہے!

اپنے اپنے کنویں کو بحرِ اعظم کہنے اور سمجھنے والے
یہ ننھے مینڈک
ہر ہاتھی کو دیکھ کے پھُو لنے لگتے ہیں
اور جب پھٹنے والے ہوں تو
ہاتھی کی آنکھوں پر پھبتی کسنے لگتے ہیں

کوے بھی انڈے کھانے کے شوق کو اپنے
فاختہ کے گھر جا کر پُورا کرتے ہیں
لیکن یہ وہ سانپ ہیں جو کہ
اپنے بچّے
خود ہی چٹ کر جاتے ہیں

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ
سانپوں کی یہ خصلت
مالکِ جن و انس کی ' انسانوں کے حق میں
کیسی بے پایاں رحمت ہے!

☆

فروغ فرّخ زاد کے لئے ایک نظم

مصاحبِ شاہ سے کہو کہ
فقیہہِ اعظم بھی آج تصدیق کر گئے ہیں
کہ فصل پھر سے گناگاروں کی پک گئی ہے
حضور کی جنبشِ نظر کے
تمام جلاّد منتظر ہیں
کہ کون سی حد جناب جاری کریں
تو تعمیلِ بندگی ہو ــــــــ '
کہاں پہ سر اور کہاں پہ دستار اُتارنا احسن العمل ہے
کہاں پہ ہاتھوں' کہاں زبانوں کو قطع کیجئے
کہاں پہ دروازہ رزق کا بند کرنا ہوگا
کہاں پہ آسائشوں کی' بھوکوں کو مار دیجئے
کہاں بجے گی لعان کی چھوٹ
اور کہاں پر
رجم کے احکام جاری ہوں گے
کہاں پہ نو سالہ بچیاں' چہل سالہ مردوں کیساتھ' سنگین میں پرونے کا حکم ہوگا
کہاں پہ اقبالی ملزموں کو
کسی طرح شک کا فائدہ ہو
کہاں پہ معصوم دار پر کھینچنا پڑے گا
حضور احکام جو بھی جاری کریں
فقط التجا یہ ہو گی
کہ اپنے ارشادِ عالیہ کو
زبانی رکھیں
وگرنہ

قانونی اُلجھنیں ہیں!

☆

پاسبانی پہ اندھیرے کو تو گھر پر رکھا
اور چراغوں کو تری راہگزر پر رکھا

رہ گیا ہاتھ سدا تیغ و سپر پر رکھا
ہم نے ہر رات کا انجام سحر پر رکھا

ہاتھ اُٹھائے رہے ہر لمحہ دعا کی خاطر
اور الفاظ کو تنسیخِ اثر پر رکھا

بے وفائی مری فطرت کے عناصر میں ہوئی
تیری بے مہری کو اسبابِ دگر پر رکھا

اتنا آسان نہ تھا ورنہ اکیلے چلنا
تجھ سے ملتے رہے اور دھیان سفر پر رکھا

اُس کی خوشبو کا ہی فیضان ہیں اشعار اپنے
نام جس کا ہم نے گلِ تر پر رکھا

پانی دیکھا ، نہ زمیں دیکھی ، نہ موسم دیکھا
بے ثمر ہونے کا الزام شجر پر رکھا

☆

(منیر نیازی کی زمین میں)

میں فقط چلتی رہی، منزل کو سر اُس نے کیا
ساتھ میرے، روشنی بن کر سفر اُس نے کیا

اِس طرح کھینچی ہے میرے گرد دیوارِ خبر
سارے دشمن روزنوں کو بے نظر اُس نے کیا

مجھ میں بستے سارے سناٹوں کی لَے اس سے بنی
پتھروں کے درمیاں تھی، نغمہ گر اُس نے کیا

بے سروساماں پہ دلداری کی چادر ڈال دی
بے در و دیوار تھی میں، مجھ کو گھر اُس نے کیا

پانیوں میں یہ بھی پانی ایک دن تحلیل تھا
قطرۂ بے صرفہ کو لیکن گہر اُس نے کیا

ایک معمولی سی اچھائی تراشی ہے بہت
اور فکرِ خام سے صرفِ نظر اُس نے کیا

پھر تو امکانات پھولوں کی طرح کھلتے گئے
ایک ننھے سے شگوفے کو شجر اُس نے کیا

طاق میں رکھے دیے کو پیار سے روشن کیا

اِس دیے کو پھر چراغِ رہگزر اُس نے کیا

☆

پھیلا دیے خود ہاتھ طلب گار کے آگے
دیکھا نہیں کچھ ہم نے خریدار کے آگے

پھر شام ہوئی اور بڑھا ناخنِ اُمید
پھر صبح ہے اور ہم اُسی دیوار کے آگے

شہزادے ! مری نیند کو تو کاٹ چکا ہے
ٹھہرا نہ یہ جنگل تری تلوار کے آگے

کیا جاں کے خسارے کی تمنا ہو کہ اب عشق
بڑھتا ہی نہیں درہم و دینار کے آگے

وہ ایڑ لگی زخشِ زمانہ کو کہ اب تو
اسوار سراسیمہ ہے رہوار کے آگے

پھر روزۂ مریم جو فقیہوں میں ہے مقبول
عاجز تھے بہت وہ مری گفتار کے آگے

انکار کی لذت میں جو سرشار رہے ہیں
کب ٹوٹ سکے ہیں رسن و دار کے آگے

یا قوس رکھے یا وہ ہمیں دائرہ کر دے
نقطے کی طرح ہیں کسی پرکار کے آگے

جاں اپنی ہے اور آبرو نسلوں کی کمائی
سر کون بچاتا پھرے دستار کے آگے

گھمسان کا رن جیت کے لب بستہ کھڑی ہوں
میں پُشت سے آئے ہُوئے اک وار کے آگے

☆

عجب مکاں ہے کہ جس میں مکیں نہیں آتا
حُدودِ شہر میں کیا دل کہیں نہیں آتا

میں جس کے عشق میں گھر بار چھوڑ بیٹھی تھی
یہی وہ شخص ہے مجھ کو یقیں نہیں آتا

مزہ ہی شعر سنانے کا کچھ نہیں جب تک
قصیدہ گویوں میں وہ نکتہ چیں نہیں آتا

فشار جاں کے بہت ہیں اگر نظر آئیں
ہر ایک زلزلہ زیرِ زمیں نہیں آتا

بھرم ہے مہر و مہ و نجم کا بھی بس جب تک

مقابل اِن کے وہ روشن جبیں نہیں آتا

☆

یوں چاہے خزاں کھڑی ہو دِل میں
اِک آس کی پنکھڑی ہو دِل میں

کیا ناخنِ مہرومہ سے کٹتی
جس شب کی گرہ پڑی ہو دل میں

وہ سامنے ہو تو معرکہ اور
جنگ اُس سے الگ لڑی ہو دِل میں

اُس نام پہ مُسکرائے جانا
اشکوں کی مگر جھڑی ہو دل میں

مصلوب نہیں مگر یہ احساس
اک میخ ابھی گڑی ہو دِل میں

☆

ایک مشورہ

درونِ گفتگو
بامعنی وقفے آنے لگ جائیں
تو باقی گفتگو
بے معنی ہو جاتی ہے
سوائے خوش سخن میرے!
ہمیں اب خامشی پر دھیان دینا چاہیے اپنی!

☆

مجھے مت بتانا

مجھ مت بتانا
کہ تم نے مجھے چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا
تو کیوں
اور کس وجہ سے
ابھی تو تمہارے بچھڑنے کا دُکھ بھی نہیں کم ہُوا
ابھی تو میں
باتوں کے وعدوں کے شہرِ طلسمات میں
آنکھ پر خوش گمانی کی پٹی لیے
تم کو پیڑوں کے پیچھے، درختوں کے جُھنڈ
اور دیوار کی پُشت پر ڈھونڈنے میں مگن ہوں
کہیں پر تمہاری صدا اور کہیں پر تمہاری مہک
مجھ پہ ہنسنے میں مصروف ہے
ابھی تک تمہاری ہنسی سے نبرد آزما ہوں

اور اس جنگ میں
میرا ہتھیار
اپنی وفا پر بھروسہ ہے اور کچھ نہیں
اِسے کند کرنے کی کوشش نہ کرنا
مجھے مت بتانا...........

☆

چہ کنم

بے بسی کے رستے پر
کیا عجب دوراہا ہے
ایک سمت بے سمتی
بے چراغ تاریکی
بے لباس ویرانی
بے لحاظ رسوائی
بے سواد قربانی
ہشت پا یہ تنہائی
اژدہی پذیرائی
گرگ زاد غم خواری
بے کنار روباہی
اور دوسری جانب
قلعہ بند چاہت میں
دل کی آبروریزی!

☆

بے یقینی کی ایک نظم

نہ کوئی عہد، نہ پیمان
نہ وعدہ ایسا
نہ ترا حسن ہی ایسا کوئی انگشت تراش
نہ مرے ہاتھ میں تاثیر زلیخائی ہے
رقص گر ہے یہ جہاں اور نہ میں سنڈریلا ہوں
نہ تو شہزادہ ہے
ہم تو بس رزم گہِ ہستی میں
دو مبارز دل ہیں
اس تعلق کا کوئی رنگ اگر ہے تو حریفانہ ہے
ایک ہی تھال سے چننی ہے ہمیں نانِ جویں
ایک ہی سانپ کے منہ سے ہمیں من چھیننا ہے
اور اس کشمکش رزق میں موہوم کشائش کی کلید
جس قدر میری قناعت میں ہے
اتنی تیری فیاضی میں
میں تری چھاؤں میں پروان چڑھوں
اپنی آنکھوں پہ ترے ہاتھ کا سایہ کر کے
ترے ہمراہ میں سورج کی تمازت دیکھوں
اس سے آگے نہیں سوچا دل نے
پھر بھی احوال یہ ہے
اِک بھروسہ ہے کہ دل سبز کئے رکھتا ہے

ایک دھڑکا ہے کہ خوں سرد کیے رہتا ہے

☆

گھر کے مٹنے کا غم تو ہوتا ہے
اپنے ملبے پہ کون سوتا ہے

خوشبوئے غیر تن سے آتی ہے
بازوؤں میں مجھے سموتا ہے

میرے دل! آنسوؤں سے ہاتھ اُٹھا
کیسی بارش سے زخم دھوتا ہے

شام ہوتے ہی میری پلکوں پر
کون یہ ہار سا پروتا ہے

رات کے بیکراں اندھیرے میں
کوئی جگنو کی نیند سوتا ہے

☆

عمر کا بھروسہ کیا ' پل کا ساتھ ہوجائے
ایک بار اکیلے میں اس سے بات ہوجائے

دل کی گنگ سرشاری اُس کو جیت لے لیکن
عرضِ حال کرنے میں احتیاط ہوجائے

ایسا کیوں کہ جانے سے صرف ایک انساں کے
ساری زندگانی ہی بے ثبات ہوجائے

یاد کرتا جائے دل اور کھلتا جائے دِل
اوس کی طرح کوئی پات پات ہوجائے

سب چراغ گُل کر کے اُس کا ہاتھ تھاما تھا
کیا قصور اس کا ' جو بَن میں رات ہوجائے

ایک بار کھیلے تو وہ مری طرح اور پھر
جیت لے وہ ہر بازی ' مجھ کو مات ہوجائے

رات ہو پڑاؤ کی پھر بھی جاگیے ورنہ
آپ سوتے رہ جائیں اور ہات ہوجائے

☆

خواب کیا دیکھے کوئی نیند کے انجام کے بعد
کس کو جینے کی ہوس' حشر کے ہنگام کے بعد

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو آتا ہے مگر کام کے بعد

ایک ہی اسم کو بارش نے ہرا رکھا ہے
پیڑ پہ نام تو لکھے گئے اُس نام کے بعد

ہندسے گِدھ کی طرح دن ہرا کھا جاتے ہیں
حرف ملنے مجھے آتے ہیں ذرا شام کے بعد

موت وہ ساقی کہ جس کے کبھی تھکتے نہیں ہاتھ
بھرتی جائے گی سدا جام وہ اک جام کے بعد

تھک کے میں بیٹھ گئی اب مگر اے سایۂ طلب
کس کی خیمے پہ نظر جاتی تھی ہر گام کے بعد

☆

دل کا کیا ہے وہ تو چاہے گا مسلسل ملنا
وہ ستم گر بھی مگر سوچے کسی پَل مِلنا

واں نہیں وقت تو ہم بھی ہیں عدیم الفرصت
اُس سے کیا ملیے جو ہر روز کہے' کل مِلنا

عشق کی رہ کے مسافر کا مقدر معلوم
شہر کی سوچ میں ہو اور اُسے جنگل ملنا

اُس کا مِلنا ہے عجب طرح کا مِلنا جیسے
دشتِ اُمید میں اندیشے کا بادل ملنا

دامنِ شب کو اگر چاک بھی کرلیں تو کہاں
نُور میں ڈوبا ہُوا صبح کا آنچل مِلنا

☆

لفظ بڑھے اور وعدے پھیلے' دل کی حکایت ختم ہوئی
وہاں ہوس کا پھن لہرایا جہاں محبت ختم ہوئی

وہ بھی نہیں کہتا ملنے کو ہمیں بھی کچھ اصرار نہیں
سر سے سودا اُتر گیا اور دل سے چاہت ختم ہوئی

جتنی کم سچائی ہوگی اتنی ہوگی آرائش
جب مضمون سے لفظ ہوں زاید سمجھو عبادت ختم ہوئی

جب تک سجدہ اُسکے نام پہ اُس کے حضور ہے تب تک ہے
کام خدا سے کیا یاد آیا ساری عبادت ختم ہوئی

دل کے غزال کو سارا دم صحرا کی وسعت دیتی ہے
شہرِ رزق میں آنکلا اور ساری وحشت ختم ہوئی

☆

بَھٹ

بھیڑیے کے آنے سے
ایک دو گھڑی پہلے
ایک سنسناتی بُو
بَن میں پھیل جاتی ہے

آج میرے گھر میں بھی
میری تیسری حِس نے
کوئی بات دیکھی ہے

اِتنی دیر میں، مَیں نے

تیسری کہ چوتھی بار
گھر کے کونے کونے میں
پھر گلاب چھڑکا ہے

پھر گلاب کی ڈھالیں
کیا مجھے بچالیں گی؟

☆

انہونی کی ایک دُعا

چاندی کا یہ تار
میرے سیہ بالوں میں
گھڑی گھڑی بجلی کی طرح چمکتا ہے
سوتے جاگتے میں اس لشکارے کی زد میں رہتی ہوں!
ایک لمحہ تو جیسے دل ہی ٹھہر گیا تھا!
آئینہ
عمر میں پہلی دفعہ
سچ بولتا نہیں لگا تھا
شک کا فائدہ بینائی کو دیا تھا میں نے
لیکن کتنے عرصے؟
(فیصلہ کتنا ٹلتا!)
کتنے آئینے چُپ رہتے

اور کتنی آنکھیں میرا دل رکھ سکتی تھیں
جان گئی ہوں
وقت
مری برنائی پر
پہلا شب خوں ڈال چکا ہے!

کیسے کیسے چہرے نظر میں گھوم رہے ہیں!
فرطِ محبت سے گلنار
جوشِ عقیدت سے سرشار
مجھ کو دیکھنے، مجھ کو چھونے، مجھ کو پانے کی حسرت میں
کوچہ بہ کوچہ خوار
سرتاپا دلدار
آج ہمہ تن چشم وہ لوگ
مجھ کو کیسے دیکھیں گے
مالک! اس انبوہِ طلب میں
کیا کوئی ایسی آنکھ بھی ہوگی
جس کی چمک
بُجھ جانے کی بجائے
چاندی کے اس تار کو چُھو کر
سونے جیسی ہو جائے؟

☆

اِک تنہا سیّارہ

میری پیشانی کو دیکھ کے
میری ماں نے میرا نام
اِک تارے کے نام پہ رکھا
جگمگ کرنے والا

لیکن میری کیمسٹری میں
ایسا کوئی طلسم نہیں ہے
جو میری تقدیر کو جھلمل کر دے
میری مانگ میں اُس کے نام کی افشاں بھر دے!

میں اپنے سورج سے
ہزاروں نوری سال کے فاصلے پر ہوں
کائنات کی بے اندازہ وسعت میں
اِک تنہا سیارہ ہوں!

☆

فرزندِ زمیں سے

اک چوتھائی صدی سے زاید' ساتھ کے بعد
جس گھر کی بنیادوں میں جذبے نے رکھا
میری ماں کا دوپٹہ' میری باپ کی پگ
جس کی دیواروں میں میرے خواب تمام
چُونے اور گچ کی صُورت چُن دیے گئے
اُس گھر کی چھت کا مالک مجھ سے کہتا ہے

تُم ہم میں سے نہیں ہو

میں اس فردِ جرم کے آگے
سر کو جُھکائے کھڑی ہوئی ہوں
عرق آلود اور مُہر بہ لب
سوچ رہی ہوں
کیا یا میرؔ سے آنے والی تیکھی ہوا کی سرگوشی سچ ہے
میرے آقاؐ
جس پر میرے اور تمہارے آباؤ اجداد نثار
اُن کے اور یثرب کے بیچ
ایک صدا کا فاصلہ تھا
اس مٹّی کی خوشبو میں بسنے کے لئے
مجھ کو ہیں درکار
کتنے دن اور کتنے برس اور کتنی صدیاں بھائی؟

☆

دُنیا کو تو حالات سے اُمید بڑی تھی
پر چاہنے والوں کو جُدائی کی پڑی تھی

کس جانِ گلستان سے یہ ملنے کی گھڑی تھی
خوشبو میں نہائی ہُوئی اِک شام کھڑی تھی

میں اُس سے ملی تھی کہ خود اپنے سے ملی تھی
وہ جیسے مری ذات کی گُم گشتہ کڑی تھی

یُوں دیکھنا اُس کو کہ کوئی اور نہ دیکھے
انعام تو اچھا تھا مگر شرط کڑی تھی

کم مایہ تو ہم تھے مگر احساس نہیں ہوتا
آمد تری اس گھر کے مقدر سے بڑی تھی

میں ڈھال لیے سمت عدو دیکھ رہی تھی
پلٹی تو مری پُشت پہ تلوار گڑی تھی

☆

چاند چہروں کے فروزاں تھے کہ ناموں کے گلاب
شاخِ مژگاں پہ مہکتے رہے یادوں کے گلاب

تیری زیبائی سلامت رہے' اے قامتِ دوست!
زیبِ پوشاک رہیں گے مرے زخموں کے گلاب

جی اُٹھی خاک نمی پا کے مرے اشکوں کی
کِھل رہے ہیں مری گِل میں سے نئے خوابوں کے گلاب

اُس نے چُوما مری آنکھوں کو سحر دَم اور پھر
رکھ گیا میرے سرہانے مرے خوابوں کے گلاب

کون چُھوکر انہیں گُزرا کہ کِھلے جاتے ہیں

اتنے سرشار تو پہلے نہ تھے ہونٹوں کے گلاب

دوپہر شام ہوئی ' شام شب تار ہوئی
اور کھلتے رہے' کھلتے رہے باتوں کے گلاب

سرحدِ نُور پہ اس طرح سے خوشبو پہنچی
چاند پُھولوں کے ہُوئے اور بنے تاروں کے گلاب

☆

اِک صدا پُکارے جاتی ہے

گھنے گھنگھریالے بالوں والا شہزادہ
وارث شاہ کے دیس کا رہنے والا
اُونچا قد اور اُس سے اُونچا شملہ
روشن ماتھا اور اُس پر اقبال کا چاند
بُھوری آنکھیں اور اُن میں سچے موتی
ترشے ہُوئے لب اور مہکتے میٹھے بول
کڑیل ایسا
اپنی بائیں ہتھیلی پر وہ مجھے اُٹھالے
یُوں چلتا ہے
جیسے زمین فقط اُس کے قدموں کے لیے بنی ہے
کم کم بولنے والا
اور زیادہ دیکھنے والا
میرے چاروں جانب

اپنے وجود کی ونجلی بجائے جاتا ہے
اُس سے ہزاروں کوس کی دُوری پر بیٹھی ہوں
اور پھر بھی
اِک صدا پکارے جاتی ہے
میرے نام کو سانجھ سویرے
اِک تان بلائے جاتی ہے
مجھے پل پل تخت ہزارے!

☆

ایک خط

بہت یاد آنے لگے ہو
بچھڑنا تو ملنے سے بڑھ کے
تمہیں میرے نزدیک لانے لگا ہے
میں ہر وقت خود کو
تمہارے جواں بازوؤں میں پگھلتے ہُوئے دیکھتی ہوں
مرے ہونٹ اب تک
تمہاری محبت سے نم ہیں
تمہارا یہ کہنا غلط تو نہ تھا کہ
مرے لب تمہارے لبوں کے سبب سے ہی گلنار ہیں
تو خوش ہو
کہ اب تو مرے آئینے کا بھی کہنا یہی ہے
میں ہر بار بالوں میں کنگھی ادھوری ہی کر پا رہی ہوں
تمہاری محبت بھری اُنگلیاں روک لیتی ہیں مجھ کو

میں اب مانتی جا رہی ہوں
میرے اندر کی ساری رُتیں
اور باہر کے موسم
تمہارے سبب سے
تمہارے لیے تھے!
جواباً
خزاں مجھ میں چاہو گے تم دیکھنا
یا کہ فصلِ بہاراں
کوئی فیصلہ ہو
مگر جلد کر دو تو اچھا!

☆

جُدائی کے بندی خانے میں ....

بس اب تو جینے کا ایک ہی سلسلہ ہے جاناں!
تمہاری سوچوں میں ڈوبے رہنا
تمہارے خوابوں میں کھوئے رہنا
کسی طرح تم کو دیکھنے کی سبیل کرنا
تمہارے کوچے تک آنے کا کچھ بہانہ کرنا
ہر آتے جاتے سے خیریت کی نوید لینا
ہواؤں اور چاند اور پرندوں پہ رشک کرنا
مرا جو احوال پُوچھنا ہے تو یہ ہے جاناں!
کہ جانے کب سے

جُدائی کے بندی خانے میں بند
برف کی سِل پہ تنہا بیٹھی
حرارتِ زندگی سے کچھ ربط ڈھونڈتی ہوں
بدن کو اپنے
تمہارے ہاتھوں سے چُھو رہی ہوں!

☆

ایک سوال ______ دُور جا بسنے والوں سے

پھر وہی بسترِ سنجاف پہ کانٹوں کی بہار
پھر سے شب خوابی کے ملبوسِ حریری میں تنِ زار کی آگ
پھر تری یاد میں جلتے دل کو
کسی پہلو نہیں آتا قرار
اے مرے خواب چراغ
تیرا پیراہنِ آبی بھی اسی طرح شرر بار ہے کیا
اور تری چشمِ سبک خواب سے بھی
نیند بیزار ہے کیا
یا ہمیشہ کی طرح
تیرے لئے رقصِ دلآرام ہے رات
نیند کے شانوں پہ سر رکھے ہوئے سوتا ہے
مے کے اور ساقی کے اثر سے، تیری
آنکھ میں ہلکے گلابی ڈورے
مسکراتا ہوا تنہائی پر
تو مری یاد غلط کرنے کو جا نکلا ہے؟

☆

کریں ترکِ زمیں یا جائیں جاں سے
وہی انداز اُن کے آسماں کے

اگر چاہیں تو وہ دیوار پڑھ لیں
ہمیں اب کچھ نہیں کہنا زباں سے

ستارہ ہی نہیں جب ساتھ دیتا
تو کشتی کام لے کیا بادباں سے

ضروری ہوگئی اب دل کی زینت
مکیں پہچانے جاتے ہیں مکاں سے

بساطِ زیست پر اکثر زمانہ
پلٹ لیتا ہے اپنے حق میں پانسے

وگرنہ فصلِ گُل کی قدر کیا تھی
بڑی حکمت ہے وابستہ خزاں سے

کسی نے بات کی تھی ہنس کے شاید
زمانے بھر سے ہیں ہم خوش گماں سے

کبھی تنہائی کا ڈر روکتا تھا
اور اب مشکل ہجومِ ہمرہاں سے

الاؤ ہی جلانے کی شبیں ہیں
مگر ہٹ کر کسی کے سائباں سے

سبھی سودے خسارے کے نہیں تھے
مگر فرصت نہ تھی کارِ جہاں سے

محبت اور وہ بھی غیر مشرُوط
بہت مشکل ہے ایسے مہرباں سے

نکالی بھی گئی تھیں سوئیاں کیا
کوئی تصدیق کرتا قصہ خواں سے

میں اِک اِک تیر پر خود ڈھال بنتی
اگر ہوتا وہ دُشمن کی کماں سے

جو سبزہ دیکھ کر خیمے لگائیں
انہیں تکلیف کیوں پہنچے خزاں سے

جو اپنے پیڑ جلتے چھوڑ جائیں
انہیں کیا حق کہ روٹھیں باغباں سے

☆

چراغ میلے سے باہر رکھا گیا وہ بھی
ہوا کی طرح سے نامعتبر رہا وہ بھی

زمین زاد بھی بُھولا جو لفظِ راہداری
فصیلِ شہر سے باہر کھڑا رہا وہ بھی

میں اُس کے سارے رویّوں پہ معترض ہوتی
مری طرح سے مگر تھا دُکھا ہوا وہ بھی

گلی کے موڑ پہ دیکھا اُسے تو کیسی خوشی
کسی کے واسطے ہوگا رُکا ہوا وہ بھی

میں اُس کی کھوج میں دیوانہ وار پھرتی رہی
اسی لگن سے کبھی مجھ کو ڈھونڈتا وہ بھی

☆

نظر بھی آیا اُسے اپنے پاس بھی دیکھا
مری نگاہ نے یہ التباس بھی دیکھا

بہت دنوں پہ چلے اور گھر سے چلتے وقت

کسی کی آنکھ سے اپنا لباس بھی دیکھا

یہی کہا کہ نہیں اُس کا راستہ تھا الگ
پھر اُس کے بعد ہی خود کو اُداس بھی دیکھا

مقابلے پہ زمانے کے آگئے اور پھر
بہ پیشِ آئینہ دل کا ہراس بھی دیکھا

وہ مجھ میں سوچ کے کس زاویے سے روشن ہو
یقیں بھی دیکھ لیا ہے' قیاس بھی دیکھا

سب اچھا کہتے ہوؤں کا ہراس بھی دیکھا
امیرِ شہر' کبھی آس پاس بھی دیکھا

جو پیڑ اہلِ گلستاں کا ستر ڈھکتا رہا
اُنہی کے ہاتھوں اُسے بے لباس بھی دیکھا

جو صبح سرمد و منصور تھے' انہیں سرِ شام
حضورِ شاہ سراپا سپاس بھی دیکھا

تمام رات جو خندق میں ریت بھرتا رہا
اُسی کو شہر کی خاطر اداس بھی دیکھا

کُھلا کسی پہ نہ جس کا کبھی سیاق وسباق
کتابِ زیست میں وہ اقتباس بھی دیکھا

☆

ایک غیر زمینی رات

جاڑے کی اُداس چاندنی میں
راوی کے حسین پانیوں میں
اِک ناؤ خموش بہہ رہی تھی
کشتی کے شکستہ دل مسافر
دریا کے سکوت سے ہراساں
ماحول کی طرح دم بخود تھے
ایک غیر زمینی دلکشی نے
بانہوں میں سبھوں کو لے لیا تھا
اِک نُور تھا کوئی ماورائی
جو پردۂ غم ہٹا رہا تھا
سب زخم پرانے جاگ اُٹھے تھے
دُکھ آنکھوں میں ایسے آ گئے تھے
ہم خود سے نظر چُرا رہے تھے!

☆

ایک خوبصورت ڈرائیو

اسی راستے پر
میں کب سے سفر کر رہی ہوں
کبھی نیم تنہا
کبھی دوستوں کی معیت میں
اور کبھی
اس طرح بھی
کہ چلتی رہی اور ذرا سمت تک جاننے کی ضرورت نہ سمجھی
مگر آج اک اجنبی کے
دلآویز، کم بولتے ساتھ میں
ستمبر کی تپتی ہوئی دوپہر میں
میں نے پہلی دفعہ یہ بھی دیکھا
کہ اس راستے پر
دو رویہ گلابوں کے تختے بچھے ہیں!

☆

آج کی رات

آج کی رات تو سونے کی نہیں ہے جاناں!
آج کی رات ہے تجدیدِ ملاقات کی رات
العطش کہتے ہُوئے جسم کی
پیہم آواز
الاماں کہتی ہُوئی روح کی
بے چین صدا

تیز بارش کی دُعاؤں میں تجھے یاد کئے
ایک مُدت سے لیے بوجھ دلِ خستہ پر
تیری خواہش کا، ترے قرب کی آسائش کا
ساتھ دیکھے ہُوئے خوابوں کا نشہ آنکھوں میں
ساتھ سوچی ہُوئی باتوں کی دھنک نظروں میں
رات کے ہاتھ میں کیا ہاتھ دیا ہے دل نے
پاؤں پڑتے ہی نہیں جیسے زمیں پر اس کے
روشنی کیسی رگ و پے میں اُتر آئی ہے
دُور تک صرف تری شکل نظر آتی ہے
میرے ہاتھوں میں ترے چہرے کا بے داغ کنول
تازہ بارش میں تو کچھ اور کھِلا جاتا ہے
میری آنکھیں
ترے ہونٹوں کی نمی سے سرشار
ساری دُنیا سے چھپائے
تری بانہوں کا حصار
ذہن میں گھومتا ہے پہلے پہل کا ملنا
اور پھر رنگِ ملاقات کا گہرا ہونا
اور پھر ملنے کی خواہش کا سمندر ہونا
دھیرے دھیرے
کسی تصویر کے ٹکڑے ملنا
جس کی ترتیب نے دو روحوں کا سمبندھ کیا
اور یہ سچ ہے
کہ حیرت کدۂ ہستی میں
ایک پہچان کا لمحہ بھی بہت ہوتا ہے
ہم پہ اس لمحے کا کچھ قرض ہے باقی اب تک

تن میں جذب کریں
روح میں روح سموئیں
کہ یہ ساعت ہے تشکر کے لئے
ریگِ صحرا پہ اُتر آئی ہے برسات کی رات
آج کی رات ہے تجدیدِ ملاقات کی رات!

☆

وہ مجبوری نہیں تھی' یہ اداکاری نہیں ہے
مگر دونوں طرف پہلی سی سرشاری نہیں ہے

بہانے سے اُسے بس دیکھ آنا پل دو پل کو
یہ فردِ جُرم ہے اور آنکھ انکاری نہیں ہے

میں تیری سرد مہری سے ذرا بد دِل نہیں ہوں
مرے دشمن! ترا یہ وار بھی کاری نہیں ہے

میں اُس کے قول پر ایمان لاکر خوف میں ہوں
کہیں لہجے میں تو ظالم کے عیاری نہیں ہے

پلٹنے کا ارادہ ہوسکے تو تم بھی کرلو!
یہ بازی آج تک دل نے کبھی ہاری نہیں ہے

جہاں اِک روز کِھل جائیں ہمارے نام کے پُھول

بھرے گلشن میں کیا ایسی کوئی کیاری نہیں ہے

سکوتِ شہر تو پھر بھی سمجھ میں آرہا ہے
پسِ دیوار بھی کیا گریہ و زاری نہیں ہے

بچھڑنے والے اتنے ہوگئے ہیں شہر در شہر
کہ باقی اب کسی گھر میں عزاداری نہیں ہے

☆

مرنے سے بھی پہلے مرگئے تھے
جینے سے کچھ ایسے ڈر گئے تھے

رستے میں جہاں تلک دیے تھے
سارے مرے ہم سفر گئے تھے

آنکھیں ابھی کُھل نہیں سکی تھیں
اور خواب مرے بکھر گئے تھے

جب تک نہ کُھلا تھا اُس کا وعدہ
موسم مرے بے ثمر گئے تھے

گرداب سے بچنے والوں کی سمت
ساحل سے کئی بھنور گئے تھے

ق

اب تک وہی نشۂ پذیرائی
کل خواب میں اُس کے گھر گئے تھے

ملتا نہ تھا واپسی کا رستہ
کیا جانیے ہم کدھر گئے تھے

☆

ایک شاعرہ کے لئے

بھیڑیے اور ہرنی کی دوستی کبھی نہیں ممکن ہے
ذرا سی چھاؤں کی آس میں تُو نے
کیسے گھر کو چھوڑا
مانا کہ دیوار تھی کچّی
اور ٹپکتی رہتی تھی چھت
خواب گاہ میں شام شام تک دھوپ بھری رہتی تھی
لیکن وہ مٹی جس پر یہ گھر استادہ تھا
جس پر تیرے پاؤں جمے تھے
وہ تو تیری اپنی تھی
سدا محبت کرنے والی
ماں کی طرح، ترے سب تیکھے لہجوں کو
ہنس ہنس کے سہہ جاتی تھی
تیرا آنچل

جب بھی کسی کانٹے سے اُلجھا
یا تیری بے خبری میں سر سے ڈھلکا
کون تھا جس نے تیری ردائے عفت ڈھونڈی
آندھی اور سیلاب کے بڑھتے ریلے میں
تیرے وجود کے ننّھے سے پتّے کو کس نے تھاما تھا
شہر کا شہر جب تجھ پہ باتیں کرتا تھا
کس نے تیرے سر پر ہاتھ رکھا تھا
جب بھی بارش تیز ہوئی تو تیری خاطر
کس کے بازو پھیلے تھے
جب بھی زور ہوا نے باندھا
تیرے گھر کے سارے دِیوں کو کس نے جلائے رکھا تھا
تیرے اِک اِک شعر کو کس نے سرمۂ چشم بنایا تھا
آج وطن پر وقت پڑا تو
تجھ کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا
ماں کی خدمت
پھولوں اور تحفوں سے کب ہو سکتی ہے
اُسے تو تیرے لمس کی حدّت ہے درکار
تجھے نئی دُنیا کی مبارکباد
مگر یہ بات گرہ میں باندھ کے رکھ لے
جس جنگل کو تُو نے اپنا گھر سمجھا ہے
بھیڑیوں اور ریچھوں سے بھرا پڑا ہوا ہے!

☆

لازم تھا اب کہ ذوقِ تماشا کو دیکھتی
کب تک تمہاری آنکھ سے دُنیا کو دیکھتی

طوفان کے جلو میں مری بے بضاعتی
بستی کو دیکھتی کبھی دریا کو دیکھتی

بس دھوپ اور ریت ہے اور پیاس کا سفر
کیا دل کے سامنے کسی صحرا کو دیکھتی

اُس چشمِ سرد مہر کے سب رنگ دیکھ کر
کیا اشتیاقِ عرضِ تمنا کو دیکھتی

اُس شہرِ بے نیاز میں جب تک رہا قیام
حسرت رہی کہ چشمِ شناسا کو دیکھتی

☆

پھر چاکِ زندگی کو رفو گر ملا کہاں
جو زخم ایک بار کُھلا پھر سِلا کہاں

کل رات ایک گھر میں بڑی روشنی رہی
تارا مرے نصیب کا تھا اور کِھلا کہاں

اُتری ہے میری آنکھ میں خوابوں کی موتیا
ٹوٹے گا روشنی کا بھلا سلسلہ کہاں

بن عکس آئینے کا ہنر بھی نہ کُھل سکا
دُکھ کے بغیر قلب و نظر کا جلا کہاں

ترکِ تعلقات کا کوئی سبب تو تھا
سننے کا میرے دل کو مگر حوصلہ کہاں

☆

کچھ فیصلہ تو ہو کہ کدھر جانا چاہیے
پانی کو اب تو سر سے گزر جانا چاہیے

نشتر بدست شہر سے چارہ گری کی لو
اے زخمِ بے کسی تجھے بھرجانا چاہیے

ہر بار ایڑیوں پہ گرا ہے مرا لہو
مقتل میں اب بہ طرزِ دگر جانا چاہیے

کیا چل سکیں گے جنکا فقط مسئلہ یہ ہے
جانے سے پہلے رختِ سفر جانا چاہیے

سارا جوار بھاتا مرے دل میں ہے مگر

الزام یہ بھی چاند کے سر جانا چاہیے

جب بھی گئے، عذابِ در و بام تھا وہی
آخر کو کتنی دیر سے گھر جانا چاہیے

تہمت لگا کے ماں پہ، جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

☆

خودکلامی

یوں لگتا ہے
جیسے میرے گردوپیش کے لوگ
اِک اور ہی بولی بولتے ہیں
وہ ویولینتھ
جس پر میرا اور اُن کا رابطہ قائم تھا
کسی اور کُرے میں چلی گئی
یا میری لغت متروک ہُوئی
یا ان کا محاورہ اور ہُوا
مرے لفظ مجھے جس رستے پر لے جاتے ہیں
اُس رستے کے معنی کے لئے
اُن کی فرہنگ جُدا ہے
میں لفظوں کی تقدیس کی خاطر چپ ہوں
اور میری ساری گفتگو

دیوار سے تنہائی سے یا اپنے سایے سے ممکن ہے
مجھے ڈر اُس پل سے لگتا ہے
جب خود میں سکڑتے سکڑتے
میں اپنے آپ سے باتیں کرنے والی
(رابطہ رکھنے والی)
فریکوئنسی بھی بھلا دوں
اور اِک دن
''مے ڈے ' مے ڈے '' کرتی رہ جاؤں!

May Day

☆☆☆☆☆

اِنکار

پروین شاکر

پروین قادر آغا کے نام

ترتیب

سج گئی بزمِ رنگ و نور ایک نگاہ کیلئے	،	8
بابِ حیرت سے مجھے اذنِ سفر ہونے کو ہے	،	8
بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے	،	9
کچھ خبر لائی تو ہے بادِ بہاری اُس کی	،	10
دیکھنے کا جسے کل رات میں ڈھنگ اور ہی تھا	،	11
شام بھی روشن ہے کچھ جذبِ دروں کی ضو بھی ہے	،	11
شہ نشیں پر چاند اُترا، اِک پرانی یاد کا	،	12
شرارِ برق سے سارا جہان روشن تھا	،	12
ہوا مہک اُٹھی، رنگِ چمن بدلنے لگا	،	13
تری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا	،	14
زندگی کوئے ملامت میں تو اب آئی ہے	،	15
حیراں ہجومِ رنگ میں یہ چشم کب سے ہے	،	15
ایک اُداس نظم	،	16
فیض کے فراق میں	،	17
تیری خوشبو کا پتا کرتی ہے	،	18
اک ہُنر تھا کمال تھا کیا تھا	،	20
اے رنج بھری شام	،	20
ایک پیغام	،	21
وہ کیسی، کہاں کی زندگی تھی	،	21
تیرے اُجالے کیا کسی اور دیار بس گئے	،	22
ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا	،	23
اس بار تو اپنے پاس تھے ہم	،	24

www.allurdu.com

کِھلا ہے آج دل لالہ فام کس کیلئے	،	24
ایک دفنائی ہوئی آواز	،	25
مراد	،	26
شرارت سے بھری آنکھیں	،	27
سفراب جتنا باقی ہے	،	28
اپنے بیٹے کیلئے ایک نظم	،	30
جدائی کی پہلی رات	،	33
بیٹھی ہے بال کھولے ہوئے میرے پاس شب	،	34
نظر کے سامنے اِک راستہ ضروری ہے	،	35
اب اور جینے کی صورت نظر نہیں آتی	،	36
پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے	،	37
مقتلِ وقت میں خاموش گواہی کی طرح	،	37
پھیلا ہوا ہے حدِ بصارت میں نور کیا	،	38
چھاؤں پیچ آئے ہیں یوں نفس سے مجبور ہوئے	،	39
نشاطِ غم	،	40
وہ ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبر آجاتا	،	41
اُس سے ملنا ہی نہیں دل میں تہیہ کر لیں	،	42
حبس بہت ہے	،	43
بہت دل چاہتا ہے	،	43
چیلنج	،	45
۶ ستمبر ۱۹۸۷ کیلئے ایک دُعا	،	46
صّیاد تو امکانِ سفر کاٹ رہا ہے	،	48
اگر چہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا	،	49

www.allurdu.com

رستے میں مل گیا تو ،شریک سفر نہ جان ، 49
اسی میں خوش ہوں میرا دُکھ کوئی تو سہتا ہے ، 50
ثنائے انجم و تسبیحِ کہکشاں کیلئے ، 51
کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی ، 52
یوں وحشتِ رخصت میں نہ اس دل کو رکھا جائے ، 53
دنیا سے بے نیاز ہوں ، اپنی ہوا میں ہوں ، 54
تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جان میں ہے ، 55
بہار اپنی بہار پر ہے ، 56
شہزادی کا المیہ ، 57
سیر دنیا کرے دل ، باغ کا در تو کھولے ، 61
شہر کے سارے معتبر آخر اُسی طرف ہوئے ، 62
زندگی کی دھوپ میں اس سر پہ اک چادر تو ہے ، 62
ہوائے تازہ میں پھر جسم و جاں بسانے کا ، 64
دُعا یہ کی ہی نہیں تو میرا مُقدر رہو ، 64
راہِ دُشوار کی جو دُھول نہیں ہو سکتے ، 65
زندگی بے سائباں بے گھر کہیں ایسی نہ تھی ، 66
ہوا کے ہوتے ہُوئے روشنی تو کر جائے ، 67
ہر ذرہ جیسے آئینہ بردوش ہو گیا ، 68
حلقہ در حلقہ برائے پند و وعظ آنے لگے ، 69
دل کی بربادی کا کوئی سلسلہ پہلے سے تھا ، 70
اُسی دن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے ، 70
چارہ سازوں کی اذیت نہیں دیکھی جاتی ، 71
جز غبارِ راہ کچھ پیش نظر رکھا نہیں ، 72

پہنچے جو سرِ عرش تو نادار بہت تھے ، 73
وقت ہوتا کہ مرا بخت عناں گیر، سو ہے ، 74
موجۂ گل کو ہم آواز نہیں کر سکتے ، 74
.... لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی ، 75
GOOD TO SEE YOU ، 76
ایک منظر ، 77
اُس نے پھول بھیجے ہیں ، 77
HOT LINE ، 78
VANITY THEY NAME IS....... ، 79
دل کو مہر و مہ و انجم کے قریں رکھنا ہے ، 80
جب کبھی خوبیٔ قسمت سے تجھے دیکھتے ہیں ، 81
اُمیدِ معجزۂ یک نظر پہ زندہ ہیں ، 82
گلابی پھول دل میں کھل چکے تھے ، 83
تمہاری زندگی میں ---- ، 83
ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا..... ، 85
نیا گرہ فالز ، 86
ویسٹ منسٹر ایبے ، 86
جانے کب تک رہے یہی ترتیب ، 88
آنکھوں کیلئے جشن کا پیغام تو آیا ، 89
جو صبحِ خواب ہوا، شب کو پاس کتنا تھا ، 90
دل کی حالت ہے اِضطرابی پھر ، 90
سفرِ خواب ، 92
ایک شریر نظم ، 93

وہ باغ میں میرا منتظر تھا ، 94
شجر کے ہاتھ میں اِک زرد پھول باقی ہے ، 95
قسمت سے بھی کچھ سوا دیا ہے ، 96
رُکنے کا سمے گزر گیا ہے ، 97
بارِ احسان اٹھائے جس تِس کا ، 98
لوٹنا ہے مجھے گھر جائیگا آخر وہ بھی ، 98
کیا بات ہے جسکا غم بہت ہے ، 99
عجب اِک ساعت گلفام آئی ، 100
رستہ ہی نیا ہے ، نہ میں انجان بہت ہوں ، 101
فیض صاحب کیلئے ایک اور نظم ، 102
نمائش ، 103
سندھ کی ایک بیٹی کا اپنے رُسول ﷺ سے ایک سوال ، 105
دشتِ غربت میں ہیں اور رنج سفر کھینچتے ہیں ، 107
کراچی ____ ۸۹ء کی آخری شام ، 108
جب ہو کے صبا کوچۂ تعزیر سے آئی ، 110
شہرِ جمال کے خس و خاشاک ہو گئے ، 110
نثری نظمیں
ندامت ، 112
بشیرے کی گھر والی ، 113
ایک U.CD کی ڈائری ، 115
ٹماٹو کیچپ ، 118
اسٹیل ملز کا ایک خصوصی مزدور ، 120
سمجھداری کی ایک نظم ، 121

ایک مشکل سوال	،	122
یاسر عرفات کیلئے ایک نظم	،	122
دوست مُلک کیلئے ایک نظم	،	124
SAN FRANCISO	،	126
ایک افسرِ اعلیٰ کا مشورہ	،	127
ایک سوشل ورکر خاتون کا مسئلہ	،	128
کراچی	،	130
کلفٹن کے پُل پر	،	130
کتنے برس لگے،،،،	،	132
چاندکی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں	،	133
I'LL MISS YOU	،	133
مشورہ	،	134
اُسے اس بات کا پتہ نہیں	،	134
مجھے جان لینا چاہیے	،	135
ملبے پر لکھی گئی ایک نظم	،	136
پروین قادر آغا	،	136
ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس ہیں	،	138
پھر وہی فرمان	،	139
سندھو دریا کی محبت میں ایک نظم	،	141

سج گئی بزمِ رنگ و نُور ایک نگاہ کے لئے
بام پہ کوئی آ گیا زینتِ ماہ کے لئے

فرشِ فلک پہ پاؤں رکھ' دیکھ تو کس طرح سے ہیں
تارے بچھے ہُوئے تری چشمِ سیاہ کے لئے

دل میں یقینِ صُبح کی لَو جو ذرا بلند ہو!
کافی ہے ایک ہی دِیا شب کی سیاہ کے لئے

ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو اے مرے شہریارِ حُسن
آئے نہیں تری طرف منصب وجاہ کے لئے

میری پھٹی ہُوئی ردا دے بھی گئی بیاں مگر
فیصلہ رُک گیا ہے ایک اور گواہ کے لئے

کیا ہُوا گر نہیں نصیب میرے لباس کو رفو
طرّۂ زرفشاں تو ہے تیری کلاہ کیلئے

ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو بہار گر ہیں یا
سارا چمن جلا دیا اِک پرکاہ کیلئے

ایک سہانی صُبح کو شہر جَلا ہُوا ملا
ہوتی رہیں حفاظتیں ظلِّ الٰہ کے لئے

سارے جہاں سے کٹ گئے' کتنے اکیلے رہ گئے
کس نے کہا تھا عُمر بھر غم سے نباہ کے لئے

☆

بابِ حیرت سے مجھے اِذنِ سفر ہونے کو ہے
تہنیت اَے دِل کہ اَب دیوار دَر ہونے کو ہے

www.allurdu.com

کھول دیں زنجیرِ دَر حوض کو خالی کریں
زندگی کے باغ میں اب سہ پہر ہونے کو ہے

موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دِل میں کیوں
کیا محبّت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے

گردِ رہ بن کر کوئی حاصل سفر کا ہوگیا
خاک میں مل کر کوئی لعل و گہر ہونے کو ہے

اک چمک سی تو نظر آئی ہے اپنی خاک میں
مجھ پہ بھی شاید توجہ کی نظر ہونے کو ہے

گمشدہ بستی مسافر لوٹ کر آتے نہیں
معجزہ ایسا مگر بارِ وِگر ہونے کو ہے

رونقِ بازار محفل کم نہیں ہے آج بھی !
سانحہ اس شہر میں کوئی مگر ہونے کو ہے

گھر کا سارا راستہ اس سرخوشی میں کٹ گیا
اس سے اگلے موڑ کوئی ہمسفر ہونے کو ہے

☆

بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مُجھے اِس خاک سے ہے

خواب میں بھی تجھے بُھولوں تو رَوا رکھ مُجھ سے
وہ روّیہ جو ہوا کا خس وخاشاک سے ہے

بزمِ انجم میں قبا خاک کی پہنی میں نے
اور مری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے

اتنی روشن ہے تری صبح کہ ہوتا ہے گماں

www.allurdu.com

یہ اُجالا تو کسی دِیدۂ نمناک سے ہے
ہاتھ تو کاٹ دیئے کوزہ گروں کے ہم نے
معجزے کی وُہی اُمیّد مگر چاک سے ہے

☆

کچھ خبر لائی تو ہے بادِ بہار اُسکی
شاید اس راہ سے گزرے گی سواری اُسکی
میرا چہرہ ہے فقط اُسکی نظر سے روشن
اور باقی جو ہے مضمون نگاری اُسکی
آنکھ اُٹھا کر جو رَوا دار نہ تھا دیکھنے کا
وہی دِل کرتا ہے اَب مِنّت و زاری اُسکی
رات کی آنکھ میں ہیں ہلکے گلابی ڈورے
نیند سے پلکیں ہُوئی جاتی ہیں بھاری اُسکی
اُس کے دَربار میں حاضر ہوا یہ دِل اور پھر
دیکھنے والی تھی کُچھ کار گزاری اُسکی
آج تو اُس پہ ٹھہرتی ہی نہ تھی آنکھ ذرا!
اس کے جاتے ہی نظر مَیں نے اُتاری اُسکی
عرصۂ خواب میں رہنا ہے کہ لَوٹ آنا ہے
فیصلہ کرنے کی اِس بار ہے باری اُسکی

☆

دیکھنے کا جسے کل رات میں ڈھنگ اور ہی تھا
صبح جب آئی تو اُس چشم کا رنگ اَور ہی تھا

شیشۂ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اَور ہی تھا

خلق کی بھیجی ہُوئی ساری ملامت اِک سمت
اُس کے لہجے میں چُھپا تیر وتفنگ اور ہی تھا

کیا عرض اِس سے کہ کِس گوشۂ عُزلت میں رہا
شمع کے آگے جب آیا تو پتنگ اَور ہی تھا

لَو چراغوں کی بُجھانے سے ذرا سَا پہلے
میرے سردار کا اندازۂ جنگ اور ہی تھا

☆

شام بھی روشن ہے کچھ جذب دَروں کی ضو بھی ہے
ساتھ اُس کے کوہ پر دیدارِ مَاہِ نو بھی ہے

اَبر ہے' کہسار ہے اور دستِ شب میں منتظر
اُس لبِ لعلیں کے نام اِک جامِ آب جو بھی ہے

پیرہن کی اِک جھلک سے بن معطّر ہوگیا
جیسے موج رنگ میں خوشبو کی کوئی رَو بھی ہے

سطحِ دَریا بڑھ رہی ہے اور ہوائے تند بھی
آج کی شب ہی بہت نیچی دِیے کی لَو بھی ہے

باغ کا حِصہ تو میں بھی ہوں مگر میرا وجود
سبز بھی اِتنا نہیں ہے اَور کچھ خود رَو بھی ہے

ایسا لگتا ہے کہ اِس دُنیا سے باہر بھی ہُوں میں
میرے چہرے میں کسی کے خواب کا پَرتو بھی ہے

☆

شہ نشیں پر چاند اُترا ، اِک پُرانی یاد کا
دِل میں پَرچم سا کُھلا کس قریۂ برباد کا

شہر پر اُس ساعتِ نا سعد کا سایہ ہے اَب
جھٹپٹے کے وقت کیوں پتّھر رکھا بنیاد کا

بستیوں کی گونج پُر اَسرار سی ہونے لگی
جیسے سنّاٹا پکارے شہرِ نا آباد کا

چہرۂ کُہسار کا دِکھلا گیا اِک اَور رنگ
ثانیے بَھر کے لئے دیدار برق و رَعد کا

ایک اَن دیکھی خوشی رقصاں ہے برگ و بار میں
باغِ ہستی میں مرے موسم ہے اَبر و باد کا

مَیں تو اُڑنا بُھول جاؤں زندگی بھر کے لئے
بھر گیا ہے دِل مگر مُجھ سے مِرے صیّاد کا

☆

شرارِ برق سے سَارا جہان روشن تھا
عجیب طرح سے کل آسمان روشن تھا

ورائے چشم بھی اِک روشنی فضا میں تھی
کوئی مکان سے تالا مکان روشن تھا

میں اُس کے ساتھ روانہ تھی کِن فضاؤں کو
زمیں کا چہرہ فلک کے سمان روشن تھا

وصالِ روح و نظر کے عجیب لمحے میں
ہر ایک زاویۂ جسم و جان روشن تھا

فراق میں ہی رہے ہم تو ساری عُمر مگر
چراغ سا کوئی نزدیکِ جان روشن تھا

سپیدیٔ خطِ ساحل نظر میں تھی جَب تک
مِرا ستارہ ' ترا بادبان روشن تھا

طلوعِ انجم و تکوینِ مہر سے پہلے
گماں گزرتا ہے یہ خاکدان روشن تھا

☆

ہوا مہک اُٹھی ' رنگ چمن بدلنے لگا
وہ میرے سامنے جب پیرہن بدلنے لگا

بہم ہُوئے ہیں تو اب گفتگو نہیں ہوتی
بیان حال میں طرزِ سخن بدلنے لگا

اندھیرے میں بھی مُجھے جگمگا گیا ہے کوئی
بس اِک نگاہ سے رنگ بدن بدلنے لگا

www.allurdu.com

ذرا سی دیر کو بارش رُکی تھی شاخوں پر
مزاج سوسن و سرو سمن بدلنے لگا

فرازِ کوہ پہ بجلی کُچھ اس طرح چمکی
لباس وادی و دشت و دمن بدلنے لگا

☆

تری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا
تمام عمر یہی اِضطراب اب ہونا تھا

صبا چلی ہے جس انداز سے گلستاں میں
کِسی کو لالہ، کسی کو گُلاب ہونا تھا

بڑی اُمید تھی کارِ جہاں میں دِل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

سفر کی رات مسافر کی میزبانی کو
کوئی ستارہ، کوئی ماہتاب ہونا تھا

بس اتنی عمر تھی اُس سرزمینِ دل پہ مری
پھر اس کے بعد اِسے وہمِ خواب ہونا تھا

☆

www.allurdu.com

زندگی کُوئے ملامت میں تو اَب آئی ہے
اَور کُچھ چاہنے والوں کے سبب آئی ہے

ہم فقیروں میں کسی طور شکایت تیری
لب پہ آئی بھی تو تاحدِ ادب آئی ہے

پُھول سے کِھلتے چلے جاتے ہیں جیسے دل میں
اس گلستاں میں عجب موجِ طرب آئی ہے

میری پوشاک میں تارے سے اچانک چمکے
کِس کے آنگن سے یہ ہوتی ہوئی شب آئی ہے

کِس سے پُوچھوں پسِ دیوار چمن کیا گزری
میرے گھر میں تو ہوا مُہر بہ لب آئی ہے

کون سے پُھول تھے کل رات ترے بستر پر
آج خوشبُو ترے پہلو سے عجب آئی ہے

☆

حیراں ہجُومِ رنگ میں یہ چشم کب سے ہے
اِس باغ میں بہار کسی کے سبَب سے ہے

کب شکوۂ تغافل و بیدار سب سے ہے
تُجھ سے گلہ ہے اور نہایت اَدب سے ہے

ہر شے میں حُسن اُس کے مقابل سے آئے گا

مہتاب کا جمال بھی زنگارِ شب سے ہے

یہ عشق ہے اور اس میں سرافرازی و کمال
رخسار و خال و خط سے نہ نام و نسب سے ہے

اِس دل میں شوقِ دید زیادہ ہی ہوگیا
اُس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے

☆

ایک اُداس نظم

یہ حسین شام اپنی
ابھی جس میں گھُل رہی ہے
ترے پیرہن کی خوشبو
ابھی جس میں کِھل رہے ہیں
مرے خواب کے شگوفے
ذرا دیر کا ہے منظر!
ذرا دیر میں اُفق پہ
کِھلے گا کوئی ستارہ
تری سمت دیکھ کر وہ
کرے گا کوئی اشارہ
ترے دِل کو آئیگا پھر
کِسی یاد کا بُلاوا
کوئی قصّۂ جُدائی

www.allurdu.com

کوئی کارِ نامکمل
کوئی خوابِ نا شگفتہ
کوئی بات کہنے والی
کِسی اور آدمی سے !

ہمیں چاہیے تھا مِلنا
کِسی عہد مہرباں میں
کِسی کے خواب یقیں میں
کِسی اَور آسماں پر
کِسی اور سرزمیں میں!

☆

فیضؔ کے فراق میں

تہہِ خاک

کیسا چراغ وقت نے رکھ دیا
کہ سیاہ پوش ہُوئی ہوا
کفِ دستِ بادِصبا سے پُھول یہ کیا گِرا
چمنِ نگاہ میں اب بہار کہیں نہیں
ہمہ شہرِ راہ میں اور نگار کہیں نہیں
پُلِ سبز پر کوئی انجم راہِ فروز اب نہیں خیمہ کش
وہ غُبار اُٹھا ہے کہ سُوجھتا نہیں راستہ
مرے ماہتاب کہاں ہے تُو
کوئی اور بھی ہے نظامِ مہر و نجوم جس کو رواں ہے تُو
ترے فرشِ نیلوفری پہ کون سے بُرج کی یہ کشش بڑھی

www.allurdu.com

کہ طلسم خانۂ ہست میں تری روشنی کا قیام اتنا لکھا گیا
مرے لَے نواز
قبائے ساز ترے فراق میں چاک ہے
وہ سکوت شہرِ سخن میں ہے
کہ صدائے گریۂ شبنم شبِ تار دل کو سنائی دے
تہہِ ہفت حجلۂ نور ایک ہی خواب ہے
کوئی معجزہ ہو کہ شکل تیری دکھائی دے!
کوئی سِلسلہ ہو کہ راہ پھر سے سُجھائی دے!

☆

تیری خوشبو کا پتا کرتی ہے
مُجھ پہ احسان ہوا کرتی ہے
چُوم کر پُھول کو آہستہ سے
معجزہ بادِ صبا کرتی ہے
کھول کر بندِ قبا ، گُل کے ' ہوا
آج خوشبو کو رہا کرتی ہے
ابر برسے تو عنایت اُس کی
شاخ تو صرف دعا کرتی ہے
زندگی پھر سے فضا میں روشن
مشعلِ برگ حنا کرتی ہے
ہم نے دیکھی ہے وہ اُجلی ساعت
رات جب شعر کہا کرتی ہے
شب کی تنہائی میں اب تو اکثر

www.allurdu.com

گفتگو تجھ سے رہا کرتی ہے
دِل کو اُس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مُجھے تجھ سے جُدا کرتی ہے
زندگی میری تھی لیکن اب تو
تیرے کہنے میں رَہا کرتی ہے
اُس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ یہ آنکھ
دِل کا احوال کہا کرتی ہے
مصحفِ دل پہ عجب رنگوں میں
ایک تصویر بنا کرتی ہے
بے نیاز کفِ دریا انگشت
ریت پر نام لکھا کرتی ہے
دیکھ تو آن کے چہرہ میرا
اِک نظر بھی تری ، کیا کرتی ہے
زندگی بھر کی یہ تاخیر اپنی
رنج ملنے کا سوا کرتی ہے
شام پڑتے ہی کسی شخص کی یاد
کوچۂ جاناں میں صدا کرتی ہے
مسئلہ جب بھی چراغوں کا اُٹھا
فیصلہ صرف ہوا کرتی ہے

ق

مُجھ سے بھی اس کا ہے ویسا ہی سلوک
حال جو تیرا انا کرتی ہے
دُکھ ہُوا کرتا ہے کچھ اور بیاں
بات کچھ اور ہُوا کرتی ہے

☆

اِک ہُنر تھا ، کمال تھا کیا تھا
مُجھ میں تیرا جمال تھا کیا تھا

تیرے جانے پہ اَب کے کچھ نہ کہا
دِل میں ڈر تھا ، ملال تھا کیا تھا

برق نے مجھ کو کردیا روشن
تیرا عکسِ جلال تھا کیا تھا

ہم تک آیا تو مہرِ لطف وکرم
تیرا وقتِ زوال تھا کیا تھا

جس نے تہہ سے مُجھے اُچھال دیا
ڈُوبنے کا خیال تھا کیا تھا

جس پہ دِل سارے عہد بُھول گیا
بُھولنے کا سوال تھا کیا تھا

تتلیاں تھیں ہم اور قضا کے پاس
سُرخ پھولوں کا جال تھا کیا تھا

☆

اے رنج بھری شام

دہلیزِ سماعت پہ کسی وعدے کی آہٹ
اُترے کہ نہ اُترے
اے رنج بھری شام!
دُکھتے ہُوئے دل پر

کوئی آہستہ سے آکر
اِک حرفِ تسلّی تو رکھے پُھول کی مانند!

☆

ایک پیغام

وہ موسم ہے
بارش کی ہنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں
سنہری پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
ہماری راہ تکتا ہے
طلوعِ ماہ کی ساعت
ہماری منتظر ہے

☆

وہ کیسی ، کہاں کی زندگی تھی
جو تیرے بغیر کٹ رہی تھی
اُس کو جب پہلی بار دیکھا

www.allurdu.com

میں تو حیران رہ گئی تھی

وہ چشم تھی سحر کار بے حد
اَور مُجھ پہ طلسم کررہی تھی

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو
مُجھ میں کسی رنگ کی کمی تھی

صحرا کی طرح تھیں خشک آنکھیں
بارش کہیں دل میں ہورہی تھی

آنسو مرے چومتا تھا کوئی
دُکھ کا حاصل یہی گھڑی تھی

سُنتی ہوں کہ میرے تذکرے پر
ہلکی سی اُس آنکھ میں نمی تھی

غربت کے بہت کڑے دنوں میں
اُس دل نے مجھے پناہ دی تھی

سب گِرد تھے اُس کے اور ہم نے
بس دُور سے اک نگاہ کی تھی

☆

تیرے اُجالے کیا کسی اور دیار بس گئے
اے مرے ماہِ نیم ماہ لوگ تجھے ترس گئے

تیرے کرم کی دُھوپ تو خیر کسے نصیب تھی
تیرے سِتم کے اَبر بھی اَور کہیں بَرس گئے

تیری رضا کے سامنے اَب ہمیں دیکھنا ہے کیا
عشق کے امتحان میں ذہن کے پیش و پس گئے

ساری فضائے حرف و صوت عطر مزاج ہوگئی
بزمِ سخن سے ہو کے آج کیسے حنا نفس گئے

کیا اُنہیں میری خاک سے بُوئے رفاقت آئی تھی
اُس کی گلی میں دُور تک کیسے یہ خار و خس گئے

☆

ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا
اُس نے بھی بُھول جانے کا وعدہ نہیں کیا

دُکھ اوڑھتے نہیں کبھی جشنِ طرب میں ہم
ملبوسِ دل کو تن کا لبادہ نہیں کیا

جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اُس کا خود
سر زیرِ بارِ ساغر و بادہ نہیں کیا

کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام
اُس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا

آمد پہ تیری ، عطر و چراغ و سبو نہ ہوں

www.allurdu.com

اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

☆

اِس بار تو اپنے پاس تھے ہم
پھر کس کے لئے اُداس تھے ہم

آئی تھی ہمیں رفوگری بھی
اِک دُوسرے کا لباس تھے ہم

کُچلے گئے جب بھی سر اُٹھایا
فٹ پاتھ کی ایسی گھاس تھے ہم

ممنوع قرار پاگئے ہیں !
جس بزم میں حرفِ خاص تھے ہم

جلتے رہے ' ہر ہوا کے آگے
کیا جانیئے کس کی آس تھے ہم

☆

کِھلا ہے آج دلِ لالہ فام کس کیلیئے
وہ جاچکا ہے تو آئی ہے شام کس کیلیئے

جو پُھول کِھلنے تھے وہ راکھ ہوچکے ہوں گے
نسیمِ صبح کو اب اذان عام کس کیلئے

وہ گُل عذار نہیں ہوگا اَب چمن آرا
صبا کے ہاتھ سلام و پیام کس کیلئے

وہ مے گسار تو اے بادِ نو بہار گیا
شراب سُرخ سے بھرتی ہے جام کس کیلئے

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے

☆

ایک دفنائی ہُوئی آواز

پُھولوں اور کتابوں سے آراستہ گھر ہے
تن کی ہر آسائش دینے والا ساتھی
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا بچہ
لیکن اس آسائش ' اس ٹھنڈک کے رنگ محل میں
جہاں کہیں جاتی ہوں
بنیادوں میں بے حد گہری چُنی ہُوئی
اک آواز برابر گریہ کرتی ہے
مجھے نکالو!

www.allurdu.com

مجھے نکالو!

☆

مُراد

بھیڑیے!
میرے چاروں طرف بھیڑیے
آنکھیں، حلقوں سے باہر
زبانیں بھی نکلی ہوئی
دھونکنی کی طرح سانس چلتی ہوئی
میرے اطراف حلقہ کئے
ایک لمحے کی غفلت کے یُوں منتظر
جس طرح کوئی ماہر شکاری
دانہ ودام بھی
سنگِ الزام بھی
جاہ وانعام بھی
جاں حاضر ہے ہر شکل کا!

پر مرے گرد
ایسا الاؤ ہے روشن
کہ ہر حیلہ ومکر کے باوجُود
یہ درندے
فاصلے کو نبھانے پہ مجُبور ہیں
بھیڑیے آگ میں پاؤں رکھتے نہیں!

☆

شرارت سے بھری آنکھیں

ستاروں کی طرح سے جگمگاتی ہیں
شرارت سے بھری آنکھیں!
مرے گھر میں اُجالا بھر گیا
تیری ہنسی کا
یہ ننھے ہاتھ جو گھر کی کوئی شے
اب کسی ترتیب میں رہنے نہیں دیتے
کوئی سامانِ آرائش نہیں اپنی جگہ پر اب
کوئی کیاری سلامت ہے
نہ کوئی پُھول باقی
یہ مٹّی میں سنے پاؤں
جو میری خواب گہ کی دُودھیا چادر کا ایسا حال کرتے ہیں
کہ کچھ لمحے گزرنے پر ہی پہچانی نہیں جاتی
مگر میری جبیں پر بل نہیں آتا
کبھی رنگوں کی پچکاری سے
سرتاپا بھگو دینا
کبھی چُنری چھپا دینا
کبھی آنا عقب سے
اور مری آنکھوں پہ دونوں ہاتھ رکھ کر
پُوچھنا تیرا
بھلا میں کون ہُوں
بوجھیں تو جانوں!

میں تجھ سے کیا کہوں
تُو کون ہے میرا
مرے نٹ کھٹ کنھیا!
مجھے تو عِلم ہے اتنا
کہ یہ بے نظم اور ناصاف گھر
میری توازن گر طبیعت پر
گراں بننے نہیں پاتا
اگر تُو میرے آنگن میں نہ ہوتا
تو میرے خانۂ آئینہ ساماں میں
بہ ایں ترتیب و آرائش
اندھیرا ہی رہا کرتا!

☆

سفر اَب جتنا باقی ہے..........

بہت سردی ہے ـــــــــ ممّا
ابھی کُچھ دیر
میرا ہاتھ مت چھوڑیں!
زمستاں کی ہوا سے کپکپاتا
تُو کہہ رہا تھا!
زیادہ دن نہیں گزرے
کہ میری گود کی گرمی
تجھے آرام دیتی تھی
گلے میں میرے بانہیں ڈال کر تو اس طرح سوتا

کہ اکثر ساری ساری رات میری
ایک کروٹ میں گزر جاتی!

مرے دامن کو پکڑے
گھر میں تتلی کی طرح سے گھومتا پھرتا
مگر پھر جلد ہی تجھ کو
پرندوں اور پھولوں
اور پھر ہمجولیوں کے پاس سے ایسا بلاوا آ گیا
جس کو پا کر
مری اُنگلی چھڑا کر
تو ہجومِ رنگ میں خوشبو کی صورت مل گیا تھا
پھر اس کے بعد
خوابوں سے بھرا بستہ لئے
اسکول کی جانب روانہ ہو گیا تو
جہاں پر رنگ اور پھر حرف اور پھر ہندسے
اور سو طرح کے کھیل تیرے منتظر تھے
دِل لُبھاتے تھے
ترے اُستاد مُجھ سے معتبر تھے
دوست مُجھ سے خُوب تر تھے
مُجھے معلُوم ہے
میں تُجھ سے پیچھے رہ گئی ہوں
سفر اَب جتنا باقی ہے
وہ بس پسپائی کا ہی رہ گیا ہے
تری دُنیا میں اب ہر پل
نئے لوگوں کی آمد ہے
میں بے حد خامشی سے

ان کی جگہیں خالی کرتی جا رہی ہوں
ترا چہرہ نکھرتا جا رہا ہے
میں پس منظر میں ہوتی جا رہی ہوں!

زیادہ دن نہ گزریں گے
مرے ہاتھوں کی یہ دھیمی حرارت
تُجھے کافی نہیں ہوگی
کوئی خوش لمس دستِ یاسمیں آ کر
گلابی رنگت حدّت
تیرے ہاتھوں میں سمو دے گا
مرا دِل تجھ کو کھو دے گا
میں باقی عُمر
تیرا راستہ تکتی رہوں گی
مَیں ماں ہُوں
اور مری قسمت جُدائی ہے!

☆

اپنے بیٹے کیلیئے ایک نظم

مرے بچّے نے پہلی بار اٹھایا ہے قلم
اور پُوچھتا ہے
کیا لکھوں مما؟
میں تُجھ سے کیا کہوں بیٹے
کہ اَب سے برسوں پہلے
یہ لمحہ جب مری ہستی میں آیا تھا

www.allurdu.com

تو میرے باپ نے مجھ کو سکھائے تھے
محبت اور نیکی اور سچائی کے کلمے
مرے توشے میں ان لفظوں کی روٹی رکھ کے وہ سمجھا تھا
میرا راستہ کٹ جائیگا
آگے سفر آسان ہو جائے گا شاید!
محبت مجھ سے دُنیا نے وُصولی
قرض کی مانند
نیکی سُود کی صُورت میں
حاصل کی
مری سچائی کے سکے
ہُوئے رد اس طرح سے
کہ میں فوراً سنبھلنے کی نہ گر تدبیر کرتی
تو سر پر چھت نہ رہتی
تن پہ پیراہن نہیں بچتا
میں اپنے گھر میں رہ کر
عمر بھر جزیہ ادا کرتی رہی ہوں!
زمانہ
میرے خدشوں سے سوا عیار تھا
اور زندگی
میری توقع سے زیادہ بے مرّوت تھی
تعلّق کے گھنے جنگل میں
بچھّو سرسراتے تھے
مگر ہم اس کو سرشاری میں
فصلِ گُل کی سرگوشی سمجھتے تھے
پتہ ہی کچھ نہ چلتا تھا

www.allurdu.com

کہ خوابوں کی چھپر کھٹ پر

لباسِ ریشمیں

کس وقت بن کر کینچلی اترا

مخاطب کے رو پہلے دانت

کب لمبے ہوئے

اور کان

کب پیچھے مُڑے

اور پاؤں

کب غائب ہُوئے یکدم!

میں اس کِذب ورِیا

اس بے لحاظی سے بھری دُنیا میں رہ کر

محبت اور نیکی اور سچائی کا ورثہ

تُجھ کو کیسے منتقل کر دوں

مُجھے کیا دے دیا اُس نے!

مگر میں ماں ہوں

اور اک ماں اگر مایوس ہو جائے

تو دُنیا ختم ہو جائے

سو میرے خوش گماں بچے!

تو اپنی لوحِ آئندہ پہ

سارے خوبصورت لفظ لکھنا

سدا سچ بولنا

احسان کرنا

پیار بھی کرنا

مگر آنکھیں کُھلی رکھنا!

www.allurdu.com

☆

جُدائی کی پہلی رات

آنکھ بوجھل ہے
مگر نیند نہیں آتی ہے
میری گردن میں حمائل تری بانہیں جو نہیں
کِسی کروٹ بھی مجھے چین نہیں پڑتا ہے
سرد پڑتی ہُوئی رات
مانگنے آئی ہے پھر مُجھ سے
ترے نرم بدن کی گرمی
اور دریچوں سے جھجکتی ہُوئی آہستہ ہوا
کھوجتی ہے مرے غم خانے میں
تیری سانسوں کی گلابی خوشبو!

میرا بستر ہی نہیں
دل بھی بہت خالی ہے
اِک خلا ہے کہ مری روح میں دہشت کی طرح اُترا ہے
تیرا ننھا سا وجود
کیسے اُس نے مجھے بھر رکھا تھا
ترے ہوتے ہوئے دُنیا سے تعلق کی ضرورت ہی نہ تھی
ساری وابستگیاں تجھ سے تھیں
تُو مری سوچ بھی، تصویر بھی اور بولی بھی
میں تری ماں بھی، تری دوست بھی، ہمجولی بھی
تیرے جانے پہ کُھلا
لفظ ہی کوئی مُجھے یاد نہیں

http://www.hallagulla.com/urdu/

بات کرنا ہی مجھے بھول گیا!
تُو مری روح کا حِصّہ تھا
مرے چاروں طرف
چاند کی طرح سے رقصاں تھا مگر
کس قدر جلد تری ہستی نے
مرے اطراف میں سُورج کی جگہ لے لی ہے
اب ترے گرد میں رقصندہ ہوں!
وقت کا فیصلہ تھا
ترے فردا کی رفاقت کیلئے
میرا امروز اکیلا رہ جائے
مرے بچے' مرے لال
فرض تو مجھ کو نبھانا ہے مگر
دیکھ کتنی اکیلی ہوں!

☆

بیٹھی ہے بال کھولے ہُوئے میرے پاس شب
آئی ہے کون شہر سے اتنی اُداس شب

میں چُپ رہی تو رات نے بھی ہونٹ سی لئے
میں اس کا پیرہن ہُوں تو میرا لباس شب

گھر جلد لوٹ کر بھی تو منظر وہی رہا
ویسی ہی سرد شام وہی نا سپاس شب

شاید کہ کل کی صبح قیامت ہی بن کے آئے

www.allurdu.com

اُتری ہے جسم و جاں پہ بن کر ہراس شب

سُورج کو دیکھنے کا سلیقہ کہاں ہمیں!
جب بھی نظر اُٹھائی، رہی آس پاس شب

اے ماہ و مہرِ حُسن، ترے عہد میں کبھی
دِن ہی ہمیں خوش آئے نہ آئی ہے راس شب

مدّت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی
پھر حجلۂ حیات میں آئی ہے خاص شب

☆

نظر کے سامنے اِک راستہ ضروری ہے
بھٹکتے رہنے کا بھی سلسلہ ضروری ہے

مثال اَبر و ہوا دل بہم رہیں لیکن
محبتوں میں ذرا فاصلہ ضروری ہے

وہ خوف ہے کہ سرِ شام گھر سے چلتے وقت
گلی کا دُور تلک جائزہ ضروری ہے

مِلے اس آنکھ کو بھی تیرے خواب کی اُجرت
چراغِ کشتہ کو اِتنا صلہ ضروری ہے

نجانے فیصلہ باقی کہ اختلاف رہے
کنارِ متن کوئی حاشیہ ضروری ہے

تعلقات کے نامعتبر حوالوں میں
تمام عمر اِک رابطہ ضروری ہے

☆

اَب اور جینے کی صُورت نظر نہیں آئی
کِسی طرف سے بھی اچھی خبر نہیں آتی

اُسی کے آس میں ہے دِل کا حجرۂ تاریک
وہ روشنی جو کبھی میرے گھر نہیں آتی

وُہ مہرباں ہے تو محراب و بام تک نہ رہے
یہ دُھوپ کیوں پسِ دیوار و دَر نہیں آتی

رہِ حیات میں اب کوئی ایسا موڑ نہیں
کہ جِس کے بعد تری رہگزر نہیں آتی

قبولیت کی ہے ساعت تو اُسکو مانگ ہی لیں
کہ یہ گھڑی کبھی بارِ دگر نہیں آتی

سرائے خانہ دُنیا میں شام ہوتی ہے
مسافروں کو نوید سفر نہیں آتی

☆

پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے
نگاہ میں ترا منصب بحال کرنا ہے

لہُو سے سینچ دیا اور پھر یہ طے پایا
اِسی گلاب کو اب پائمال کرنا ہے

اِس ایک مرہمِ نو روز و لمسِ تازہ سے
پُرانے زخموں کا بھی اندمال کرنا ہے

یہ غم ہے اور ملا ہے کسی کے دَر سے ہمیں
سو اِس شجر کی بہت دیکھ بھال کرنا ہے

بُھلا کے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی
اِسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

☆

مقتلِ وقت میں خاموشی گواہی کی طرح
دل بھی کام آیا ہے گمنام سپاہی کی طرح

ایک لمحے کو زمانے نے رضا پوچھی تھی
گفتگو ہونے لگی ظلِّ الٰہی کی طرح

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا
خامشی بھی تو ہُوئی پشت پناہی کی طرح

اُس نے خوشبو سے کرایا تھا تعارف میرا
اَور پھر مجھ کو بکھیرا بھی ہوا ہی کی طرح

گُھپ اندھیرا ہے تو پھر ایک دیا اور ہوا کی اقلیم
پھیلتی جائے مقدر کی سیاہی کی طرح

☆

پھَیلا ہُوا ہے حدِّ بصارت میں نُور کیا
مہتاب نے کیا مرے اندر ظہُور کیا

خود پھُول کی طرح مجھے کِھلنے کا شوق تھا
اَب تیز ہے ہَوا تو ہَوا کا قصُور کیا

اِک نقش موجِ آبِ رواں پر بنا ہوا
ایسے ہنر پہ فکرِ سخن کا غُرور کیا

جب آمدِ بہار کا امکان نہیں
پھر نغمہ سنج ہوں گے فضا میں طیور کیا

www.allurdu.com

ہر چیز فاصلے پہ نظر آئی ہے مجھے
اِک شخص زندگی میں ہُوا مُجھ سے دُور کیا

سب خیریت کا سُن کے بدن سرد پڑ گئے
کِس کو نہیں خبر کہ ہے بین السطُور کیا

تکریمِ زندگی سے بھی اَب دست کش ہیں ہم
اِس سے زیادہ نذر گزاریں حُضور کیا

☆

چھاؤں بیچ آئے ہیں،یُوں نفس سے مجبور ہُوئے
وہ جو تقسیمِ ثمر پہ یہاں مامُور ہُوئے

شعبۂ رزق خُدا نے جو رکھا اپنے پاس
نائبِ اللہ بہت بد دل و رنجُور ہُوئے

وہی شدّاد ، وہی جنّتِ خاشاک نہاد
ویسے ہی عظمتِ یک لحظہ پہ مغرُور ہوئے

وہ رعونت ہے کہ لگتا ہے ازل سے ہیں یونہی
نشّۂ مسندِ شاہانہ سے مخمور ہُوئے

اپنی تقویم میں اب منظرِ فردا تو نہیں

www.allurdu.com

عکسِ معزول سے کچھ اس طرح مسحُور ہُوئے

ہم وہ شہزادِ سیہ بخت کہ دشمن کی بجائے
اپنے لشکر کے سبب شہر میں محصور ہُوئے

اَب تو بس خواب کی بیساکھی پہ چلنا ہوگا
مُدتّیں ہوگئیں اس آنکھ کو معذُور ہُوئے

☆

نشاطِ غم

دسمبر کا کوئی یخ بستہ دن تھا
میں یورپ کے نہایت دُور افتادہ علاقے کی
کِسی ویران طیران گاہ میں
بالکل اکیلی بنچ پر بیٹھی تھی
اعلانِ سفر کی منتظر تھی
جہاں تک آنکھ شیشے کے اُدھر جاتی
اُداسی سے گلے ملتی
مسلسل برفباری ہو رہی تھی!

اچانک میں نے اپنے سے مخاطب
بہت مانوس اِک آواز دیکھی
''آپ کیسی ہیں؟
اکیلی ہیں؟

www.allurdu.com

گھنے بالوں، چمکتی بھوری آنکھوں"
دِلنشیں باتوں سے پُر
وہ پُرکشش لڑکا کہاں ہے؟
آپ دونوں ساتھ کتنے اچھے لگتے تھے!

مرے چہرے پہ اک سایہ سا لہرایا تھا شاید
وہ آگے کچھ نہیں بولا!

میرا دل دُکھ سے کیسا بھر گیا تھا
مگر تہہ میں خوشی کی لہر بھی تھی
پُرانے لوگ ابھی بھولے نہیں ہم کو
ہمیں بچھڑے اگرچہ
آج سولہ سال تو ہونے کو آئے!

☆

وُہ ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبر آجاتا
تری جُدائی میں کِس طرح صبر آجاتا

فصیلیں توڑ نہ دیتے جو اَب کے اہلِ قفس
تو اور طرح کا اعلانِ جبر آجاتا

وُہ فاصلہ تھا دُعا اور مستجابی میں
کہ دُھوپ مانگنے جاتے تو اَبر آجاتا

وُہ مُجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا

برابری کا بھی ہوتا تو صبر آجاتا

وزیر و شاہ بھی خس خانوں سے نکل آتے
اگر گمان میں انگارِ قبر آجاتا

☆

اُس سے ملنا ہی نہیں ' دِل میں تہیہ کرلیں
وُہ خود آئے تو بہت سَرد رویہ کرلیں

ایک ہی بار گھر راکھ ہو ' جاں تو چھُوٹے
آگ کم ہے تو ہَوا اور مہیا کرلیں

کیا ضمانت ہے کہ وہ چاند اُتر آئے گا
تارِ مژگاں کو اگر عقدِ ثریا کرلیں

سانس اُکھڑ جاتا ہے اَب وقت کی ہم گامی میں
جی میں آتا ہے کہ ہم پاؤں کو پہیہ کرلیں

کوئی پُوچھے کہ زباں کیا ہے تری تو پروین
وقت ایسا ہے کہ بہتر تقیّہ کرلیں

☆

حبس بہت ہے

حبس بہت ہے
اشکوں سے یُوں آنچل گیلے کرکے ہم
دل پر کب تک ہوا کریں
باغ کے در پہ قُفل پڑا ہے
اَور خوشبو کے ہاتھ بندھے ہیں
کِسے صدا دیں
لفظ سے معنی بچھڑ چکے ہیں
لوگ پُرانے اُجڑ چکے ہیں
نابینا قانون وطن میں جاری ہے
آنکھیں رکھنا
جرمِ قبیح ہے
قابلِ دست اندازی حاکمِ اعلیٰ ہے!
حبس بہت ہے!

☆

بہت دِل چاہتا ہے

بہت دل چاہتا ہے
کسی دِن غاصبوں کے نام لکھوں ایک کُھلا خط
لکھوں اس میں
کہ تم نے چور دروازے سے آکر
مرے گھر کا تقدس

جس طرح پامال کر کے
توشہ خانے کو تصرف میں لیا ہے
تمہاری تربیت میں' یہ رویہ
دشمنوں کے ساتھ بھی زیبا نہیں تھا!
کلامِ فتح میں بھی
یہ سخن شامل نہیں تھا!
یہاں تک بھی غنیمت تھا'
تمہارے درپیش رَو' بخت آزمائی میں
زر و سیم و جواہر تک نظر محدود رکھتے تھے
جوانوں کو تہہ تلوار کرتے
مگر ماؤں کی چادر
بیٹیوں کی مسکراہٹ
اور بچوں کے کھلونوں سے
تعّرض کچھ نہ کرتے
مگر تم نے تو حد کر دی
نہ بیت المال ہی چھوڑا
نہ بیوہ کی جمع پونجی
اور اب تم نے
ہماری سوچ کو بھی
راجدھانی کا کوئی حصہ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے
ہمارے خواب کی عصمت پہ نظریں ہیں!
قلم کا چھیننا
آساں نہیں ہے!
یہ درویشوں کی بستی ہے
دبے پاؤں بھی یاں آنے کی تم جرأت نہیں کرنا

کرائے پر
قصیدہ خواں بھی اگر کچھ مل جائیں تو
قبیلے کے کسی سردار کی بیعت نہیں ملنی
ہمارے آخری ساتھی کی تکمیل شہادت تک
تمہیں نصرت نہیں ملنی!

☆

چیلنج

حاکمِ شہر کے ہرکارے نے
آدھی رات کے سناٹے میں
میرے گھر کے دروازے پر
دستک دی ہے
اور فرمان سنایا ہے
''آج کے بعد سے
ملک سے باہر جانے کے سب رستے' خود پر بند سمجھنا
تم نے غلط نظمیں لِکھی ہیں''
اے۔ایس۔آئی سے کیا شکوہ
اُس نے اپنا ذہن کرائے پہ دے رکھا ہے
وہ کیا جانے
مٹی کی خوشبو کیا ہے
ارضِ وطن کے رُخ سے بڑھ کر

آنکھوں کی راحت کیا ہے
حاکمِ وقت کی نظروں میں
میری وفاداری مشکوک ہی ٹھہری تو
مجھ کو کچھ پروا نہیں
جس مٹی نے مجھ کو جنم دیا ہے
میرے اندر شعر کے پُھول کِھلائے ہیں
وُہ اس خوشبو سے واقف ہے
اس کو خبر ہے
فصلِ خزاں کو فصلِ خزاں کہنے کا مطلب
گلشن سے غداری نہیں ہے
اور اگر ایسا ٹھہرا تو
حاکمِ وقت کے ہرکارے
مُجھ پر فردِ جُرم لگائیں
خاکِ وطن کو حُکم سُنائیں!

☆

۶ ستمبر ۱۹۸۷ کے لئے ایک دُعا

اے خدا!
میرے پیارے سپاہی کی تلوار میں زنگ لگنے لگا ہے
اذانوں سے پہلے جو بیدار ہوتے تھے
اب دن چڑھے تک
چھپر کھٹ سے نیچے اُترتے نہیں

www.allurdu.com

دُھوپ اگر سخت ہو جائے

بارش ذرا تیز ہو جائے تو

یہ جواں سال

گھر سے نکلتے نہیں

سرحدوں کے نگہباں اَب کرسیوں کے طلبگار ہیں

اپنے آقا کے دربار میں

جنبشِ چشم و ابرو کی پیہم تلاوت میں مصروف ہیں

سرخمیدہ ہیں

شانے بھی آگے کو نکلے ہوئے

بس نصابِ تملّق کی تکمیل میں منہمک!

میرا دل رو پڑا ہے

اے خُدا

میرے پیارے وطن پر یہ کیسی گھڑی ہے

تراشے ہُوئے جسم

آسائشوں میں پڑے

اپنی رعنائیاں کھو رہے ہیں

ذہن کی ساری یکسوئی مفقود ہے

اہلِ طبل و علم

اہلِ جاہ و حشم بن رہے ہیں

اور اِس بات پر

دیکھتی ہُوں کہ مغرور ہیں!

اے خدا!

www.allurdu.com

میرے پیارے سپاہی کو سرحد کا رستہ دکھا
عشقِ اموال و حُبِ مناصب سے باہر نکال
اس کے ہاتھوں میں
بُھولی ہوئی تیغ پھر سے تھما!

☆

صیّاد تو امکانِ سفر کاٹ رہا ہے
اندر سے بھی کوئی مرے پَر کاٹ رہا ہے

اَے چادرِ منصب، ترا شوقِ گُلِ تازہ
شاعر کا ترے دستِ ہنر کاٹ رہا ہے

جس دن سے شمار اپنا پنہ گیروں میں ٹھہرا
اُس دن سے تو لگتا ہے کہ گھر کاٹ رہا ہے

کس شخص کا دِل میں نے دُکھایا تھا کہ اَب تک
وہ میری دعاؤں کا اثر کاٹ رہا ہے

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سَر کاٹ رہا ہے

☆

اگرچہ تُجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
مگر یہ دل تری جانب سے صاف بھی نہ ہوا

تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مُجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

عجب تھا جرم محبت کہ جس پہ دل نے مرے
سزا بھی پائی نہیں اور معاف بھی نہ ہوا

ملامتوں میں کہاں سانس لے سکیں گے وہ لوگ
کہ جن سے کوئے جفا کا طواف بھی نہ ہوا

عجب نہیں ہے کہ دل پر جمی ملی کائی
بہت دنوں سے تو یہ حوض صاف بھی نہ ہوا

ہوائے دہر ! ہمیں کِس لئے بجھاتی ہے
ہمیں تو تُجھ سے کبھی اختلاف بھی نہ ہوا

☆

رستے میں مل گیا تو شریک سفر نہ جان
جو چھاؤں مہرباں ہو اُسے اپنا گھر نہ جان

تنہا ہوں اس لئے نہیں جنگل سے بھی مفر
اے میرے خوش گماں مجھے اتنا نڈر نہ جان

ممکن ہے باغ کو بھی نکلتی ہو کوئی راہ!
اس شہرِ بے شجر کو بہت بے ثمر نہ جان

یاں اِک محل تھا آگے زر وسیم سے بنا
اے خوش خرام! دل کو ہمارے کھنڈر نہ جان

دُکھ سے بھری ہے لیک میّسر تو ہے حیات
اس رنج کے سفر کو بھی بارِ دگر نہ جان

☆

اِسی میں خوش ہوں مرا دُکھ کوئی تو سہتا ہے
چلی چلوں گی جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے

زمینِ دل یونہی شاداب تو نہیں اَے دوست
قریب میں کوئی دریا ضرور بہتا ہے

گھنے درختوں کے گرنے پہ ماسوائے ہوا!
عذابِ در بدری اور کون سہتا ہے

نجانے کون سا فقرہ کہاں رقم ہوجائے

www.allurdu.com

دلوں کا حال بھی اب کون کس سے کہتا ہے

مقامِ دل کہیں آبادیوں سے ہے باہر
اور اس مکان میں جیسے کہ کوئی رہتا ہے

مرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی!
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

☆

ثنائے انجم و تسبیحِ کہکشاں کیلئے
یہ وہ زمیں ہے بنی تھی جو آسماں کیلئے

سفر کے باب میں کتنے عجیب لوگ ہیں ہم
کہاں کا قصد کیا چل پڑے کہاں کیلئے

ہوا کا زور کسی شب تو جاکے ٹوٹے گا
بچائے رکھنا ہے کوئی دیا مکاں کیلئے

فضا میں دُھند بہت بڑھ گئی ہے جب کوئی چشم
ستارہ بننے لگی میرے بادباں کیلئے

شرارِ برق نہ زحمت کرے توجہ کی
بہت سی آگ میسّر ہے آشیاں کیلئے

www.allurdu.com

سفید پوشیِ دیوار و در نہ کُھل جائے
بُجھائے دیئے ہیں چراغ اب تو مہماں کیلئے

فسانہ اپنا کسی اور باب میں ہے رقم
ہے انتخاب کسی اور داستاں کیلئے
ہوا پہ لکّھا ہوا حرف ہی سہی دنیا
تمام رنگ اِسی نقش رائیگاں کیلئے

☆

کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی
محور سے زمین ہٹ گئی تھی

تجھ کو بھی نہ مل سکی مکمّل
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی

شاید کہ ہمیں سنوار دیتی
جو شب آکر پلٹ گئی تھی

رستہ تھا وہی پہ بن تمہارے
میں گرد میں کیسی اَٹ گئی تھی

پَت جھڑ کی گھڑی تھی اور شجر سے
اِک بیل عجب لپٹ گئی تھی

☆

یوں وحشتِ رخصت میں نہ اِس دل کو رکھا جائے
جانا ہے کسی کو تو اچانک ہی چلا جائے

پَیوند کہاں تک لگیں اَب خرقۂ غم کو
اس پوشش رُسوائی کو تبدیل کیا جائے

اِک چادرِ دلداری ہے اس طرح سے مُجھ پر
تن ہے کہ اُلجھتا رہے، سر ہے کہ کُھلا جائے

سب کیلئے جاری ہے تو اے حُسنِ جہانگیر
اس بار غریبوں سے بھی انصاف کیا جائے

ہیں سرخ قبا اتنے کہ مشکل میں صبا ہے
تزئین گلستاں کے لئے کس کو چُنا جائے

سمجھوتہ ہے تو اشکِ ندامت سے رقم ہو
اعلانِ بغاوت ہے تو پھر خوں سے لکھا جائے

اے گردشِ دَوراں ترے احسان بہت ہیں
کُچھ دیر ترے ساتھ بھی اَب رقص کیا جائے

☆

دُنیا سے بے نیاز ہوں ' اپنی ہوا میں ہوں
جب تک میں تیرے دل کی محبت سرا میں ہوں

اک تخت اور میرے برابر وہ شاہ زاد
لگتا ہے آج رات میں شہرِ سبا میں ہوں

خوشبو کو رقص کرتے ہُوئے دیکھنے لگی
سحرِ بہار میں کہ طلسمِ صبا میں ہوں

ورنہ غبارِ ماہ بھی کب مُجھ کو چھوسکا
آہستہ رو ہوئی ہوں کہ شہرِ نوا میں ہوں

جیسے کوئی عقاب سے بلاتا ہے باربار
بچپن سے اِک عجیب سرابِ صدا میں ہوں

اس دل کو جب سے غم کی ضمانت میں دے دیا
اُس وقت سے کسی کے حصارِ دُعا میں ہوں

☆

www.allurdu.com

تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے
پھر موسمِ بہار مرے گلستاں میں ہے

اِک خواب ہے کہ بارِ دگر دیکھتے ہیں ہم
اِک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے

تابشِ میں اپنی مہرو نجم سے سوا
جگنو سی یہ زمیں جو کفِ آسماں میں ہے

اِک شاخ یاسمین تھی کل تک خزاں اثر
اور آج سارا باغ اُسی کی اماں میں ہے

خوشبو کو ترک کرکے نہ لائے چمن میں رنگ
اتنی تو سُوجھ بوجھ مرے باغباں میں ہے

لشکر کی آنکھ مالِ غنیمت پہ ہے لگی
سالارِ فوج اور کسی امتحاں میں ہے

ہر جاں نثار یاد دہانی میں منہمک
نیکی کا ہر حساب دلِ دوستاں میں ہے

حیرت سے دیکھتا ہے سمندر مری طرف
کشتی میں کوئی بات ہے یا بادباں میں ہے

اُس کا بھی دھیان جشن کی شب اے سپاہِ دوست

www.allurdu.com

باقی ابھی جو تیر، عُدو کی کماں میں ہے

بیٹھے رہیں گے، شام تلک تیرے شیشہ گر
یہ جانتے ہُوئے کہ خسارہ دکاں میں ہے

مسند کے اتنے پاس نہ جائیں کہ پھر کُھلے
وہ بے تعلقی جو مزاجِ شہاں میں ہے

ورنہ یہ تیز دُھوپ تو چُبھتی ہمیں بھی ہے
ہم چُپ کھڑے ہُوئے ہیں کہ تُو سائباں میں ہے

☆

بہار اپنی بہار پر ہے

درخت اپنا لباس تبدیل کر رہے ہیں
کہیں کِسی شاخ سبز کی اوڑھنی پہ ہلکی سنہری سی گوٹ لگ رہی ہے
کہیں کسی زرد رنگ پتّی کا حاشیہ سرخ ہو رہا ہے
کہیں قبائے شجر گلابی سی ہو گئی ہے
کہیں ہرے پیڑ زرد، نارنج چادریں اوڑھنے لگے ہیں
کہیں فقط قرمزی سی اک روشنی درختوں پہ اپنا ہالہ کئے ہوئے ہے
کہیں پہ کنجِ چمن شہابی دِلوں کی لَو سے دمک اُٹھا ہے
کہیں پہ جیسے زمرّدیں شاخسار پر لعل کِھل اُٹھے ہیں
فضا میں یاقوت بہہ رہا ہے
ہوا کے رخسار سرخ ہونے لگے ہیں

www.allurdu.com

اِک خوشگوار ٹھنڈک نے شہر کو بازوؤں میں اپنے سمیٹ کر
خوش دِلی سے یوں پیار کرلیا ہے
کہ صبح گلنار ہوگئی ہے!
تمام پیڑوں کے ہاتھ سے پھول گر چکے ہیں
پر ایسا لگتا ہے
جیسے رنگ میں آ گیا رنگ ریز کوئی
بڑی مہارت سے
ایک اِک پیڑ کی قبا رنگنے میں مصروف ہوگیا ہے
کہیں پہ شبنم کی آب ہے
اور کہیں پہ ابرق ہے دُھوپ کی
جس کی روشنی میں
مرا چمن جھلملا رہا ہے
خزاں کا چہرہ نکھار پر ہے
اک اور منظر کے رنگ و بُو کی
بہار اپنی بہار پر ہے!

☆

شہزادی کا المیہ

محل کے نیچے
ہجومِ عُشاق منتظر ہے
کہ خواب گہ کا حریری پردہ ذرا ہٹے تو
سب اپنے اپنے شناخت نامے ہوا میں لہرائیں
اور یہ کہنے کا موقع پائیں

کہ عُلیا حضرت!
ہمیں بھی پہچانیئے
کہ ہم نے
خزاں کی رُت میں
سیاہ اپریل کے اوائل میں
شام بے وارثی اترنے کی ساعتِ بے لحاظ میں
دودمانِ عالی جناب کو چادرِ عزا نذر کی تھی
جن کے کناروں پر تارِ خوں سے اب تک
ہمارے ناموں کے حرفِ اوّل کشیدہ ہوں گے
جو خامشی سے، کُھلے سروں اور ننگے قدموں سے
پارۂ نان و جُرعۂ آب لے کے
اُس شام سمتِ مقتل گئی تھیں
وہ عورتیں ہمارے نکاح میں تھیں
سوادِ شہرِ صبا میں
خوشبو کی واپسی کیلئے
وہ ہم تھے
جو مثلِ خاشاک دَر بدر تھے
شمالی یورپ کے دُور افتادہ یخ کدے میں
تمام تر مرکزی نظامِ حرارت و نور و نغمگی میں
وہ ہم تھے جو
سخت اجنبیت کی برفباری میں جل رہے تھے
اور اپنے گھر بار، اپنی املاک، اپنے پیشوں سے دُور ہو کر
نئے وسیلوں سے رزق کی دوڑ میں تھے شامل
خمیری روٹی کی یاد میں
سینوچ پہ کرتے رہے گزارا

www.allurdu.com

(یہ کارِ غالیچہ و جواہر تو صرف فرصت کا مشغلہ تھے)۔
جو لوگ گمنام و سادہ دل تھے
سرشتِ موسم نہیں سمجھتے تھے
اور پیچھے وطن میں رہ کر
ہمارے حصّے کے دن
عقوبت کدوں میں تنہا گزارنے
اور ہمارے حصے کے کوڑے بھی
نوش جان کرنے میں منہمک تھے
(شراکت کار بھی تو کوئی اصول ٹھہرا)
مُباح ہوگا کہ ان کی قربانیوں کا بھی کچھ حساب ہو جائے
اور عطا ہو
انہیں بھی
دینارِ سرخ و رہوارِ مُشک و اراضیِ سبزۂ آفرین و
کلاہِ زرتار و خلعتِ کارِ چوب و دوشالہ شاہ طوسی!

جہاں پنہ!
یہ تو دیکھئے
آپ کیلئے
ترک ہم نے کیا کچھ کیا ہے اب تک
کہیں ترقی کا ایک زینہ
کہیں عنایاتِ خُسروی کا کوئی وسیلہ
کہیں کوئی منفعت اثر رشتۂ سیاست
کہیں کوئی سیم رنگ شملہ
کہیں کوئی زرنگار طرّہ
اور ان سے بڑھ کر

www.allurdu.com

وطن کی خوشبو، وطن کی گرمی!

ہمارے ایثار کے تناسب سے
اب صِلے کی نوید پہنچے
کسی دیارِ غزال چشماں و گل عذاراں میں ہم کو تفویض ہو سفارت
مناصب و مال و فصل و املاک کی وزارات
نہیں تو بابِ مشاورت ہی کُھلے کسی پر
جو یہ نہیں تو
کسی علاقے کی صُوبہ داری
کسی ریاست میں منصبِ چار دہ ہزاری
بکارِ خاص افسروں کی لمبی قطار ہی میں کوئی جگہ دیں
ہمیں صِلہ دیں!

کسی طرح قُربِ تاج و دربار کی فضیلت ہمیں عطا ہو
حُضور کی بارگاہِ جود و سخا میں
حاضر جو ہونا چاہیں
تو کوئی درباں ہمیں نہ روکے
تو کوئی حاجب، مقرّبِ خاص تک نہ ٹوکے
غلام گردش میں مثلِ موجِ صبا گزرنے کی ہو اجازت!

یہ کیا کہ
ہم سے بہت کہیں بعد آنے والے تو راج رتھ میں اڑے پھریں
اور ہم فقط گردِ راہ دیکھیں!
ہمیں صلہ دیں!

عریضوں اور عرضیوں کے طوفان پنہ میں
گھری ہوئی ایک شاہزادی
کبھی کبھی سوچتی تو ہوگی
کہ اپنی چھوٹی سی سلطنت کو
جو پہلے ہی دشمنوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہی ہے
خود اپنی پیاری سپاہ سے کس طرح بچائے!

☆

سیرِ دُنیا کرے دل' باغ کا در تو کھولے
یہ پرندہ کبھی پرواز کو پَر تو کھولے

مَیں تو' تا عمر' ترے شہر میں رُکنا چاہوں
کوئی آکر مرا اسباب سفر تو کھولے

خود بھی جنگل کو مُجھے کاٹنا آجائے
پَر وہ شہزادہ مری نیند کا در تو کھولے

پُھول کچھ تیز مہک والے بھی اِس بار کِھلیں
آکے برسات مرا زخم جگر تو کھولے

کتنی آنکھیں ہیں جو بُھولی نہیں شب پیمائی
بانوئے شہر مگر لُطف کا دَر تو کھولے

☆

شہر کے سارے معتبر آخر اُسی طرف ہوئے
جانبِ لشکرِ عُدو' دوست بھی صف بہ صف ہوئے

جاں سے گذر گئے مگر بھید نہیں کُھلا کہ ہم
کس کی شکار گاہ تھے کس کیلئے ہدف ہوئے

مشہدِ عشق کے قریب صبح کوئی نہیں ملا
وہ بھی کہ جن کے ضامنی اہلِ قُم و نجف ہوئے

اب تو فقط قیاس سے راہ نکالی جائے گی
جن میں تھیں کچھ بشارتیں خواب تو وہ تلف ہوئے

خانۂ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آگیا
تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرف ہوئے

☆

زندگی کی دُھوپ میں اس سر پہ اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اَپنا گھر تو ہے

جو بھی آئے گا یہاں دستک تو دے کر آئے گا

اِک حدِ دیوار تو ہے اِک حصارِ در تو ہے

یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنی جنگ میں تنہا نہیں
کار زارِ زندگی میں میرا اِک لشکر تو ہے

کون ہے اَب تک عناصر کو بہم رکھے ہوئے
موسمِ بے چہرگی میں کوئی صورت گر تو ہے

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قِصّہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے

اِک جھلک اُس کے ارادوں کی یہاں بھی دیکھ لی
فیصلے کے باب میں گو عرصۂ محشر تو ہے

سانحہ دو نیم ہونے کا پرانا تو نہیں !
اور دلوں میں بھی، ابھی تاریخ کا کُچھ ڈر تو ہے

ڈھونڈے گا پھر اُفق کھوئی ہوئی پرواز کا
دیکھنے میں آج یہ طائرشکستہ پر تو ہے

آسمانِ سبز گوں پر ایک تارہ ایک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو یہ خوشنما منظر تو ہے

☆

ہوائے تازہ میں پھر جسم و جاں فسانے کا
دریچہ کھولیں کہ ہے وقت اُس کے آنے کا

اثر ہوا نہیں اُس پر ابھی زمانے کا
یہ خواب زاد ہے کردار کِس فسانے کا

کبھی کبھی وہ ہمیں بے سبب بھی ملتا ہے
اثر ہُوا نہیں ہے اُس پر ابھی زمانے کا

ابھی میں ایک محاذِ دگر پہ اُلجھی ہوں
چُنا ہے وقت یہ کیا مجھ کو آزمانے کا

کُچھ اِس طرح کا پُر اسرار ہے ترا لہجہ
کہ جیسے راز کُشا ہو کسی خزانے کا

☆

دُعا یہ کی ہی نہیں تُو مِرا مقدّر ہو
ہوا کی طرح مگر سانس بھر میّسر ہو

اِسی طرح رہیں گردش میں میرے شام وسحر
تُو ہی مدام مری زندگی کا محور ہو

www.allurdu.com

سپہرِ عمر میں جس وقت شام ہوجائے
کوئی چراغ جلانے کو گھر کے اندر ہو

کوئی بتائے کہ جشنِ بہار کیسے منائیں
اِک ایسی بیل جو صحنِ چمن کے باہر ہو

کبھی کبھی تو دلِ مضطرب یہ چاہتا ہے
کہ چاند رات ہو اور سامنے سمندر ہو

یہ دل میّسر و موجود سے بہلتا نہیں
کوئی تو ہو جو مری دسترس سے باہر ہو

☆

راہِ دشوار کی جو دُھول نہیں ہوسکتے
ان کے ہاتھوں میں کبھی پھول نہیں ہوسکتے

تیرے معیار پہ پورے نہ اُترنے والے
منصبِ عشق سے معزول نہیں ہوسکتے

اتنا خوں ہے مرا گلشن میں کہ اب میرے خلاف
پیڑ ہوجائیں مگر پھول نہیں ہوسکتے

حاکمِ شہر کے اطراف وہ پہرہ ہے کہ اب

www.allurdu.com

شہر کے دُکھ اُسے موصول نہیں ہو سکتے

فیصلے جن سے ہو وابستہ وطن کی قسمت
صرف اندازوں پہ محمول نہیں ہو سکتے

خُون پینے کو یہاں کوئی بلا آتی ہے
قتل تو روز کا معمول نہیں ہو سکتے

جُنبشِ اَبرُوئے شاہاں نہ سمجھنے والے
کسی دَربار میں مقبول نہیں ہو سکتے

☆

زندگی بے سائباں، بے گھر کہیں ایسی نہ تھی
آسمان ایسا نہیں تھا اور زمیں ایسی نہ تھی

ہم بچھڑنے سے ہُوئے گمراہ ورنہ اس سے قبل
میرا دامن تر نہ تھا تیری جبیں ایسی نہ تھی

اب جو بَدلا ہے تو اپنی رُوح تک حیراں ہوں
تیری جانب سے میں شاید بے یقیں ایسی نہ تھی

بدگمانی جب نہ تھی، تُو بھی نہیں تھا معترض
میں بھی تیری شخصیت پر نکتہ چیں ایسی نہ تھی

کیا مرے دل اور کیا آنکھوں کا حصّہ ہے مگر
چادرِ شب اس سے پہلے شبنمیں ایسی نہ تھی

کیا ہوا آئی کہ اتنے پھول دل میں کھل گئے
پچھلے موسم میں یہ شاخِ یاسمیں ایسی نہ تھی

☆

ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جائے
مری طرح سے کوئی زندگی تو کر جائے

تمام عمر تاسّف میں ہی بسر ہوگی
تری طرف سے نظر بے رخی تو کر جائے

چراغِ دِل تہہِ محرابِ جاں نہ چھوڑے گی
ہوا کے ساتھ کوئی دشمنی تو کر جائے

پھر اِس کے بعد جہاں میں کہیں پناہ نہیں
ترے حضور یہ جاں سرکشی تو کر جائے

وہ دشمنی کے بھی قابل نہ مجھ کو چھوڑے گا
اُس آدمی سے یہ دل دوستی تو کرجائے

www.allurdu.com

☆

ہر ذرّہ جیسے آئنہ بردوش ہوگیا
یہ کون تھا جو خاک میں روپوش ہوگیا

اس کشمکش میں ہم نے ہی کھینچا وفا سے ہاتھ
بارِ جفا سے کوئی سُبکدوش ہوگیا

اِک دل اور اُس پہ اتنا ہجومِ غم والم
اچھا ہوا کہ زُود فراموش ہوگیا

آوازِ احتجاج ہی مدہم تھی یا کہ پھر
وہ شور تھا کہ شہر گراں گوش ہوگیا

اک شخص کیا گیا کہ بھرا شہر دفعتاً
بے حوصلہ و بد دل وکم کوش ہوگیا

تُو انتخابِ رنگ میں مصروف اور ادھر
کوئی ترے جنوں میں سیہ پوش ہوگیا

اِک شخص ٹوکتا تھا بہت اہلِ شہر کو
مژدہ کہ آج رات وہ خاموش ہوگیا

☆

حلقہ در حلقہ برائے پندو وعظ آنے لگے
تیرے کوچے میں گئے اور لوگ سمجھانے لگے

عکسِ بے منظر سے دل تسکیں سی پانے لگے
دُھوپ میں جیسے کوئی آئینہ چمکانے لگے

باغ اور ابرِ بہار اور رات اور خوشبوئے دوست
ایک خواہش سو طرح کے رنگ دکھلانے لگے

اتنی خاموشی بھی گرد و پیش میں طاری نہ ہو
دل دھڑکنے کی صدا کانوں میں صاف آنے لگے

زرد ہوتا جارہا ہے صحنِ دل کا ہر شجر
جس طرح اندر ہی اندر دُکھ کوئی کھانے لگے

تیری دُنیا سے نکل جاؤں میں خاموشی کے ساتھ
قبل اس کے تُو مرے سائے سے کترانے لگے

پیش آثارِ قدیمہ رُک گئے میرے قدم
شہر کے دیوار و در کچھ جانے پہچانے لگے

☆

www.allurdu.com

دل کی بربادی کا کوئی سلسلہ پہلے سے تھا
اِس چراغِ شب پہ الطافِ ہوا پہلے سے تھا

اُس کے یوں ترکِ محبت کا سبب ہوگا کوئی
جی نہیں یہ مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا

دونوں اپنی زندگی کے جھٹپٹے میں ہیں مگر
اِس طرح مِلنا مقدّر میں لکھا پہلے سے تھا

اَب تو زخمِ دل نمک خوارِ توجّہ ہے ترا
نام پر جاری ترے حرفِ دُعا پہلے سے تھا

راستہ بُھولا نہیں اَب کے پرندِ خوش خبر
اَور کچھ اُجڑا ہُوا شہرِ سبا پہلے سے تھا

تیرے آنے سے تو بس زنجیر ہی بدلی گئی
ہم اسیروں پر جفا کا باب وا پہلے سے تھا

☆

اُسی دِن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے
مگر کیا رُوٹھنا اُس سے وہ اپنی دُھن میں رہتا ہے

www.allurdu.com

مداراتِ اَلم میں وہ نہیں شرکت کا کچھ قائل
نہ اپنے دُکھ بتاتا ہے نہ میرے رنج سہتا ہے

لبِ خاموش، چشمِ خشک کیا سمجھائیں گے تجھکو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

مجھے تجھ سے جُدا رکھتا ہے اور دُکھ تک نہیں ہوتا
مرے اندر تو ترے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے

خیالِ یار ابھی روشن، ابھی نظروں سے اوجھل ہے
ابھی یہ ریشمیں دریا پہاڑوں میں ہی بہتا ہے

☆

چارہ سازوں کی اذیّت نہیں دیکھی جاتی
تیرے بیمار کی حالت نہیں دیکھی جاتی

دینے والے کی مشیّت پہ ہے سب کچھ موقوف
مانگنے والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

دن بہل جاتا ہے لیکن ترے دیوانوں کی
شام ہوتی ہے تو وحشت نہیں دیکھی جاتی

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن

www.allurdu.com

ہم سے اِن آنکھوں کی حسرت نہیں دیکھی جاتی

کون اُترا ہے یہ آفاق کی پہنائی میں
آئینہ خانے کی حیرت نہیں دیکھی جاتی

☆

جُز غبارِ راہ کچھ پیش نظر رکھا نہیں
ہم نے اپنے ساتھ اسبابِ سفر رکھّا نہیں

ایک کُوزہ، اِک عصا، اِک خرقۂ گِل کے سوا
ہم فقیروں نے کسی نعمت کو گھر رکھا نہیں

ایک بار اُس نے مرے عیبوں پہ پردہ رکھ لیا
اس رعایت کو مگر بارِ دگر رکھا نہیں

رات تھے گھر پر چراغ اور عطر اُس کے منتظر
پاؤں تک لیکن ہوا نے بام پر رکھّا نہیں

جنگلوں میں شام اُتری، خون میں ذاتِ قدیم
دل نے اُس کے بعد انہونی کا ڈر رکھا نہیں

☆

پہنچے جو سرِ عرش تو نادار بہت تھے
دُنیا کی محبت میں گرفتار بہت تھے

گھر ڈُوب گیا اور اُنہیں آواز نہیں دی
حالانکہ مرے سلسلے اُس پار بہت تھے

چھت پڑنے کا وقت آیا تو کوئی نہیں آیا
دیوارِ گرانے کو رضاکار بہت تھے

گھر تیرا دکھائی تو دیا دُور سے لیکن
رستے تری بستی کے پُراسرار بہت تھے

ہنستی ہوئی آنکھوں کا نگر کہتے رہے ہم
جس شہر میں نوحے پسِ دیوار بہت تھے

یہ بے رُخی اک روز تو مقسوم تھی اپنی
ہم تیری توجّہ کے طلبگار بہت تھے

آسائشِ دُنیا کا فسوں اپنی جگہ ہے
اس سُکھ میں مگر روح کے آزار بہت تھے

☆

وقت ہوتا کہ مرا بخت عناں گیر' سو ہے
تجھ سے ملنے میں یونہی ہونی تھی تاخیر' سو ہے

ہم ہی اِس بار تپِ غم سے نہ بچنے پائے
وہ جو ہوتی تھی ترے ہاتھ میں تاثیر' سو ہے

اتنی دشوار نہیں تھی گرہِ غم کی کشود
بے ہنر ہی تھا مرا ناخنِ تدبیر سو ہے

رَم بہت تجھ میں ہے لیکن مرے خوابوں کے غزال
دل کو ہونا تھا ترے پاؤں کی زنجیر' سو ہے

میں ستاروں کی سفارش بھی اگر لے آتی
یہی لِکھّی تھی مرے خوابوں کی تعبیر' سو ہے

☆

موجۂ گُل کو ہم آواز نہیں کرسکتے
دِن ترے نام سے آغاز نہیں کرسکتے

اس چمن زار میں ہم کو سبزۂ بیگانہ سہی
آپ کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے

عشق کرنا ہے تو پھر سارا اثاثہ لائیں

اس میں تو کچھ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

دُکھ پہنچتا ہے بہت دل کو رویے سے ترے
اور مداوا ترے الفاظ نہیں کر سکتے

عشق میں یہ بھی کُھلا ہے کہ اُٹھانا غم کا
کارِ دشوار ہے اور بعض نہیں کر سکتے

☆

.... لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی

اِک عُمر کے بعد اس کو دیکھا!
آنکھوں میں سوال تھے ہزاروں
ہونٹوں پہ مگر وہی تبّسم!
چہرے پہ لکھی ہوئی اُداسی
لہجے میں مگر بلا کا ٹھہراؤ
آواز میں گونجتی جُدائی
بانہیں تھیں مگر وصال ساماں!

سمٹی ہوئی اس کے بازوؤں میں
تا دیر میں سوچتی رہی تھی
کس ابرِ گریز پا کی خاطر
میں کیسے شجر سے کٹ گئی تھی
کس چھاؤں کو ترک کر دیا تھا

www.allurdu.com

میں اُس کے گلے لگی ہوئی تھی
وہ پُونچھ رہا تھا مرے آنسو
لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی!

☆

GOOD TO SEE YOU

بہت دنوں کے بعد اُسے
اک محفل میں دیکھا تھا
اک لمحے کو ہجر و وصال کے سارے موسم
آنکھوں میں لہرا سے گئے
دل میں چراغ سے جل اُٹھے
اس سے گلے ملنے کے تصّور سے ہی
جیسے سارا وجود
پُھول کی صُورت کِھل اُٹھا
اُن ہاتھوں کے لمس کو سوچ کے
سارا جسم سُلگ اٹھا
اُن ہونٹوں کی گرم گلابی نرمی کا خوش رنگ خیال
ہونٹوں پہ مسکا اُٹھا!

حلقۂ یاراں سے آخر
میری طرف وہ بھی آیا بھی
میری جانب دیکھا بھی
پر جو کہا تو اتنا کہا

آپ سے مِل کر خوشی ہوئی
میرے صحنِ دل میں اچانک ہونے والی
پت جھڑ سے یکسر لا علم!

☆

ایک منظر

کچا سا اِک مکاں ' کہیں آبادیوں سے دُور
چھوٹا سا ایک حُجرہ ' فرازِ مکان پر
سبزے سے جھانکتی ہُوئی کھپریل والی چھت
دیوار چوب پر کوئی موسم کی سبز بیل
اُتری ہوئی پہاڑ پہ برسات کی وہ رات
کمرے میں لالٹین کی ہلکی سی روشنی
وادی میں گھومتا ہوا اِک چشمہ شریر
کھڑکی کو چُومتا ہوا بارش کا جلترنگ
سانسوں میں گونجتا ہوا اِک اَن کہی کا بھید!

☆

اُس نے پھُول بھیجے ہیں

اُس نے پھُول بھیجے ہیں
پھر مری عیادت کو
ایک ایک پتی میں

www.allurdu.com

اُن جمیل ہاتھوں کی
خوشگوار حدّت ہے
اُن لطیف سانسوں کی
دلنواز خوشبو ہے

دِل میں پھول کِھلتے ہیں
رُوح میں چراغاں ہے
زندگی معطّر ہے!

پھر بھی دِل یہ کہتا ہے
بات کچھ بنا لیتا
وقت کے خزانے سے
کاش وہ خود آجاتا!

☆

HOT LINE

اُس کو مجھ سے کِتنا گِلہ تھا
''میرے اور تمہارے بیچ
اتنے لوگ آجاتے ہیں
بات نہیں ہوسکتی ہے

موسم کی پہلی بارش میں
رُت کی پہلی برفوں میں
پُورے چاند کی راتوں میں

شام کی مدّھم خوشبو میں
صبح کی نیلی ٹھنڈک میں
کتنا بے بس ہوتا ہوں
دِل کتنا دُکھ جاتا ہے!"

آج مرے اور اس کے بیچ
کوئی تیسرا فرد نہیں ہے
ہاتھ کی اِک ہلکی جنبش سے
مجھ سے رابطہ ہو سکتا ہے
لیکن وہ آواز سُنے
کِتنے موسم بیت گئے
میرے لئے بھی اُس کو بلانا
اِتنا مشکل نہیں رہا
لیکن سچی بات یہ ہے کہ
لہجوں اور آوازوں کے
ویسے رنگ نہیں ہیں اب
دُھن تو وہی ہے لیکن دِل
ہم آہنگ نہیں ہیں اب!

☆

VANITY THE NAMEM IS.......

بہت سادہ ہے وہ
اور اُس کی دُنیا' میری دُنیا سے سراسر مختلف ہے

الگ ہیں خواب اُس کے
زندگی میں اُس کی ترجیحات ہی کچھ اور لگتی ہیں
بہت کم بولتا ہے
مجھے اُس نے لکھا ہے
صبح
میں نے لان میں کچھ خوبصورت پھول دیکھے
مجھے بے ساختہ یاد آ گئیں تم!

مجھے معلوم ہے
میں عمر کے اُس ملگجے حصّے میں ہوں
جب میرا چہرہ
کسی بھی پُھول سے قربت نہیں رکھتا
مگر جی چاہتا ہے
اس کی باتوں پر
ذرا سی دیر کو ایمان لے آؤں!

☆

دِل کو مہر و مہ و انجم کے قریں رکھنا ہے
اِس مسافر کو مگر خاک نشیں رکھنا ہے

سہہ لیا بوجھ بہت کوزہ چوب و گِل کا
اب یہ اسباب سفر ہم کو کہیں رکھنا ہے

ایک سیلاب سے ٹوٹا ہے ابھی ظلم کا بند
ایک طوفاں کو ابھی زیرِ زمیں رکھنا ہے

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہری
صبح ہونے کا مگر دل میں یقیں رکھنا ہے

درد نے پوری طرح کی نہیں تہذیب اس کی
ابھی اِس دل کو ترا حلقہ نشیں رکھنا ہے

☆

جب کبھی خوبیِ قسمت سے تجھے دیکھتے ہیں
آئینہ خانے کی حیرت سے تُجھے دیکھتے ہیں

وہ جو پامالِ زمانہ ہیں مرے تخت نشیں
دیکھ تو کیسی محبت سے تُجھے دیکھتے ہیں

کاسئہ دید میں بس ایک جھلک کا سکہ
ہم فقیروں کی قناعت سے تُجھے دیکھتے ہیں

تیرے کوچے میں چلے جاتے ہیں قاصد بن کر
اور اکثر اسی صُورت سے تُجھے دیکھتے ہیں

تیرے جانے کا خیال آتا ہے گھر سے جس دم
در و دیوار کی حسرت سے تجھے دیکھتے ہیں

www.allurdu.com

کہہ گئی بادِ صبا آج ترے کان میں کیا
پھول کس درجہ شرارت سے تجھے دیکھتے ہیں

تجھ کو کیا علم تجھے ہارنے والے کچھ لوگ
کس قدر سخت ندامت سے تُجھے دیکھتے ہیں

☆

اُمید معجزہ یک نظر پہ زندہ ہیں
طبیبِ سنہر دُعا کے اثر پہ زندہ ہیں

ہم اہلِ حاجت و اربابِ احتیاج تو کیا
فقیہہ شہر بھی اب حُبّ زر پہ زندہ ہیں

یہ اور بات کہ حاکم تھے بیشتر نااہل
ہم ایسے لوگ تو صرف نظر پہ زندہ ہیں

خُدا کرے کہ ہوا کو ابھی پتہ نہ چلے
کہ کچھ چراغ مرے بام و در پہ زندہ ہیں

رہِ وفا میں ابھی ہیں کچھ ایسے لوگ کہ جو
سفر سے بڑھ کے خیالِ سفر پہ زندہ ہیں

عطا ہوئی جنہیں دربار سے کبھی خلعت

خیالِ بخشش بارِ دگر پہ زندہ ہیں

☆

گلابی پھول دِل میں کِھل چکے تھے
ہم اس موسم میں تجھ سے مل چکے تھے

توجہ سے تری پھر کُھل رہے تھے
وگرنہ زخم تو یہ سِل چکے تھے

ستون کتنا سہارا ان کو دیتے
جو گھر بُنیاد سے ہی ہل چکے تھے

پُرانی اجنبیت لوٹ آئی
ہم اُن سے اور وہ ہم سے مل چکے تھے

تروتازہ تھی جاں راہِ جنوں میں
اگرچہ پاؤں اپنے چھل چکے تھے

☆

تمہاری زندگی میں

تمہاری زندگی میں

میں کہاں پر ہوں؟
ہوائے صبح میں
یا شام کے پہلے ستارے میں
جھجکتی بوندا باندی میں
کہ بے حد تیز بارش میں
روپہلی چاندنی میں
یا کہ پھر تپتی دوپہروں میں
بہت گہرے خیالوں میں
کہ بے حد سرسری دُھن میں
تمہاری زندگی میں
میں کہاں پر ہوں؟

ہجومِ کار سے گھبرا کے
ساحل کے کنارے پر
کِسی ویک اینڈ کا وقفہ
کہ سگرٹ کے تسلسل میں
تمہاری انگلیوں کے بیچ
کوئی بے ارادہ ریشمیں فرصت؟
کہ جامِ سُرخ سے
یکسر تہی
اور پھر سے
بھر جانے کا خوش آداب لمحہ
کہ اِک خوابِ محبت ٹوٹنے
اور دُوسرا آغاز ہونے کے
کہیں مابین اک بے نام لمحے کی فراغت؟

تمہاری زندگی میں
میں کہاں پر ہوں؟

☆

ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔

ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا
ترے شانوں پہ کوئی چھت نہیں تھی
مرے ذمّے کوئی آنگن نہیں تھا
کوئی وعدہ تری زنجیرِ پا بننے نہیں پایا
کسی اقرار نے میری کلائی کو نہیں تھاما
ہوائے دشت کی مانند
تُو آزاد تھا
رستے تری مرضی کے تابع تھے
مجھے بھی اپنی تنہائی پہ
دیکھا جائے تو
پورا تصرّف تھا!

مگر جب آج تُو نے
راستہ بدلا
تو کچھ ایسا لگا مجھ کو
کہ جیسے تُو نے مُجھ سے بے وفائی کی!

☆

نیا گرہ فالز

فرازِ کوہ سے گرتی ہوئی سیّال چاندی
نگارِ زندگی کا خوابِ سیمیں
طلسم آب میں عکسِ سپہر لاجوردی دم بخود ہے
فسونِ رنگ میں ڈوبی زمینِ آبنوسی ہفت پیکر ہوگئی ہے
خم محرابِ کوہِ ارغوانی پر
روپہلی مسکراہٹ ہے
ستارہ دار جیسے
قوسِ آبِ نیلمیں کے گرد چکر کاٹتی ہیں
عجب آواز ہے یہ
عجب قوت سے یہ اپنی طرف مجھ کو بلاتے ہیں
لہو میں رقص کرتی جا رہی ہے وحشت پیہم
دریں وحشت بطرزِ آہوئے دیوانہ می رقصم
کہ آب آتش شُد و من صُورتِ پروانہ می رقصم

☆

ویسٹ منسٹر ایبے

قدم نہیں اُٹھتے ہیں
جانے کس کے سر پہ

www.allurdu.com

کس کے دل پر
پاؤں پڑ جائے
یہاں اس ٹھنڈے فرش کے نیچے
گرمیِ خواب سے جلنے والی
کتنی آنکھیں خوابیدہ ہیں
کتنے کشیدہ سر اب کیسے خمیدہ ہیں
وہ جو دنیاوی فرہنگ میں
خوش طالع کہلاتے تھے
جن کے بخت کا تارہ
وقت کے ماتھے پر کچھ ایسے چمکا
جیسے کبھی غروب نہ ہوگا
جن کی فکر نے
ایک ہجوم کا دھارا موڑا تھا
کوئی وقت' کوئی حرکت اور کوئی مقام سے آگے تھا
دو تثلیثوں کا ٹکراؤ!
عزتِ نفس کا پرچم آ کر کیسی ہوا میں لہرایا تھا
خاموشی کی اک اپنی آواز ہے لیکن
حد سے بڑھے تو
سنّاٹا بھی بول اُٹھتا ہے!
گر جاکے اس سحر زدہ سے نیم دھندلکے میں
دیواروں پر بنی ہوئی تصویریں زندہ لگتی ہیں
خندۂ استہزا سے مجھ کو دیکھتی ہیں
لڑکی! تو کس زعم میں ہے
شعر تو ہم بھی لکھتے ہیں
ہم بھی آگ سے خاک ہوئے

کل تُو بھی مٹّی میں مٹّی ہو جائے گی
لیکن ہم میں اور تُجھ میں اک فرق رہے گا
تیرے نام کا تارہ بھی
تیری طرح بُجھ جائے گا!

☆

جانے کب تک رہے یہی ترتیب
دو ستارے کِھلے قریب قریب

چاند کی روشنی سے اس نے لکھی
میرے ماتھے پہ ایک بات عجیب

میں ہمیشہ سے اُس کے سامنے تھی
اُس نے دیکھا نہیں تو میرا نصیب

رُوح تک جس کی آنچ آتی ہے
کون یہ شعلہ رُو ہے دل کے قریب

چاند کے پاس کیا کِھلا تارہ
بن گیا سارا آسمان رقیب

شجرۂ اہلِ درد کس سے ملے
شہر میں کون رہ گیا ہے نجیب

☆

آنکھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا
تاخیر سے ہی چاند لبِ بام تو آیا

اُس باغ میں اِک پُھول کِھلا میرے لئے بھی
خوشبو کی کہانی میں مرا نام تو آیا

پت جھڑ کا زمانہ تھا تو یہ بخت ہمارا
سیرِ چمن کو وُہ گلفام تو آیا

اُڑ جائیگا پھر اپنی ہواؤں میں تو کیا غم
وُہ طائرِ خوش رنگ تہہِ دم تو آیا

ہر چند کہ کم عرصۂ زیبائی میں ٹھہرا
ہر چہرہ گُل باغ کے کُچھ کام تو آیا

جب دُور تھے ہم نظمِ گلستاں سے تو خوش تھے
تحسین بھی جاتی رہی ' انعام تو آیا

واضح تو ہوا ترکِ محبت کا ارادہ
بارے دِل آشفتہ کو آرام تو آیا

شب سے بھی گزر جائیں گے گر تیری رضا

www.allurdu.com

دورانِ سفر مرحلہ شام تو آیا

☆

جو صبح خواب ہوا ' شب کو پاس کتنا تھا
بچھڑ کے اُس سے مرا دل اُداس کتنا تھا

وہ اور شے تھی قبا جس سے ہوگئی رنگیں
اُسے پتہ ہے کوئی خوش لباس کتنا تھا

خبر نہیں کہ تجھے دیکھنے میں آنکھوں کا !
یقین کِتنا رہا ' التباس کتنا تھا

بغیر دیکھے ہی لوٹا دیے جو پھول آئے
کسی کے حق میں یہ دل ناسپاس کتنا تھا

وہ جس کو بزم میں مہمانِ عام بھی نہ کہا
کسے بتائیں کہ خلوت میں خاص کِتنا تھا

☆

دِل کی حالت ہے اِضطرابی پھر
کوئی لائے گا یہ خرابی پھر

www.allurdu.com

ایک مدّت کے بعد خوابوں کا
پیرہن ہوگیا گلابی پھر

لے رہی ہے طویل رات کے بعد
زندگی غسلِ آفتابی پھر

دھیان کی رحل پہ بصَد مفہُوم
ایک چہرہ کُھلا کتابی پھر

کٹ ہی جائے گی شب کہ آنکھوں میں
ایک صُورت ہے ماہتابی پھر

چُھو رہی ہے ہوا کو مستانی
شجرِ جاں ہوا شہابی پھر

گر رہے ہیں ترے خیال کے پُھول
خوبصورت ہے فرشِ خوابی پھر

شرحِ آسودگی میں حائل ہے
معنیٔ غم کی دیریابی پھر

☆

http://www.hallagulla.com/urdu/

سفرِ خواب

بہت ہی خوبصُورت خواب تھا

جو کچّی عمروں میں

میں اکثر دیکھتی تھی

یہ کہ

پُورے چاند کی شب ہے

زمیں سے آسماں تک

روشنی کی ایک سیڑھی بن گئی ہے

مرے تن پر ستاروں سے بنا ملبوس ہے

اک ہاتھ میں تازہ گلاب

اَور دُوسرے میں تیرا بازو ہے

میں تیرا ہاتھ تھامے

زینہ در زینہ قدم رکھتی ہوں

نامعلوم دُنیا کے سفر پر ہوں

تری سانسوں کی خوشبو

رات کی رانی کا جادو

چاندنی کا لمس

آپس میں گُھلے جاتے ہیں

میری رُوح میں تحلیل ہوتے جا رہے ہیں!

یہ سپنا جل چکا تھا

بس اس کی راکھ میری روح میں اکثر اڑا کرتی

مگر کل شب

شبِ مہتاب تھی

اور آسماں تک نُور کی سیڑھی بنی تھی

ستاروں سے بھرا آنچل تھا میرا

www.allurdu.com

مرے اک ہاتھ میں ہلکے گلابی پُھول تھے
اور دُوسرا اک اجنبی کے ہاتھ میں تھا
جس کا ہر انداز تجھ سے مختلف تھا
مگر اُس آنکھ میں جو جگمگاہٹ تھی
مری دیکھی ہُوئی تھی
اور اُس لب پر جو دلکش مسکراہٹ تھی
مری چُومی ہوئی تھی!

☆

ایک شریر نظم

جشنِ بہار تھا
بارش فرشِ گل پہ مسلسل ناچ رہی تھی
ہوا کی لَے تھی بے حد شوخ
پیڑ خوشی سے جُھوم رہے تھے
ساری فضا پتوں کی ہنسی سے گونج رہی تھی!
صحنِ چمن کے گوشے میں
میں بھی کھڑی تھی تیرے ساتھ
رُوح کا دامن کھینچ رہی تھی
تیرے پیراہن کی آنچ
میرے اور بارش کے لبوں پر
کھیل رہی تھی
ایک ہی بات
تیرے ہونٹ‘ تری پیشانی‘ ترے ہاتھ‘

☆

وہ باغ میں میرا منتظر تھا

وہ باغ میں میرا منتظر تھا
اور چاند طلوع ہو رہا تھا
زُلفِ شبِ وصل کُھل رہی تھی
خوشبو سانسوں میں گُھل رہی تھی
آئی تھی میں اپنے پی سے ملنے
جیسے کوئی گُل ہوا سے کِھلنے
اِک عُمر کے بعد میں ہنسی تھی
خود پر کتنی توجہ دی تھی!

پہنا گہرا بسنتی جوڑا!
اور عطرِ سہاگ میں بسایا
آئینے میں خود کو پھر کئی بار
اُس کی نظروں سے میں نے دیکھا
صندل سے چمک رہا تھا ماتھا
چندن سے بدن دمک رہا تھا
ہونٹوں پہ بہت شریر لالی
گالوں پہ گُلال کھیلتا تھا
بالوں میں پروئے اتنے موتی
تاروں کا گمان ہو رہا تھا
افشاں کی لکیر مانگ میں تھی
کاجل آنکھوں میں ہنس رہا تھا

www.allurdu.com

کانوں میں مچل رہی تھی بالی
بانہوں سے لپٹ رہا تھا گجرا
اور سارے بدن سے پھُوٹتا تھا
اس کے لئے گیت جو لِکھا تھا!

ہاتھوں میں لئے دیے کی تھالی
اُس کے قدموں میں جاکے بیٹھی
آئی تھی کہ آرتی اتاروں
سارے جیون کو دان کرڈوں!

دیکھا مرے دیوتا نے مجھ کو
بعد اس کے ، ذرا مسکرایا
پھر' میرے سنہرے تھال پر ہاتھ
رکھا بھی تو اِک دیا اُٹھایا!
اور میری تمام زندگی سے
مانگی بھی ، تو ایک شام مانگی!

☆

شجر کے ہاتھ میں اک زرد پھُول باقی ہے
ابھی لباسِ مسافر پہ دُھول باقی ہے

مرے قبیلے میں نکلے سبھی فروختنی
نہ کوئی وعدہ نہ کوئی اُصول باقی ہے

درُونِ شہر گلابوں کی باڑ ختم ہُوئی
کنارِ شہر پُرانی ببُول باقی ہے

ہوائے شہرِ ستم کو ابھی پتہ نہ چلے
مرے دوپٹے میں اک سُرخ پھول باقی ہے

☆

قسمت سے بھی کچھ سِوا دیا ہے
بارش نے ہمیں مِلادیا ہے

دیکھی ہے مری اُداسی اُس نے
اور دیکھ کے مُسکرادیا ہے

اَب تو مجھے صبر آگیا تھا
یہ کِس نے مُجھے رُلادیا ہے

وہ چاہے تو راستہ بدل لے
میں نے تو دِیا جلا دیا ہے

اُس رونقِ بزم نے تو میری
تنہائی کو بھی سجادِیاہے

وہ پل کہ سلگ اٹھا ہے ملبوس
اور اس نے دِیا بُجھا دیا ہے

☆

www.HallaGulla.com

رُکنے کا سے گزر گیا ہے
جانا ترا اَب ٹھہر گیا ہے

رخصت کی گھڑی گھڑی ہے سر پر
دل کوئی دونیم کر گیا ہے

ماتم کی فضا ہے شہرِ دل میں
مجھ میں کوئی شخص مر گیا ہے

بُجھنے کو ہے پھر سے چشمِ نرگس
پھر خوابِ صبا بکھر گیا ہے

بس ایک نگاہ کی تھی اس نے
سارا چہرہ نِکھر گیا ہے

☆

www.allurdu.com

بارِ احساں اٹھائے جس تِس کا
دِل اسیرِ طلب ہوا کِس کا

ایک پل میں گزر گئی وہ شام
صبح سے انتظار تھا جس کا

یہ دُعائے شفا ہے یا کچھ اور
اُس نے بھیجا ہے پُھول نرگس کا

ضبط اِتنا نہیں اشکوں پر
کچھ خیال آگیا تھا مجلس کا

پھر سے خیمے جلے ہیں اور سرِ شام
بین ہے اپنے اپنے وارث کا

☆

لوٹنا ہے مجھے گھر جائیگا آخر وہ بھی
میں بھی غربت میں ہوں، مانندِ مسافر وہ بھی

میں نے بھی پیاس کے صحرا میں بڑے دن کاٹے
جُرعۂ آب کو ترسا ہوا طائر وہ بھی

میرا دُکھ بھی مرے چہرے سے نہیں کُھلتا ہے

اور سرِ بزم ہے فرخندہ بظاہر وہ بھی

اس کی حرمت کا مرے دل کو بھی ہے پاس بہت
چُپ رہے گا مری ناموس کی خاطر وہ بھی

کیا عجب ہے کہ یہ دل ہوش سے بیگانہ ہوا
شب کا افسوں بھی جنوں خیز تھا ساحر وہ بھی

☆

کیا بات ہے جس کا غم بہت ہے
کچھ دِن سے یہ آنکھ نم بہت ہے

مل لیتا ہے گفتگو کی حد تک
اتنا ہی ترا کرم بہت ہے

گھر آپ ہی جگمگا اُٹھے گا
دہلیز پہ اِک قدم بہت ہے

مل جائے اگر تری رفاقت
مجھ کو تو یہی جنم بہت ہے

کیا شب سے ہمیں سوال کرنا
ہونا ترا صبح دم بہت ہے

کیوں بُجھنے لگے چراغ میرے
اب کے تو ہوا بھی کم بہت ہے

چُپ کیوں تجھے لگ گئی ہے پرویؔن
سُنتے تھے کہ تجھ میں رَم بہت ہے

☆

عجب اِک ساعتِ گلفام آئی
صبا لے کر کسی کا نام آئی

کسی دل میں جزیرے کی نہ تھی چاہ
سمندر پر اک ایسی شام آئی

اداسی مُسکراتی ہے کہ اَب کہ
توجہّ سے تری خوش کام آئی

دُعا اب چاہے بامِ عرش چُھولے
ترے دَر سے تو یہ ناکام آئی

تُو سوداگر ہے ایسا ہاتھ جس کے
کِسی کی زندگی بے دام آئی

www.allurdu.com

یہ ساری زندگی کی بے نیازی
بالآخر حسن کے کیا کام آئی

☆

رستہ ہی نیا ہے ' نہ میں انجان بہت ہوں
پھر کوئے ملامت میں ہوں ' نادان بہت ہوں

اک عمر جسے خواب کی مانند ہی دیکھا
چُھونے کو ملا ہے تو پریشان بہت ہوں

مُجھ میں کوئی آہٹ کی طرح سے کوئی آئے
اک بند گلی کی طرح سنسان بہت ہوں

دیکھا ہے گریز اُس نگہِ سرد کا اتنا
مائل بہ توجّہ ہے تو حیران بہت ہوں

اُلجھیں گے کئی بار ابھی لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں

☆

فیضؔ صاحب کے لئے ایک اور نظم

عجب گھڑی ہے
ابھی تجھے سبز خانۂ خاک میں رکھے
اک پہر ہوا ہے
ابھی قبائے سخن سے
تیرے بدن کی گرمی گئی نہیں ہے
فرودگاہِ حیات میں رخصتِ سفر کی
تمام تر گرد دم بخود ہے
نشست کی جا نہیں ملی ہے
تری لحد کے گُلاب ویسے ہی تازہ رو ہیں
صبا ابھی تیری مسکراہٹ سے مشکبُو ہے!

ابھی رسمِ وداع پوری نہیں ہوئی تھی
کہ جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا ہے ہم میں
کسی کا کہنا کہ خرقۂ فن
اُسے ترے ہاتھ سے مِلا ہے
کوئی بزعمِ خود آن کر

مسندِ خلافت پہ رونق افروز ہو گیا ہے
مجاورینِ ادب، ترے مقبرے پہ
لوبان و عوُد و عنبر جلائے بیٹھے
سخن کا نذرانہ مانگتے ہیں
اک اک غزل کہنے والے نوخیز و سبزرُو کو دکانِ شہرِ سخن کو
آ کر، بصد عنایت
بقا کی تعویذ بانٹتے ہیں

کہیں ترا نام بک رہا ہے
کہیں پہ آواز کا ہے سودا
سخن کی آڑھت عروج پر ہے!

☆

نمائش

شہر کے بیچوں بیچ نمائش لگی ہوئی ہے
طرح طرح کے زخموں کے اسٹال لگے ہیں
کہیں بڑی محنت سے سُرخ رنگائے ہوئے دلکش ملبوس
سینت سینت کے رکھے ہُوئے تارِ داماں
پھٹے ہوئے آنچل
اور مسکی اوڑھنیاں
نم آلود، شکن بستہ، میلی چادر
لوحِ پشت پہ نیلم کی نقاشی والے جسم
حبسِ بے جا میں رکھے جانے والے کچھ خواب
گِروی رہنے والی آنکھیں
عمر قید پانے والی آشائیں
جلاوطن اُمیّدیں!

اس انبوہِ رنگ میں
کچھ ایسے بھی لوگ کھڑے ہیں
جن کے دل اور لان کے پُھول
کبھی نہیں مرجھائے

جن کی نرمیٔ پیراہن کو
بادِ صبا تک چھونے سے گھبراتی ہے
جن کے بدن پر اک ہلکا سا زخم لگے تو
لالہ رُخانِ شہر کی پلکیں
بہرِ رفو آجاتی ہیں
جن کی خواب گھوں کا ریشم
سپنے بُنتا رہتا ہے
نیلم اور یاقوت یہاں پڑا اپنی جگہ پر ہوتے ہیں
خواب انہیں خود دیکھتے ہیں
عمر قید'
حبسِ بے جا
اور کالا پانی
جیسے لفظ
انکے کے لئے نامحرم ہیں!
جن کے گھروں میں
فصل کے میوے
رُت کے پھول
اور تہوار کی شیرینی
حاکمِ وقت کے توشۂ خاص سے بجھوائے جاتے ہیں
مخبرِ خاص کی خلعت پاکر
معتبرینِ شاہ میں شامل ہوکر
جو ہر صبح نکلتے تھے
زیرِ فلک نافرمانی کی سُن گُن لینے
زیرِ زمیں میں سچائی کی سرکوبی کرنے
اور ہر شام کو کافی ہاؤس میں

www.allurdu.com

حاکم ناجائز کے خلاف

نیا تبّرا لکھنے اور مکرّر کہنے والے سادہ دلوں کے گھر کا پتہ

کارکنانِ سادہ قبا تک پہنچا نے

چیزوں کی ترتیب اچانک بدل گئی ہے

سرچشمہ دُکھ ہے یا گلیسرین

آنسو یکساں چمک رہے ہیں!

ساری آنکھیں صف بستہ ہیں

دروازے پر لگی ہوئی ہیں

بانوئے شہر قدم رنجہ ہوں

فیتہ کاٹیں!

☆

سِندھ کی ایک بیٹی کا اپنے رُسولؐ سے ایک سوال

اے دینِ کے آخری پیمبر

تھا لُطف خُدا کا خاص تجھ پر

بھیجا تھا تجھے بنا کے رحمت

ساری دُنیا کے بے کسوں پر

ہوتی رہی تجھ پہ سنگ باری

ہونٹوں سے رہیں دُعائیں جاری

ہر سود کو کر دیا تھا باطل

ہر خُون معاف کر دیا تھا

تلواریں نیام میں دکھا دیں

چادر میں اُٹھا کے سنگِ اسود

خوددار مسافرت کے تفسیر
عقبہ کی وہ باوقار بیعت
گھر چھوڑا کچھ اس طرح سے تُو نے
ہجرت کو مثال کر دیا تھا

انصار و مہاجرین کیا تھے
ایثار و وفا کی اِنتہا تھے
وسعت سے دِلوں کی بھر دیا تھا
تُو نے اُنہیں ایک کر دیا تھا!
ہم بھی ترے ہی اُمتّی ہیں
اُس لشکرِ اوّلیں کی صُورت
تُجھ سے ہی تو سِلسلہ ہے اپنا
پھر کیا ہے کہ ہم میں اور اُن میں
ہلکی سی مشابہت نہیں ہے
اب گھر ہے نہ کوئی دل کشادہ
لگتا ہے کہ ہر درخت اپنے
سایے کے خلاف ہو گیا ہے
بھائی، بھائی کو کھا رہا ہے
خاکم بدہن، یہ تیرے ہوتے
کیا ہم پہ کسی کی بددُعا ہے
بستی یہ ہماری جس میں اب بھی
خوشبُو ترے نام کی بسی ہے
بارُود میں کیوں نہا رہی ہے
شعلے اسے کیوں نگل رہے ہیں
جو شہر کہ اپنی شخصیت میں

شبنم تھا، گلاب تھا، صبا تھا
اب آگ ہے، خون ہے، دھواں ہے
یہ شہر ہے، سانحہ ہے، کیا ہے
کُوفہ ہے کہ کربلا ہے، کیا ہے

☆

دشتِ غربت میں ہیں اَور رنجِ سفر کھینچتے ہیں
بارِ ہستی ہے جسے خاک بہ سر کھینچتے ہیں

جن چراغوں کو میسّر نہیں اس کی محفل
انتظار اُس کا سرِ راہگذر کھینچتے ہیں

زندگی پھر تجھے پیش ہے زندانِ دمشق
اشقیا پھر ترے کانوں سے گہر کھینچتے ہیں

روشِ گُل پہ، یہ کس وضع کے صیّاد ہیں جو
باندھ کر طائرِ خوں بستہ کے پر کھینچتے ہیں

شہر سے جب بھی وہ جائے تو دُعاؤں کا حصار
دیدۂ نم مرے تاحدّ نظر کھینچتے ہیں

جانتے ہیں کہ شکستہ ہے طنابِ اُمیدّ
خیمۂ جاں ترے کوچے میں مگر کھینچتے ہیں

تیری خوش نامی کا آتا ہے بہت دل کو خیال
گریہ کرتے ہُوئے آواز اگر کھینچتے ہیں

لگ گئی تھی تری کچھ پچھلے پہر آنکھ اے دل
آج سے ہم ترے نالے سے اثر کھینچتے ہیں

دل کو کچھ تیری توجہ کا بھی طالب پایا
تیری توصیف سے اَدب دستِ ہنر کھینچتے ہیں

☆

کراچی______۸۹ء کی آخری شام

عکسِ گُل تر جلا ہوا تھا
خوابوں کا نگر جَلا ہوا تھا

یا دستِ دُعا نہ اُٹھ سکا تھا
یا اُس کا اثر جلا ہوا تھا

ہر گھر تھا لُٹا ہوا کئی بار

اور بارِ گرد جلا ہوا تھا

یا نوچ لئے گئے تھے پتّے
یا سارا شجر جلا ہوا تھا

آنکھوں کی جگہ پہ آبلے تھے
اور تارِ نظر جلا ہوا تھا

ملبہ تھا تمام، شہرِ خوبی
اور ہو کے کھنڈر جلا ہوا تھا

تہہ خانۂ جاں میں تجھ کو رکھتی
لیکن مرا گھر جلا ہوا تھا

کچھ دیر کا سوختہ نہ تھا شہر
یہ آٹھ پہر جلا ہوا تھا

پرواز کا اتنا ڈر قفس میں
ٹوٹا ہوا پر جلا ہوا تھا

منزل تھی غبارِ راہ میں گُم
اور رختِ سفر جلا ہوا تھا

☆

جب ہو کے صبا کوچۂ تعزیر سے آئی
آواز عجب حلقۂ زنجیر سے آئی

خوشبو کا دریچہ بھی کُھلا رنگ کے ہمراہ
اک یاد بھی لپٹی ہوئی تصویر سے آئی

گُل لے گئے عطّار، ثمر کھا گئے طائر
سُورج کی کرن باغ میں تاخیر سے آئی

پہلے بھی کشش جلوۂ دُنیا میں تھی لیکن
اس بار ترے حُسن کی تاثیر سے آئی

سادہ تھا بہت خوب ترا چشمِ تمنا
مشکل میں نظر کثرتِ تعبیر سے آئی

یوں سارے چراغ اور گلاب اپنی جگہ میں
رستے میں چمک سایۂ رہگیر سے آئی

☆

شہرِ جمال کے خس و خاشاک ہوگئے
اب آئے ہو جب آگ سے ہم خاک ہوگئے

www.allurdu.com

ہم سے فروغِ خاک نہ زیبائی آب کی
کائی کی طرح تہمتِ پوشاک ہوگئے

پیراہنِ صبا تو کسی طور سِل گیا
دامانِ صد بہار مگر چاک ہوگئے

اے ابرِ خاص! ہم پہ برسنے کا اب خیال
جل کر ترے فراق میں جب راکھ ہوگئے

قائم تھے اپنے عہد پہ یہ دیدۂ ہائے غم
کیا یاد آگیا ہے کہ نمناک ہوگئے

اَب تک جنوں ہی اپنا اثاثہ رہا مگر
تُجھ سے ملے تو صاحبِ ادراک ہوگئے

خوشبو تو بن نہ پائے سو کچھ ہم سے بے ہنر
اے موجۂ صبا ترے پیچاک ہوگئے

☆

نثری نظمیں

ندامت

میری تمام نظموں کا انتساب اب تک صرف میرے اپنے نام رہا
اور میں خود کو محبت کی شاعرہ سمجھ کر
خوش ہوتی رہی
میں نے کوڑے کے ڈھیر پر بلی کی طرح چلتا ہوا بچّہ نہیں دیکھا
میں نے اینٹ کا تکیہ بنا کر سوتا ہوا راج نہیں دیکھا
راج سے میرے ذہن میں
ہمیں راج ہنس آئے
اور بچّوں سے تازہ گلاب
میں کیک کو روٹی کا متبادل سمجھتی رہی
میرے بچّے
میرے راج
ہو سکے تو مُجھے معاف کر دینا!

☆

بشیرے کی گھر والی

ہے رے تیری کیا اوقات!
دُودھ پلانے والے جانوروں میں
اَے سب سے کم اوقات
پُرش کی پسلی سے تو تیرا جنم ہوا
اور ہمیشہ پیروں میں تو پہنی گئی
جب ماں جایا پھلواری میں تتلی ہوتا
تیرے پُھول سے ہاتھوں میں
تیرے قد سے بڑی جھاڑو ہوتی
ماں کا آنچل پکڑے پکڑے
تجھ کو کتنے کام آجاتے

اُپلے تھاپنا
لکڑی کاٹنا
گائے کی سانی بنانا
پھر بھی مکھّن کی ٹکیہ
ماں نے ہمیشہ بھیّا کی روٹی پہ رکھی
تیرے لئے بس رات کی روٹی
رات کا سالن
روکھی سوکھی کھاتے
موٹا جھوٹا پہنتے

www.allurdu.com

تجھ پہ جوانی آئی تو
تیرے باپ کی نفرت تجھ سے اور بڑھی
تیرے اُٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے پر
ایسی کڑی نظر رکھی
جیسے ذرا سی چُوک ہوئی
اور تُو بھاگ گئی
سولھواں لگتے ہی
ایک مرد نے اپنے من کا بوجھ
دوسرے مرد کے تن پہ اُتار دیا
بس گھر اور مالک بدلا
تیری چاکری وہی رہی
بلکہ کچھ اور زیادہ
اب تیرے ذمے شامل تھا
روٹی کھلانے والے کو
رات گئے خوش بھی کرنا
اور ہر ساون گابھن ہونا
پورے دنوں سے گھر کا کام سنبھالتی
پتی کا ساتھ
بس بستر تک
آگے تیرا کام!
کیسی نوکری ہے
جس میں کوئی دیہاڑی نہیں
جس میں کوئی چھٹی نہیں
جس میں الگ ہو جانے کی' سرے سے کوئی ریت نہیں
ڈھوروں ڈنگروں کو بھی

www.allurdu.com

جیٹھ اساڑھ کی دُھوپ میں

پیڑ تلے ستانے کی آزادی ہوتی ہے

تیرے بھاگ میں ایسا کوئی سمے نہیں

تیری جیون پگڈنڈی پر کوئی پیڑ نہیں ہے

ہے رے!

کن کرموں کا پھل ہے تُو

تن بیچے تو کسبی ٹھہرے

من کا سودا کرے اور پتنی کہلائے

سمے کے ہاتھوں ہوتا رہے گا

کب تک یہ اپمان

ایک نوالہ روٹی

ایک کٹورے پانی کی خاطر

دیتی رہے گی کب تک تُو بلیدان!

☆

ایک U.D.C کی ڈائری

میرا بچپن اپنے آپ کو لوریاں دیتے گزرا

اور جوانی

نیندوں کو خوابوں کی رشوت دیتے ہوئے

وقت ہمیشہ مجھے گالیاں دیتا رہا

اور زمانے نے بھی خوب ٹھڈّے لگائے

یہاں تک کہ رُلتے رُلاتے

میں ایک بدبُو دار کمرے میں آن پہنچا

جہاں میرے چاروں طرف
قبل مسیح فائلیں تھیں

اور حنوط کئے ہُوئے ، میرے ہی جیسے کچھ کلرک

اور ایک آدھا اپنے وجود سے شرمندہ چپراسی

ہم سارا وقت اِن فائلوں میں اپنی ناکیں دیے بیٹھے رہتے

اور افسروں کے موڈ کے مطابق

ان پر فلیگ لگاتے

خود ہم پر تو کبھی پی۔یو۔سی کی چٹ بھی نہیں لگی

شاید ہم وہ فائلیں ہیں

جنہیں خدا مارک کرنا بُھول گیا

چنانچہ ہم ساری زندگی

ایک ہی میز پر دھرے رہے

اور ہم پر بے توجہی کی گرد جمتی رہی!

میں نے ایک بار

اس میز سے کِھسکنے کی کوشش کی تھی

اور چُپکے سے

اور فائلوں کے ساتھ نتھّی ہو کر

اُوپر چلا گیا

اِتنی سی بات پر

میرے افسر کے افسر نے

اُس کی ماں بہن ایک کر دی تھی

اور اُس نے منطقی طور پر ہماری

اُس دن کے بعد سے

میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولا

www.allurdu.com

(اور نہ میرا چھوٹا افسر)
اَب میں گدھے کی سی دلجمعی سے نوٹ لکھتا ہوں
اور اس عبارت کے دوران
کبھی کبھی ٹوٹی ہوئی پیالی میں چائے پی لیتا ہوں
اور کبھی ادھار سگریٹ کا ایک کش لگا لیتا ہوں
(جو میری واحد عیاّشی ہے)
شام ڈھلے
اکڑی ہوئی ٹانگوں اور تختہ ہوتی کمر کو گھسیٹتے
بس اسٹاپ کی طرف نکل پڑتا ہوں
اور دَم گھونٹنے والی بسوں کے اندر ٹھنسے ہوئے ریوڑ کا
حِصّہ بن جاتا ہوں
شام گئے گھر پہنچتا ہوں
جہاں میری بھنکتی ہوئی بیوی میری منتظر ہے
جو بیسواؤں کی طرح
پہلے میری جیب میں ہاتھ ڈالتی ہے
پھر بچوں کو گلی سے باہر دھکیلتی ہے
رات گئے
۲۲ روپے والے ڈالر کے زمانے میں
میں اپنے ۵ روپے سالانہ اضافے کو
سوچ سوچ کر خوش ہوتا ہوں
اور انگلیوں پر
پراویڈینٹ فنڈ کا حساب کرتا ہوں
اور آنے والے بڑھاپے کو لوری دینے لگتا ہوں!

☆

ٹماٹو کیچپ

ہمارے ہاں
شعر کہنے والی عورت کا شمار عجائبات میں ہوتا ہے
ہر مرد خود کو اُس کا مخاطب سمجھتا ہے
اور چونکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا
اِس لئے اُس کا دشمن ہو جاتا ہے!

سارا نے ان معنوں میں
دشمن کم بنائے
اس لئے کہ وہ وضاحتیں دینے میں
یقین نہیں رکھتی تھی
وہ ادیب کی جورو بننے سے قبل ہی
سب کی بھابی بن چکی تھی
ایک سے ایک گئے گذرے لکھنے والے کا دعویٰ تھا
کہ وُہ اُس کے ساتھ سو چکی ہے
صبح سے شام تک
شہر بھر کے بے روزگار ادیب
اس پر بھنبھناتے رہتے
جو کام کاج سے لگے ہوئے تھے
وہ بھی سڑی بسی فائلوں اور بوسیدہ بیویوں سے اوب کر
ادھر ہی آتے
(بجلی کے بل، بچّے کی فیس اور بیوی کی دَوا سے بے نیاز ہو کر
اس لئے کہ یہ مسائل

www.allurdu.com

چھوٹے لوگوں کے سوچنے کے ہیں)

سارا دن

ساری شام

اور رات کے کچھ حصے تک

اَدب اور فلسفے پر دھواں دھار گفتگو ہوتی

بُھوک لگتی تو

چندہ وندہ کر کے

نکڑ کے ہوٹل سے روٹی چھولے آجاتے

عظیم دانشور

اُس سے چائے کی فرمائش کرتے ہوئے کہتے

تم پاکستان کی امرتا پریتم ہو

بے وقوف لڑکی

سچ سمجھ لیتی

شاید اس لئے بھی

کہ اُس کے نان و نفقہ کے ذمہ دار تو اسے ہمیشہ

کافکا کی کافی پلاتے

اور نرودا کے بسکٹ کھلاتے رہتے

اس رال میں لتھڑے ہوئے COMPLIMENT کے بہانے

اُسے روٹی تو ملتی رہی

لیکن کب تک

ایک نہ ایک دن تو اُسے بھیڑیوں کے چنگل سے نکلنا ہی تھا

سارا نے جنگل ہی چھوڑ دیا!

جب تک وہ زندہ رہی

اَدب کے رسیا اسے بھنبھوڑتے رہے

اُن کی محفلوں میں اُس کا نام

www.allurdu.com

اب بھی لذیذ سمجھا جاتا ہے
بس یہ کہ اَب وہ اس پر دانت نہیں گاڑ سکتے
مرنے کے بعد انہوں نے اسے
ٹماٹو کیچپ کا درجہ دے دیا ہے!

☆

اسٹیل مِلز کا ایک خصُوصی مزدُور

کالا بُھوت
جیسے کوئلے کے نطفے سے جنم لیا ہو
ایک جہنمی درجۂ حرارت پر رہتے ہوئے
اُس کا کام
دہکتی بھٹی میں کوئلے جھونکتے رہنا تھا
اُس کے بدلے
اُس کو اُجرت بھی زیادہ ملتی تھی
اور خوراک بھی خصوصی
اور ایک وقت میں چار گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لیا جاتا تھا
لیکن شاید اس کو یہ نہیں معلوم
کہ خودکشی کے اس معاہدے پر
اُس نے
بقائمی ہوش وحواس دستخط کیے ہیں
اس بھٹی کا ایندھن دَراصل وہ خود ہے!

☆

سمجھداری کی ایک نظم

باؔسو بہت رویا
اور مصر رہا کہ اُسے اُس کی زوجہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے
نوجوانوں نے ایک دوسرے کو
آنکھوں ہی آنکھوں میں کہنیاں ماریں
بوڑھوں نے اُسے خللِ دماغ کہا
اور مولوی نے بدعت
باؔسو بڑی مشکل سے گھر لایا گیا!
وہ روز دفتر سے سیدھا میوہ شاہ چلا جاتا
پُھولوں اور اگر بتیوں کیساتھ
اُس کا کافی عرصے یہی معمول رہا
پھر جمعرات کے جمعرات
پھر ہر نوچندی کو
پھر عید بقر عید اور شب برات
آخر میں برسی کے برسی
ایک دن چلچلاتی دُھوپ میں
بس نمبر ٦٠ سے اُترتے ہوئے
اُس کی نظر ایک پیڑ پر پڑی
تو اُسے دفتر میں رکھی گئی
نئی ٹائپسٹ کا خیال آ گیا
اُس دن اُسے احساس ہوا
کہ دُنیا ایک آدمی پر مشتمل نہیں ہے
باؔسو بہت ہنسا

☆

ایک مشکل سوال

ٹاٹ کے پَردوں کے پیچھے سے
ایک بارہ تیرہ سالہ چہرہ جھانکا
وہ چہرہ
بہار کے پہلے پُھول کی طرح تازہ تھا
اور آنکھیں
پہلی محبت کی طرح شفّاف!
لیکن اُس کے ہاتھ میں
ترکاری کاٹتے رہنے کی لکیریں تھیں
اور اُن لکیروں میں
برتن مانجھنے والی راکھ جمی تھی
اُس کے ہاتھ
اُس کے چہرے سے بیس سال بڑے تھے!

☆

یاسر عرفاتؔ کیلئے ایک نظم

آسمان کا وہ حصہ
جسے ہم اپنے گھر کی کھڑکی سے دیکھتے ہیں

www.allurdu.com

کتنا دلکش ہوتا ہے
زندگی پر یہ کھڑکی بھر تصرف
اپنے اندر کیسی ولایت رکھتا ہے
اس کا اندازہ
تجھ سے بڑھ کر کسے ہوگا
جس کے سر پہ ساری زندگی چھت نہیں پڑی
جس نے بارش سدا اپنے ہاتھوں پہ روکی
اور دُھوپ میں کبھی دیوار اُدھار نہیں مانگی
اور برفوں میں
بس اِک الاؤ روشن رکھا
اپنے دل کا
اور کیسا دل
جس نے ایک بار کسی سے محبت کی
اور پھر کسی اور جانب بُھولے سے نہیں دیکھا
مٹی سے اِک عہد کیا
اور آتش و آب و باد کا چہرہ بُھول گیا
ایک اکیلے خواب کی خاطر
ساری عمر کی نیندیں گروی رکھ دیں ہیں
دھرتی سے اک وعدہ کیا
اور ہستی بُھول گیا
ارضِ وطن کی کھوج میں ایسے نکلا
دل کی بستی بھول گیا
اور اس بُھول پہ
سارے خزانوں جیسے حافظے داری
ایسی بے گھری، اس بے چاری کے آگے

سارے جگ کی ملکیت بھی تھوڑی ہے
آسمان کی نیلاہٹ بھی میلی ہے!

☆

دوست مُلک کیلئے ایک نظم

محبّت بیان نہیں، روّیہ ہے
اس بات کا اندازہ
ہمیں اس وقت ہوا
جب ہم نے
بہار کی سبز روشنی میں نہائے ہوئے بیجنگ پر قدم رکھا
رفاقت کی سُوجھ بُوجھ رکھنے والی خوشبو ہماری منتظر تھی

ہم ایک دُوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے
لیکن ہمارے ہاتھوں کی حرارت
اس ناواقفیت کی تلافی کر رہی تھی
ہمارے ہونٹ خاموش تھے
لیکن ہماری آنکھیں مکالمہ کر رہی تھیں
ہمارے درمیان وہ خاموشی تھی
جو بہت پُرانے دوستوں کے بیچ ہوتی ہے!
عظیم ملک کے عظیم لوگ
جنہوں نے ایک روشن اور خوشگوار دن کیلئے
ایک طویل رتجگے کی ذمہ داری قبول کی
جنہیں ہماری شناخت، اپنی پہچان کی طرح عزیز ہے
جنہیں ہماری بے سروسامانی کی خبر

سب سے پہلے ہو جاتی ہے
جو ہمارے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے
ہماری کلاہ سے کبھی نہیں کھیلتے
وہ لوگ کہ جن کے پاس رہتے ہوئے
ہمارے پاس کوئی ترجمان نہ بھی ہوتا
تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا
وہاں تو دلوں اور گھروں پر ایک دستک کافی ہے
پاکستان!
میں وہ بچی کس طرح بھول سکتی ہوں
جس کی آنکھیں مخملیں تھیں اور
اور جس کے چمکدار بالوں میں سُرخ ربن بندھا تھا
اور جو محض لباس سے ہمیں پہچان کر
ہم سے لپٹ گئی تھی!
راکا پوشی کے اُدھر جانے والی ہوا
اگر تجھے کوئی مخملیں آنکھوں
اور سُرخ ربن والی بچی ملے
تو اس سے کہنا
ننھی پری
تمہارا ایک گھر
ہمالہ کے اس طرف بھی ہے!

☆

www.allurdu.com

SAN FRANCISCO

حدِ نظر تک
زمین کا رنگ سبز ہے
اور ڈھلانوں پر
سُرخ رنگ کے گھر کھلے ہوئے ہیں
اپنے مکینوں کی طرح
کشادہ دل
دو قدم چلیں
اور کوئی نہ کوئی شفاّف چشمہ
ایک شریر بچے کی طرح
آپ پر پانی اُچھال دے
ذرا آگے بڑھیے
اور ایک ہلکورے لیتی جھیل
آپ کو اپنی مُسکراہٹ کے ہالے میں سمیٹ لے
سارا شہر ہی باغ لگتا ہے
شام تک
تتلیاں آپ کے ہمراہ ہوتی ہیں
اور رات کو جگنو ہنستے ہوئے آجاتے ہیں
زمین پر پاؤں رکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے
کہیں کسی پُھول پر نہ آجائے!

اے خدا
اس شہر کو ہمیشہ آباد رکھنا
یہ تیرے بندوں کو
تجھ سے قریب لاتا ہے!

☆

ایک افسرِ اعلیٰ کا مشورہ

میرے ایک افسرِ اعلیٰ نے
ایک دن مجھے اپنی بارگاہِ خاص میں طلب کیا
اور ایک دو فائلوں کا حال پوچھنے کے بعد
میری غیر سرکاری مصروفیات پر چیں بہ جبیں ہوئے
معاشرے میں شاعر کی اوقات پر روشنی ڈالی
خلاصہ گفتگو یہ کہ
ملک میں شاعر کی حیثیت وہی ہے
جو جسم میں اپنڈکس کی
بے فائدہ ____ مگر کبھی کبھی سخت تکلیف کا باعث
سو اس کا ایک ہی حل ہے ____ سرجری!
چشمِ تصور سے، میری شخصیت کے اپنڈکس سے نجات پا کر
کچھ شگفتہ ہوئے
پھر گویا
ایک آئیڈیل افسر وہ ہے
جس کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا
پہلے اُس کے ہونٹ غائب ہوتے ہیں
پھر آنکھیں
اس کے بعد کان
آخر میں سر
ہونٹوں، آنکھوں، کانوں اور سر سے نجات پائے بغیر
کوئی افسر، فیڈرل سیکرٹری نہیں بن سکتا!

www.allurdu.com

اپنی بات پر زور دینے کیلئے
انہوں نے دو ایک مشہور سر کٹے افسروں کا حوالہ دیا
لیکن میرے چہرے پر
شاید انہوں نے پڑھ لیا تھا
کہ یہ بے وقوف لوکل شاعرہ رہنے ہی میں خوش ہے
سو بدمزہ ہو کر
انہوں نے مجھے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمادی
اور میں بے وقوف
ایک نئی نظم کو سوچتی ہوئی اپنے دفتر لوٹ آئی
اپنی A.R.C میں
سُرخ روشنائی کے ایک ممکنہ اندراج کے باوجود!

☆

ایک سوشل ورکر خاتون کا مسئلہ

میں نے اپنے لان میں احتیاط سے پانی دیتے ہوئے
کنٹونمنٹ بورڈ کو کافی برا بھلا کہا
بھلا یہ بھی کوئی کارکردگی ہے
جس میں پھولوں کو پانی میسّر نہ آسکے
میرے سارے امپورٹڈ پودے مُرجھائے جاتے ہیں!
میں نے دِل ہی دِل میں
ایک چلتے ہُوئے اخبار کے مدیر کے نام
ایک مراسلہ بھی ڈرافٹ کر دیا
ابھی میں طنز کی دھار غصے کی سان پر رکھ رہی تھی

www.allurdu.com

کہ مجھے باہر ایک بچہ نظر آیا
جس کے دونوں کاندھوں پر
ایک ڈنڈا رکھا تھا
اور ڈنڈے سے دو کنستر بندھے ہوئے تھے
اور حسرت بھری نظروں سے پائپ کی طرف دیکھا
میرا دل کٹ گیا
مگر
میں نے اس سے کہا
بیٹے
اگر میں ان کنستروں میں پانی بھردوں
تو ان کا وزن تمہارے وزن سے بڑھ جائے گا
تم ایک قدم نہیں چل سکو گے
اور گھر نہیں جا سکو گے
اور اچھے بچے دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتے
بچے کی آنکھیں اچانک پچاس سال کی ہوگئیں
اُن میں ایک جُھریوں بھرا زہر خندا اُبھرا
پھر وہ خاموشی سے
باہر چلا گیا!

میں نے اپنے ڈرافٹ کی عبارت میں
ایک سطر کا اور اضافہ کر دیا!

☆

کراچی

کراچی
ایک ایسی بیسوا ہے
جس کیساتھ
پہاڑوں‘ میدانوں اور صحراؤں سے آنے والا
ہر سائز کے بٹوے کا آدمی
رات گزارتا ہے
اور صبح اُٹھتے ہی
اُس کے داہنے رُخسار پر
ایک تھپڑ رسید کرتا ہے
اور دُوسرے گال کی توقع کرتے ہُوئے
کام پر نکل جاتا ہے
اگلی رات کے نشے میں سرشار!

☆

کلفٹن کے پُل پر ....

کلفٹن کے پُل پر
جس سے شہر کی ایلیٹ گزرتی ہے
اور سوگز کی حد میں
ٹریفک پولیس کے چاق وچوبند جوان
ہمہ وقت ڈیوٹی دیتے ہیں
چھ‘ سات سادہ لباس والے بھی ہوں گے
اِردگرد کوئی غیر متعلق پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا!

www.allurdu.com

میں نے اُسے دیکھا!
گہرے نارنجی سوٹ میں ملبوس
جس پر بنا ہوا تِلّے کا کام
مناسب مقامات سے مسکا ہوا تھا!
اس کی لپ اسٹک اتنی گہری تھی
کہ نظریں لتھڑ گئیں تھیں
وسط مئی کی دُھوپ میں، بہتا ہوا فاؤنڈیشن
یہ کہہ رہا تھا
کہ عمارت بھی کبھی حسین نہیں تھی
سستی سی نیل پالش میں ڈوبی ہوئی انگلیوں میں
ایک سگرٹ پھنسا تھا
جسے وہ دھواں دار پی رہی تھی
اس کی تمام حرکات وسکنات
دفعہ ۲۹۴ کے تحت قابلِ دست اندازیِ پولیس تھیں
ٹریفک سگنل پر رُکے ہوئے میں نے سوچا
منٹو کی اس ہیروئین کا، یہ سپاہی
ابھی دھڑن تختہ کر دے گا
وہ اس کی طرف بڑھا
لیکن اس سے قبل
کہ وہ اپنی نوٹ بک نکالتا
گہرے نیلے نمبر پلیٹ کی ایک کار
اُس کے پاس رُکی
اور وہ اپنی دفعہ ۲۹۴ کے اشاروں سمیت
کار میں غائب ہوگئی
سفید کپڑوں والے سپاہی کی دونوں ایڑیاں

جُڑی کی جُڑی رہ گئیں!

☆

کتنے برس لگے ....

کتنے برس لگے

یہ جاننے میں

کہ میرے اندر تیرا ہونا کیا ہے

ایسا ہونا بھی چاہیے تھا

شام ہوتے ہی

چاند میں روشنی نہیں آجاتی

رات ہوتے ہی

رات کی رانی مہک نہیں اُٹھتی

شام اور روشنی کے بیچ

رات اور خوشبو کے بیچ

ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے

جس کا ہماری زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

اس آسمانی لمحے نے

اب ہمیں چُھو لیا ہے!

☆

چاند کی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں

شروع راتوں کا چاند تھا
پھر بھی
سارا باغ روشنی سے بھرا ہوا تھا
جیسے ہمارے دل
محبت سے!

☆

(۲)

چاند کی آخری تاریخیں تھیں
کنجِ چمن کی خوشبو بھری تاریکی میں
اُس نے دیے کی لَو کو اونچا کیا
اور میری آنکھوں میں جھانکا
پھر ہمیں کسی دیے کی ضرورت نہیں رہی!

☆

I'LL MISS YOU

جانے سے پہلے
اُس نے میرے آنچل سے ایک فقرہ باندھ دیا
I'LL MISS YOU
سارا سفر
خوشبو میں بسا رہا!

☆

مشورہ

ہماری محبت کی کلینکل موت واقع ہوچکی ہے!
معذرتوں اور عذر خواہیوں کا مصنوعی تنفس
اسے کب تک زندہ رکھے گا
بہتر یہی ہے
کہ ہم منافقت کا پلگ نکال دیں
اور ایک خوبصورت جذبے کو باوقار موت مرنے دیں!

☆

اُسے اِس بات کا پتہ نہیں

اُس نے کہا
ہم جب بھی سفر پہ نکلتے ہیں
بارش ہمارے ساتھ ہولیتی ہے
ایک تیسرے شخص کی طرح
اُس کے لہجے میں چھپی ہلکی سی خفگی پر
میں مسکرائے بنا نہ رہ سکی
مجھے احساس ہے
کہ کبھی کبھی
اُس کے کسی سوال کا جواب

میں بارش کو دے دیتی ہوں
مگر اُسے اس بات کا پتہ نہیں
کہ جس حبس بھری دُنیا میں ہم رہتے ہیں
وہاں
بارش ہی ہماری دوست ہو سکتی ہے!

☆

مُجھے جان لینا چاہیے تھا

وہ مُجھے اس وقت ملا
جب پہاڑوں پر برف پگھل رہی تھی
چیری کے درختوں پر اوّلین شگوفے پُھوٹ رہے تھے
نوخیز خوشبو سے سارا باغ روشن تھا
بلبل نے بس ابھی چہکنا شروع کیا تھا
اپنے بازوؤں میں لئے
وہ مُجھے پھولوں بھری وادی میں
گھومتا رہا
ہم تتلیاں اور جگنو پکڑتے رہے
بارش ایک پیاری دوست کیطرح
ہمارا ہاتھ بٹاتی رہی

جس دن درخت سے پہلا پتّہ گرا
میں اُسے اُٹھانے کے لئے جُھکی
پلٹ کر دیکھا
تو وہ جا چکا تھا!

www.allurdu.com

اب میں ٹوٹے ہوئے پتّوں میں

اپنے آنسو جمع کر رہی ہوں

مُجھے جان لینا چاہیے تھا

کہ اُس کا اور میرا ساتھ

موسمِ بہار تک ہے!

☆

مَلبے پر لِکھی گئی ایک نظم

دیمک ہماری نیو میں اُتر چکی تھی

سو میں نے اُسے بُل ڈوزر چلانے کا اختیار دے دیا!

آج میں اپنے مَلبے پر بیٹھی

سوچ رہی ہوں

ٹپکتی ہوئی چھت

اور گرتی ہوئی دیواروں نے

کتنے بھیڑیوں کو

مجھ سے دُور رکھا تھا!

☆

پروین قادر آغا

جب میرے سر سے چادر اُتری

تو میرے گھر کی چھت میرے لئے اجنبی ہوگئی

www.allurdu.com

''تم ہمارے لئے مر چکی ہو''
اہل خانہ کی خاموشی نے اِعلان کیا
اور میں بابُل کے دروازے سے
دستک دیے بنا
لوٹ آئی
میں نے
(بڑے مان سے)
اپنے پریمی کی طرف دیکھا
مگر اس کی آنکھوں میں برف جم چکی تھی
(جیسے میرے لئے ان جھیلوں میں کنول کبھی کھِلے ہی نہ تھے)
اب میں کُھلے آسمان تلے کھڑی تھی
اپنے لال کو سینے سے لگائے
یا اللہ! میں کہاں جاؤں
سر پہ پہاڑ سی رات
چاروں طرف بھیڑیے
اور عورت کی بُو سونگھتے ہوئے شکاری کتّے
''ہمیں گھاس نہ ڈالنے کا نتیجہ'' کہتی آنکھیں
''ہمیں موقعہ دو'' کہنے والے اشارے
اور چیتھڑے اڑانے والے قہقہے
اور مار دینے والی ہنسی
ٹھٹھے کرتی ہوا
اور فقرے کستی بارش
ہر طرف سے سنگباری!

مجھ میں اور پاگل پن میں

www.allurdu.com

بس ایک رات کا فاصلہ رہ گیا تھا
خودکشی بھی میری تاک میں بیٹھی تھی
قریب تھا کہ
میں اُس کے ہاتھ آ جاتی
کہ ایک سایہ میری طرف بڑھا
اور میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا
''ہمیں کسی کی پرواہ نہیں
تم جیسی بھی ہو، ہمیں عزیز ہو!''
اُس دن
میں اتنا روئی
کہ دُنیا اگر ایک خالی تال ہوتی
تو میرے آنسوؤں سے بھر جاتی
میرا ملامت بھرا وجود
اُس دن سے آج تک
اُس مہربان سایے کی پناہ میں ہے
خدا
کبھی کبھی
اپنے فرشتوں کو
زمین پر بھی بھیج دیتا ہے!

☆

ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس ہیں

ہم سب ایک طرح سے
ڈاکٹر فاسٹس ہیں

www.allurdu.com

کوئی اپنے شوق کی خاطر
اور کوئی کسی مجبوری سے بلیک میل ہو کر
اپنی رُوح کا سودا کر لیتا ہے
کوئی صرف آنکھیں رہن رکھوا کر
خوابوں کی تجارت شروع کر دیتا ہے
کسی کو سارا ذہن ہی گروی رکھوانا پڑتا ہے
بس دیکھنا یہ ہے
کہ سکّۂ رائج الوقت کیا ہے
سو زندگی کی WALL STREET کا ایک جائزہ
یہ کہتا ہے
کہ آجکل قوّتِ خرید رکھنے والوں میں
عزّتِ نفس بہت مقبول ہے!

☆

پھر وہی فرمان

کلچر کی باگ دوڑ
پارٹی ACTIVITIES نے سنبھال لی ہے
اب راگوں کی چولیں
ترکھان بٹھائیں گے
اور شاعری
کمہاروں کے آوے میں پکا کرے گی
مصوّری کو لوہار کی دھونکنی کی ضرورت ہے
"بہت ہو گئی رجعت پسندی

www.allurdu.com

رابطے کا ہر وسیلہ اب ہمارا ہے

خفیہ یا قومی"

"بیان ادھورا رہ گیا......"

"تو رہتا ہے"

"مغنیہ ابھی استھائی پر تھی......"

"کوئی بات نہیں

انترہ ہم خود اُٹھالیں گے"

"لیکن حضور ایک نظر رومانیہ اور چیکوسلواکیہ اور مشرقی جرمنی پر تو ڈالیں

خود قبلہ گاہی گورباچوف......"

"ہمیں خبر ہے

"مگر ہم GLASNOST کی خرافات میں نہیں پڑنا چاہتے

ہر وہ شخص جو ہماری اجازت کے بغیر

گزشتہ برسوں زندہ رہا

غدّار ہے

اور غدّاری کی سزا موت ہے

اور زندہ بچ جانے والوں کو خبر ہو

کہ وفاداری کے سرٹیفکیٹ پر اَب ہمارے دستخط ہوں گے

رسّہ کھینچنے کا اختیار ہمیں مل چکا ہے!"

☆

www.allurdu.com

سندھو دریا کی محبّت میں ایک نظم

ہریالی دریا کے دونوں جانب ہوتی ہے
وہ پہاڑوں اور میدانوں میں بہتے ہوئے
پتھروں اور پُھولوں سے یکساں سلوک کرتا ہے
مچھلیاں پکڑتے ہوئے
کبھی کسی مچھیرے سے اُس کا ڈومی سائل نہیں مانگتا
بلکہ شکریے کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے
ہوا اور بادل کی طرح مہربان اور بے نیاز
مگر جب اُس کے کناروں پر رہنے والے
اُس کے پانیوں میں نفرتیں ملانے لگیں
اور بچّوں اور پھولوں کو
والیوں اور مالیوں کا شجرہ دیکھ کر
پانی کا پرمٹ جاری کرنے لگیں
اور یہ سلسلہ بہت دیر تک چلتا رہے
تو تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے
کہ ایسے موقعوں پر
دریا اپنا جغرافیہ تبدیل کر لیتے ہیں!

میرا خیال ہے
ہمارے لئے
فی الحال ایک موہن جوداڑو کافی ہے!

ختم شد

کفِ آئینہ

پروین شاکر

urdunovelist.blogspot.com

ترتیب

۱	پت جھڑ سے ہے گلہ نہ شکایت ہوا سے ہے	۹
۲	بہت رویا وہ ہم کو یاد کر کے	۱۱
۳	چلنے کا حوصلہ نہیں، رکنا محال کر دیا	۱۲
۴	زباں پہ تذکرہ بام و در نہیں لاتا	۱۴
۵	تخت ہے اور کہانی ہے وہی	۱۶
۶	میں اس سے بھلا کہاں ملی تھی	۱۸
۷	جب ساز کی لے بدل گئی تھی	۲۱
۸	دو شعر	۲۳
۹	نظم	۲۴
۱۰	یہ میرے ہاتھ کی گرمی	۲۶
۱۱	نظم	۲۸
۱۲	نہ میں نے چاند دیکھا	۲۹
۱۳	نظم	۳۰
۱۴	مگر اس دل کی ویرانی	۳۱
۱۵	سلا رہا تھا نہ بیدار کر سکا تھا مجھے	۳۳
۱۶	تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی	۳۵
۱۷	جشن سا آٹھ پہر دل میں ہے	۳۶
۱۸	حرف تازہ نئی خوشبو میں لکھا چاہتا ہے	۳۸
۱۹	چپ رہتا ہے وہ اور آنکھیں بولتی رہتی ہیں	۴۰
۲۰	وقت رخصت آگیا، دل پھر بھی گھبرایا نہیں	۴۱

urdunovelist.blogspot.com

۲۱ یہ کیسا خلا ہے! ۴۲
۲۲ ہوا جام صحت تجویز کرتی ہے ۴۳
۲۳ نظم ۴۶
۲۴ ایک ساؤنڈ پروف نظم ۴۸
۲۵ نظم ۵۱
۲۶ اک عجیب رو تھی خیال میں مرے آ گئی ۵۳
۲۷ خوشی کی بات ہے یا دکھ کا منظر دیکھ سکتی ہوں ۵۵
۲۸ بھولا نہیں دل عتاب اس کے ۵۷
۲۹ تین شعر ۵۸
۳۰ دل میں آئی رات ۵۹
۳۱ جیسے مشام جاں میں سمائی ہوئی ہے رات ۶۱
۳۲ نظم ۶۳
۳۳ نظم ۶۵
۳۴ نظم ۶۶
۳۵ تمہاری ہنسی ۶۷
۳۶ نئے سال کی دعا ۶۸
۳۷ یہ پیاس سماعت کی ۶۹
۳۸ صحرا کی طرح تپی ہوئی برف ۷۰
۳۹ ظلم کے ہاتھوں اذیت میں ہے جس طرح حیات ۷۲
۴۰ سلگ رہا ہے مرا شہر، جل رہی ہے ہوا ۷۳
۴۱ نہ بجھ رہی ہے نہ اب کے بھڑک رہی ہے ہوا ۷۴
۴۲ کیوں مجھ پہ ہوا ہے مہرباں تو ۷۶
۴۳ رکی ہوئی ہے ابھی تک بہار آنکھوں میں ۷۸
۴۴ ایک خالی دوپہر ۷۹
۴۵ نظم ۸۰
۴۶ نظم ۸۱
۴۷ نظم ۸۲
۴۸ نظم ۸۴
۴۹ نظم ۸۵
۵۰ سیمیا ۸۷
۵۱ دیکھ کر دانہ جو آئے ہیں سرِ شاخ پرند ۸۹
۵۲ جز طلب اس سے کیا نہیں ملتا ۹۰
۵۳ تاروں کے لئے بہت کڑی تھی ۹۲
۵۴ رخصت کی کسک رہی ہے اب تک ۹۴
۵۵ لو چراغوں کی کل شب اضافی رہی ۹۷
۵۶ تار مژگاں نہیں مل رہا تھا ۹۸
۵۷ آنکھوں نے کیسے خواب تراشے ہیں ان دنوں ۹۹
۵۸ سنڈریلا ---- Unvisited ۱۰۱
۵۹ نظم ۱۰۳
۶۰ نظم ۱۰۵

urdunovelist.blogspot.com

۶۱	نظم	۱۰۷
۶۲	ایک ہی ہاتھ میں سب کچھ سمٹ آیا شاید	۱۰۹
۶۳	نثری نظم	۱۱۱
۶۴	تمہاری سالگرہ پر	۱۱۳
۶۵	سلام	۱۱۶

غزل

پت جھڑ سے ہے گلہ نہ شکایت ہوا سے ہے
پھولوں کو کچھ عجیب محبت ہوا سے ہے

سرشارئِ شگفتگئِ گُل کو کیا خبر
منسوب ایک اور حکایت ہوا سے ہے

urdunovelist.blogspot.com

رکھّا ہے آندھیوں نے ہی ہم کو کشیدہ سر
ہم وہ چراغ ہیں جنہیں نسبت ہوا سے ہے

اس گھر میں تیرگی کے سوا کیا رہے جہاں
دل شمع پر ہیں اور ارادت ہوا سے ہے

بس کوئی چیز ہے کہ سلگتی ہے دل کے پاس
یہ آگ وہ نہیں جسے صُحبت ہوا سے ہے

صرصر کو اذن ہو جو صبا کو نہیں ہے بار
کنجِ قفس میں زیست کی صورت ہوا سے ہے

گلچیں کو ہی خرامِ صبا سے نہیں ہے خار
اب کے تو باغباں کو عداوت ہوا سے ہے

خوشبو ہی رنگ بھرتی ہے تصویرِ باغ میں
بزمِ خبر میں گل کی سیادت ہوا سے ہے

دستِ شجر میں رکھے کہ آکر بکھیر دے
آئینِ گل میں خاص رعایت ہوا سے ہے

اب کے بہار دیکھیے کیا گل کھلائے گی
دلدادگانِ رنگ کو وحشت ہوا سے ہے

غزل

بہت رویا وہ ہم کو یاد کر کے
ہماری زندگی برباد کر کے

پلٹ کر پھر یہیں آجائیں گے ہم
وہ دیکھے تو ہمیں آزاد کر کے

رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے
مگر ہاں منتِ صیاد کر کے

بدن میرا چھوا تھا اس نے لیکن
گیا ہے روح کو آباد کر کے

ہر آمر طول دینا چاہتا ہے
مقرر ظلم کی معیاد کر کے

urdunovelist.blogspot.com

غزل

چلنے کا حوصلہ نہیں، رکنا محال کر دیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھکو نڈھال کر دیا

اے مری گل زمیں تجھے چاہ تھی اک کتاب کی
اہلِ کتاب نے مگر کیا ترا حال کر دیا

urdunovelist.blogspot.com

ملتے ہوئے دلوں کے بیچ اور تھا فیصلہ کوئی
اس نے مگر بچھڑتے وقت اور سوال کر دیا

اب کے ہوا کے ساتھ ہے دامنِ یار منتظر
بانوئے شب کے ہاتھ میں رکھنا سنبھال کر دیا

ممکنہ فیصلوں میں ایک، ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی، اس نے کمال کر دیا

میرے لبوں پہ مُہر تھی، پر شیشہ رُو نے تو
شہر کے شہر کو مرا واقفِ حال کر دیا

چہرہ و نام ایک ساتھ آج نہ یاد آسکے
وقت نے کس شبیہ کو خواب و خیال کر دیا

مدّتوں بعد اس نے آج مجھ سے کوئی گلہ کیا
منصبِ دلبری پہ کیا مجھکو بحال کر دیا

غزل

زباں پہ تذکرۂ بام و در نہیں لاتا
وطن سے کوئی خبر نامہ بر نہیں لاتا

گلاب کو نہ یقیں ہوگا جب تلک صیّاد
ہوا کے طشت میں اک مشتِ پر نہیں لاتا

یہ راہِ عشق ہے مقتل سے ہو کے جاتی ہے
سو اس سفر میں کوئی دل میں ڈر نہیں لاتا

تمام بوجھ تو رستے میں جمع ہوتا ہے
ورود سے کوئی رختِ سفر نہیں لاتا

میں جس کے دھیان میں پہروں اداس رہتی ہوں
خیال دل میں مرا لمحہ بھر نہیں لاتا

سوادِ شام! اسیروں میں کون شامل ہے
بلا سبب کوئی نیزے پہ سر نہیں لاتا

urdunovelist.blogspot.com

غزل

تخت ہے اور کہانی ہے وہی
اور سازش بھی پرانی ہے وہی

قاضئِ شہر نے قبلہ بدلا
لیک خطبے میں روانی ہے وہی

خیمہ کش اب کے ذرا دیکھ کے ہو
جس پہ پہرہ تھا، یہ پانی ہے وہی

صلح کو فسخ کیا دل میں مگر
اب بھی پیغامِ زبانی ہے وہی

آج بھی چہرۂ خورشید ہے زرد
آج بھی شام سہانی ہے وہی

بدلے جاتے ہیں یہاں روز طبیب
اور زخموں کی کہانی ہے وہی

حجلۂ غم یونہی آراستہ ہے
دل کی پوشاک شہانی ہے وہی

شہر کا شہر یہاں ڈوب گیا
اور دریا کی روانی ہے وہی

urdunovelist.blogspot.com

غزل

میں اس سے بھلا کہاں ملی تھی
بس خواب میں خواب دیکھتی تھی

urdunovelist.blogspot.com

سایہ تھا کوئی کنارِ دریا
اور شام کی ڈوبتی گھڑی تھی

کہرے میں چھپا ہوا تھا جنگل
چڑیا کہیں دور بولتی تھی

لپٹی ہوئی دھند کی ردا میں
اک زرد گلاب کی کلی تھی

اک سبز غبار تھا فضا میں
بارش کہیں سانس لے رہی تھی

بادل کوئی چھو گیا تھا مجھکو
چہرے پہ عجیب تازگی تھی

آنکھوں میں ٹھہر گئی تھی شبنم
اور روح میں نرم روشنی تھی

کیا چیز تھی جو مرے بدن میں
آہستہ آہستہ کھِل رہی تھی

اک گیت ہوا کے ہونٹ پر تھا
اور اس کی زبان اجنبی تھی

اس رات جبین ماہ پر بھی
تحریر کوئی قدیم سی تھی

یہ عشق نہیں تھا اس زمیں کا
اس میں کوئی بات سرمدی تھی

urdunovelist.blogspot.com

غزل

جب ساز کی لے بدل گئی تھی
وہ رقص کی کونسی گھڑی تھی

اب یاد نہیں کہ زندگی میں
میں آخری بار کب ہنسی تھی

جب کچھ بھی نہ تھا یہاں پہ ماقبل
دنیا کس چیز سے بنی تھی

مٹھی میں تو رنگ تھے ہزاروں
بس ہاتھ سے ریت بہہ رہی تھی

ہے عکس ، تو آئینہ کہاں ہے
تمثیل یہ کس جہان کی تھی

ہم کس کی زبان بولتے ہیں
گر ذہن میں بات دوسری تھی

تنہا ہے اگر ازل سے انساں
یہ بزم کلام کیوں سجی تھی

تھا آگ ہی گر مرا مقدر
کیوں خاک میں پھر شفا رکھی تھی

کیوں موڑ بدل گئی کہانی
پہلے سے اگر لکھی ہوئی تھی

urdunovelist.blogspot.com

دو شعر

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن یہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں

مایوس ہو کے دیکھ رہے ہیں خلا میں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر سخت بھی نہیں

نظم

سوادِ زندگانی میں
اک ایسی شام آتی ہے
کہ جس کے سرمئی آنچل میں
کوئی پھول ہوتا ہے
نہ ہاتھوں میں کوئی تارہ!
جو آکر بازوؤں میں تھام لے
پھر بھی
رگ و پے میں کوئی آہٹ نہیں ہوتی
کسی کی یاد آتی ہے
نہ کوئی بھول پاتا ہے
نہ کوئی غم سلگتا ہے
نہ کوئی زخم سلتا ہے

urdunovelist.blogspot.com

گلے ملتا ہے کوئی خواب
نے کوئی تمنا ہاتھ ملتی ہے
سوادِ زندگانی میں
اک ایسی شام آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے!

یہ میرے ہاتھ کی گرمی

یہ میرے ہاتھ کی گرمی
جسے چھو کر
تمہاری آنکھ میں حیرت کے ڈورے ہیں
کہ اس سے قبل جب بھی تم نے میرا ہاتھ تھاما
برف کا موسم ہی پایا تھا
یہ موسم میرے اندر کتنے برسوں سے فروکش تھا
بہار آتی تھی
اور میرے دریچوں پر کبھی دستک نہ دیتی تھی
گلابی بارشیں
میرے لئے ممنوع تھیں
اور صبح کی تازہ ہوا کا ذائقہ
میں بھول بیٹھی تھی

مرے ملبوس سے سب گرم رنگوں کو شکایت تھی
مجھے بس برف کی چادر پہننے کی اجازت تھی
مگر جاناں!
تمہارے ساتھ نے تو روح کا موسم بدل ڈالا
یہاں اب رنگ کا تہوار ہے
خوشبو کا میلہ ہے
مرا ملبوس اب گہرا گلابی ہے
مرے خوابوں کا چہرہ ماہتابی ہے
مرے ہاتھوں کی حدت آفتابی ہے
جسے چھو کر........

urdunovelist.blogspot.com

نظم

پہلے بھی یہ دل ہجر سے بے حال ہوا ہے
پہلے بھی بچھڑنے کی سزا پائی ہے اس نے
رخصت کی اذیت میں جو شدت ہے، سہی ہے
آیا ہے بہت یاد کسی چشم کا جادو
خود سے بہت آئی کسی ملبوس کی خوشبو
کھینچا ہے بہت قلب کو گزرے ہوئے کل نے
دن بھر کبھی دوری نے زبوں حال رکھا ہے
رخصت کی گھڑی ٹھہر گئی روح میں جیسے!

اس بار جو آیا ہے مگر، ہجر کا موسم
اس میں دلِ بیمار کی وحشت ہی الگ ہے
مٹی سے جدائی کی حکایت ہی الگ ہے
کچھ دیر کی تاخیر جو ہوتی ہے وطن سے
لگتا ہے کہ اب جان نکل جائے گی تن سے!

urdunovelist.blogspot.com

نہ میں نے چاند دیکھا

نہ میں نے چاند دیکھا
اور نہ کوئی تہنیت کا پھول کھڑکی سے اٹھایا
مرا ملبوس اب بھی ملگجا ہے
حنا سے ہاتھ خالی
اور چوڑی سے کلائی
نہ میرے پاس تھے تم
اور نہ میرے شہر سے گزرے
میں کیا افشاں لگاتی
مانگ میں سیندور بھرتی
رنگ اور خوشبو پہنتی
چاند کی جانب نظر کرتی
کہ میری لذّتِ دیدار تو تم ہو!
مرا تہوار تو تم ہو!

نظم

یہ بارش خوبصورت ہے
اک عرصے بعد
میری روح میں
سیراب ہونے کی تمنا جاگ اٹھی ہے
مگر بادل کے رستے میں
بہت سے پیڑ آتے ہیں
میں پل بھر کے لئے شاداب ہوں
اور اپنی باقی عمر
پھر صحرا میں کاٹوں؟

میں اپنی پیاس پر راضی رہوں گی
مرے آنسو مرے دل کی کفالت کے لئے کافی رہیں گے

مگر اس دل کی ویرانی

تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے
اور اسکی خوش اثر حدت
مرے اندر طلسمی رنگ پھولوں کی نئی دنیا کھلانے میں مگن ہے
تمہارے لب پہ میرے نام کا تارہ چمکتا ہے
تو مری روح ایسے جگمگا اٹھتی ہے
جیسے آئینے میں چاند اتر آئے
مری پلکوں سے آنسو چوم کر
تم نے انہیں موتی بنانے کی جو ضد کی ہے
وہ ضد مجھکو بہت اچھی لگی ہے
بہت خوش ہوں
کہ میرے سر پہ چادر رکھنے والا ہاتھ
میرے ہاتھ میں پھر آگیا ہے

urdunovelist.blogspot.com

یہ پھول اور یہ ستارے اور یہ موتی
مجھکو قسمت سے ملے ہیں
اور اتنے ہیں کہ گنتی میں نہیں آتے
مگر اس دل کی ویرانی ------!
مگر اس دل کی ویرانی ------!

غزل

سلا رہا تھا نہ بیدار کر سکا تھا مجھے
وہ جیسے خواب میں محسوس کر رہا تھا مجھے

یہی تھا چاند اور اسکو گواہ ٹھہرا کر
ذرا سا یاد تو کر تُو نے کیا کہا تھا مجھے

تمام رات مری خواب گاہ روشن تھی
کسی نے خواب میں اک پھول دے دیا تھا مجھے

وہ دن بھی آئے کہ خوشبو سے میری آنکھ کھلی
اور ایک رنگ حقیقت میں چھو رہا تھا مجھے

urdunovelist.blogspot.com

میں اپنی خاک پہ کیسے نہ لوٹ کر آتی
بہت قریب سے کوئی پکارتا تھا مجھے

درونِ خیمہ ہی میرا قیام رہنا تھا
تو میرِ فوج نے لشکر میں کیوں لیا تھا مجھے

غزل

تھک گیا ہے دلِ وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی

اے ہوا کیا ہے جو اب نظمِ چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے، صیاد سے بھی

کیوں سرکتی ہوئی لگتی ہے زمیں یاں ہر دم
کبھی پوچھیں تو سبب شہر کی بنیاد سے بھی

urdunovelist.blogspot.com

برق تھی یا کہ شرارِ دلِ آشفتہ تھا
کوئی پوچھے تو مرے آشیاں برباد سے بھی

بڑھتی جاتی ہے کشش وعدہ گہِ ہستی کی
اور کوئی کھینچ رہا ہے عدم آباد سے بھی

غزل

جشن سا آٹھ پہر دل میں ہے
کتنی یادوں کا شہر دل میں ہے

تجھ سے ملنے کی سرخوشی کے ساتھ
ایک اداسی کی لہر دل میں ہے

ہے ازل سے رخِ فلک نیلا
کس قیامت کا زہر دل میں ہے

دھوپ نکلی ہوئی ہے برف کے بعد
کون یہ صبح چہر دل میں ہے

خشک ہوتی نہیں کسی موسم
غم کی اک ایسی نہر دل میں ہے

حیف ہے ایسی میزبانی پر
حسرتِ سیرِ دہر دل میں ہے

urdunovelist.blogspot.com

غزل

حرفِ تازہ نئی خوشبو میں لکھا چاہتا ہے
باب اک اور محبت کا کھلا چاہتا ہے

ایک لمحے کی توجہ نہیں حاصل اسکی
اور یہ دل کہ اسے حد سے سوا چاہتا ہے

اک حجابِ تہہِ اقرار ہے مانع ورنہ
گل کو معلوم ہے کیا دستِ صبا چاہتا ہے

urdunovelist.blogspot.com

ریت ہی ریت ہے اس دل میں مسافر میرے
اور یہ صحرا ترا نقشِ کفِ پا چاہتا ہے

یہی خاموشی کئی رنگ میں ظاہر ہوگی
اور کچھ روز، کہ وہ شوخ کھلا چاہتا ہے

رات کو مان لیا دل نے مقدر لیکن
رات کے ہاتھ پہ اب کوئی دیا چاہتا ہے

تیرے پیمانے میں گردش نہیں باقی ساقی
اور تری بزم سے اب کوئی اٹھا چاہتا ہے

غزل

چپ رہتا ہے وہ اور آنکھیں بولتی رہتی ہیں
اور کیا کیا بھید نظر کے کھولتی رہتی ہیں

وہ ہاتھ مرے اندر کیا موسم ڈھونڈتا ہے
اور انگلیاں کیسے خواب ٹٹولتی رہتی ہیں

اک وقت تھا جب یہی چاند تھا اور سناٹا تھا
اور اب یہی شامیں موتی رولتی رہتی ہیں

یاد آتی ہیں اسکی پیار بھری باتیں شب بھر
اور سارے بدن میں امرت گھولتی رہتی ہیں

urdunovelist.blogspot.com

غزل

وقتِ رخصت آگیا، دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اسکو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں

زندگی جتنی بھی ہے اب مستقل صحرا میں ہے
اور اس صحرا میں تیرا دُور تک سایہ نہیں

میری قسمت میں فقط درد تہہ ساغر ہی ہے
اوّل شب جام میری سمت وہ لایا نہیں

تیری آنکھوں کا بھی کچھ ہلکا گلابی رنگ تھا
ذہن نے میرے بھی اب کے دل کو سمجھایا نہیں

کان بھی خالی ہیں میرے اور دونوں ہاتھ بھی
اب کے فصلِ گل نے مجھکو پھول پہنایا نہیں

یہ کیسا خلا ہے

یہ کیسا خلا ہے
جو خوابوں کے رستے مری روح میں آ گیا ہے
میں جس پھول بن میں
ہری گھاس پر تتلیاں چن رہی تھی
وہ فرش گیہ میرے قدموں سے کیسے جدا ہو گیا
میں جس آسماں کے
ستاروں میں اپنا ستارہ الگ کر رہی تھی
وہ تاروں بھری چھت مرے سر سے کیوں ہٹ گئی
زمیں پر ہوں اور میں نہ زیرِ فلک
نہ دھڑکا ہے دل کو نہ کوئی کسک
ترے ساتھ ہوں اور نہ تیرے بغیر
جئے جا رہی ہوں میں اپنے بغیر

urdunovelist.blogspot.com

ہوا جامِ صحت تجویز کرتی ہے

مجھے معلوم تھا
یہ دن بھی دکھ کی کوکھ سے پھوٹا ہے
میری ماتمی چادر
نہیں تبدیل ہو گی آج کے دن بھی
جو راکھ اڑتی تھی خوابوں کی بدن میں
یونہی آشفتہ رہے گی
اور اداسی کی یہی صورت رہے گی!
میں اپنے سوگ میں ماتم کناں
یوں سر بہ زانو رات تک بیٹھی رہوں گی
اور مرے خوابوں کا پُرسہ آج بھی کوئی نہیں دے گا----!
مگر یہ کون ہے
جو یوں مجھے باہر بلاتا ہے
بڑی نرمی سے کہتا ہے

کہ اپنے حجرۂ غم سے نکل کر باغ میں آؤ
ذرا باہر تو دیکھو!
دور تک سبزہ بچھا ہے
اور ہری شاخوں پہ نارنجی شگوفے مسکراتے ہیں
ملائم سبز پتوں پر پڑی شبنم
سنہری دھوپ میں، ہیرے کی صورت جگمگاتی ہے
درختوں میں چھپی ندّی
بہت دھیمے سروں میں گنگناتی ہے
چمکتے زرد پھولوں سے لدی، ننھی پہاڑی کے عقب میں
نقرئی چشمہ خوشی سے کھلکھلاتا ہے
پرند خوش گلو
شاخِ شگفتہ پر چہکتا ہے
گھنے جنگل میں بارش کا غبار سبز
سطحِ شیشۂ دل پر
ملائم انگلیوں سے مرحبا کے لفظ لکھتا ہے

کوئی آتا ہے
آ کر چادرِ غم کو بڑی آہستگی سے
میرے شانوں سے ہٹا کر
سات رنگوں کا دوپٹہ کھول کر مجھکو اڑھاتا ہے
میں کھُل کر سانس لیتی ہوں
مرے اندر
کوئی پیروں میں گھنگھرو باندھتا ہے
رقص کا آغاز کرتا ہے
مرے کانوں کے آویزوں کو یہ کس نے چھُوا
جس سے لویں پھر سے گلابی ہو گئی ہیں
کوئی سرگوشیوں میں پھر سے میرا نام لیتا ہے
فضا کی نغمگی آواز دیتی ہے
ہوا جامِ صحت تجویز کرتی ہے

urdunovelist.blogspot.com

نظم

گِلہ کیسا

اسیرِ شامِ تنہائی سے یہ آخر گلہ کیسا
تجھے تو علم تھا زنجیر کا میری
جو پیروں میں بھی ہے
اور روح پر بھی
میں اپنے بخت کی قیدی ہوں
میری زندگی میں
نرم آوازوں کے جگنو کم چمکتے ہیں
فصِیلِ شہرِ غم پر خوش صدا طائر
کہاں آکر ٹھہرتے ہیں
تری آواز کا ریشم میں کیسے کاٹ سکتی تھی
مرے بس میں اگر ہوتا

urdunovelist.blogspot.com

تو ساری عمر
اس ریشم سے اپنے خواب بُنتی
اور اس رم جھم کے اندر بھیگتی رہتی!
تجھے تو میرے دکھ معلوم تھے جاناں!
یہ کس لہجے میں تُو رخصت ہوا ہے!

ایک ساؤنڈ پروف نظم

بہت خوش شکل ہے یہ گھر
طلسمی ہے فضا اس کی
دریچوں کا ہے رخ دریا کی جانب
اور دروازے بھی اکثر باغ کے پہلو میں کھلتے ہیں!
عروسِ نو کے خوابوں کی طرح منقش ہے ہر کمرہ
اور ان کے وسط میں المانوی شمعیں سحر تک جھلملاتی ہیں
بہت آراستہ مہمان خانے میں
طلائی قاب میں رکھے ہوئے اثمارِ تازہ' سبز و عنابی
منقش جامِ سیمیں میں شراب کہربائی
اور کفِ دہلیز سے لے کر
مکینوں کے نگاریں حجلہ گاہِ خواب
اور دیوان خانے تک

بچھے غالیچۂ شیراز و روما
آپ کے قدموں کی آہٹ اس طرح سے جذب کرتے ہیں
کہ جیسے خانہ زاد تاج
محلوں میں چھپے رازوں کو اپنے گنگ سینوں میں۔
مکیں سرگوشیوں میں بات کرتے ہیں
صدائے شام کا زخمی پرندہ
شیشۂ در سے برابر سر کو ٹکراتا ہے
لیکن باریابی کی کوئی صورت نہیں بنتی
دریچوں پر کبھی
بارش کی ننھی سی ہتھیلی کی جھلک
مجھ کو دکھائی دے بھی جاتی ہے
مگر دستک نہیں آتی
جہاں میں ہوں
وہاں آواز کو رستہ نہیں ملتا!

urdunovelist.blogspot.com

یہاں سے ایک شب کے فاصلے پر
دور آزادی کی مورت کے جلو میں
شاہراہ شرقِ اوّل پر
طلسمی رنگ، جادوئی فضا
اک اور بستی ہے
جہاں دنیائے سوئم کے
کسی کوچے سے آتے بین کو
پروانۂ راہداریٔ عظمیٰ نہیں ملتا
جہاں ہم ہیں
وہاں آواز کو رستہ نہیں ملتا!

نظم

خوشبو میں بسا ہوا یہ لہجہ
دستک مرے دل پہ دے رہا ہے
اور ڈھونڈ رہا ہے میرے اندر
اک شاخِ بہار رنگ جس پر
اقرار کے پھول کھل رہے ہوں!

میں کیسے کروں یہ در کشادہ
اس پر تو وہ قفل پڑ چکا ہے
جس کے لئے سارے اسم بیکار
یہ میرے ستارے کی طرح ہے
تاریک، اداس، غیر آباد!

اے میرے خدا، مرے بدن میں
ہمت نہیں اب شکستگی کی
شیشے کی طرح ہے اس کا دل بھی
اک ٹھیس سے ٹوٹنے کا ڈر ہے

urdunovelist.blogspot.com

مالک ہے تو آب و باد و گل کا
قادر ہے ہماری قسمتوں پر
اتنی سی دعا ہے میری تجھ سے
یا اس کے ارادے کو بدل دے!
یا میرے ستارے کو بدل دے!

غزل

اک عجیب رو تھی خیال میں مرے آگئی
کسی اور قرن سے حال میں مرے آگئی

یہ تری نگاہ ستارہ ساز کا ہے اثر
یہ جو روشنی خدوخال میں مرے آگئی

مری عمر میں نہیں دکھ میں فرق پڑا ہے یہ
یہ کمی سی جو مہ و سال میں مرے آگئی

وہ جواب دے کے بھی دیر تک رہا سوچتا
کوئی بات ایسی سوال میں مرے آگئی

ترے ساتھ اڑنے کا سوچ کر ہی میں کھل گئی
کوئی لہر سی پر و بال میں مرے آگئی

urdunovelist.blogspot.com

کبھی زندگی میں منافقت نہیں کر سکی
یہ کمی بھی فرد میں مرے آگئی

کبھی پیچھے نظم کے بھاگنا مجھے پڑ گیا
کبھی خود یہ تیتری جال میں مرے آگئی

غزل

خوشی کی بات ہے یا دکھ کا منظر دیکھ سکتی ہوں
تری آواز کا چہرہ میں چھو کر دیکھ سکتی ہوں

ابھی تیرے لبوں پہ ذکرِ فصلِ گل نہیں آیا
مگر اک پھول کھلتے اپنے اندر دیکھ سکتی ہوں

urdunovelist.blogspot.com

مجھے تیری محبت نے عجب اک روشنی بخشی
میں اس دنیا کو اب پہلے سے بہتر دیکھ سکتی ہوں

کنارہ ڈھونڈنے کی چاہ تک مجھ میں نہیں ہوگی
میں اپنے گرد اک ایسا سمندر دیکھ سکتی ہوں

خیال آتا ہے آدھی رات کو جب بھی ترا دل میں
اُترتا اک صحیفہ اپنے اوپر دیکھ سکتی ہوں

وصال و ہجر اب یکساں ہیں، وہ منزل ہے الفت میں
میں آنکھیں بند کر کے تجھکو اکثر دیکھ سکتی ہوں

ابھی تیرے سوا دنیا بھی ہے موجود اس دل میں
میں خود کو کس طرح تیرے برابر دیکھ سکتی ہوں

urdunovelist.blogspot.com

غزل

بھولا نہیں دل عتاب اس کے
احسان ہیں بے حساب اس کے

آنکھوں کی ہے ایک ہی تمنا
دیکھا کریں روز خواب اس کے

ایسا کوئی شعر کب کہا ہے
جو ہو سکے انتساب اس کے

اپنے لئے مانگ لوں خدا سے
حصے میں جو ہیں عذاب اس کے

ویسے تو وہ شوخ ہے بلا کا
اندر ہیں بہت حجاب اس کے

تین شعر

پیراہن غم سیا ہے کس نے
خوابوں کو کفن دیا ہے کس نے

جب گھر میں رکھی ہوئی ہو میّت
پھر جشن بپا کیا ہے کس نے

اوروں پہ جو لوگ سائباں تھے
بے گھر انہیں کر دیا ہے کس نے

urdunovelist.blogspot.com

غزل

دل میں آئی رات
چھوٹی سی اک بات

اب کے پروائی
لائی کیا سوغات

پھولوں بھرا رستہ
اور کسی کا سات

اس نے تھام لیا
چوم کے میرا ہات

آنگن میں اتری
تاروں کی بارات

جیون میں آئی
پورے چاند کی رات

تن من جل تھل ہے
یہ کیسی برسات

اس کی یاد میں گم
میں، خوشبو اور رات

غزل

جیسے مشامِ جاں میں سمائی ہوئی ہے رات
خوشبو میں آج کس کی نہائی ہوئی ہے رات

سرگوشیوں میں بات کریں ابر و باد و خاک
اس وقت کائنات پہ چھائی ہوئی ہے رات

urdunovelist.blogspot.com

ہر رنگ جس میں خواب کا گھلتا چلا گیا
کس رنگ سے خدا نے بنائی ہوئی ہے رات

پھولوں نے اس کا جشن منایا زمین پر
تاروں نے آسماں پہ سجائی ہوئی ہے رات

وہ چاند چھپ چکا ہے مگر شہرِ دید نے
اب تک اسی طرح سے بسائی ہوئی ہے رات

صبحِ جمالِ یار کے جادو کو دیکھ کے
ہم نے نظر سے اپنی چھپائی ہوئی ہے رات

نظم

زمستاں کی اک ریشمیں شام تھی
مرے گھر کے سارے دریچے
تری نرم دستک کے یوں منتظر تھے
کہ جیسے ازل سے تری آہٹوں سے شناسا ہیں
خواب گہ سے فضا
کمرۂ میزبانی تلک
تازہ نرگس کی خوشبو سے گلنار تھی
تو نے دہلیز پر پاؤں رکھا ہی تھا
کہ مرے گھر کے سارے دیے جل اٹھے
رنگ اور روشنی اور خوشبو کا سیلاب تھا
جو بہائے لئے جا رہا تھا ہمیں!

urdunovelist.blogspot.com

دیر تک گفتگو سے چراغاں رہا
موسموں پر،
سیاست پہ
کارِ جہاں اور کارِ سماوات پر
پر وہ اک لفظ جو
تیرے دل میں کھلا
اور مرے خواب میں
ان چھوا ہی رہا!

نظم

تمہارے جانے کے بعد میں نے
وہ شام آنچل میں باندھ لی
اور اس کی خوشبو کے ساتھ
باقی تمام شب اس طرح بسر کی
کہ جیسے بارش کے بازوؤں میں
بہار کی اولین کونپل
تمہارے لہجے کی نرم شبنم
مجھے بھگوتی رہی ہے شب بھر
تمہاری باتوں کی سبز مہکار، اپنے اندر
مجھے سموتی رہی ہے شب بھر
تمہارے ہاتھوں کا لمسِ پیہم
مرے بدن کو گلاب کرتا رہا ہے شب بھر
زمین کو ماہتاب کرتا رہا ہے شب بھر

urdunovelist.blogspot.com

نظم

جب شام کے ہاتھوں میں
اک جام نگاریں ہو
اور رات کے لہجے میں
ہلکا سا سرور سے
اور اس کی بہت گہری
آنکھوں میں گلابی ہو
اس وقت یہ پیاسا دل
جب بات کرے اس سے
مدہوش نہ ہو کیوں کر
آنکھوں کی طرح جس کی
آواز میں سرخی ہو!

تمہاری ہنسی

یہ تمہاری ہنسی
روشنی سے بھری
چاندنی میں ڈھلی
رنگ سے تازہ رو
عشق سے مشک بو
جب بھی دل سے اٹھی
رقص کرنے لگا
روح میں جیسے قوسِ قزح کھنچ گئی

آج بھی اس ہنسی کے وہی رنگ تھے
آج بھی روشنی کی وہی چھوٹ تھی
آج بھی اس کی خوشبو جنوں خیز تھی
پر کوئی بات تھی جس سے خالی تھی یہ
آج تو میری صورت، سوالی تھی یہ

urdunovelist.blogspot.com

نئے سال کی دعا

خدا کرے کہ نیا سال تیرے دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
ترے خیال میں شمعیں جلائی رکھی تھیں!

urdunovelist.blogspot.com

یہ پیاس سماعت کی

حلقومِ سماعت میں
اُگ آئے ہیں اب کانٹے
آواز کا اک قطرہ
لیکن نہیں مل پاتا۔
شبنم ترے لہجے کی
کس بن میں اترتی ہے،
نم تیری ہنسی کا اب
کس تن کو بھگوتا ہے۔
میں پیاس سے بیکل ہوں
اور تیرے تکلّم کا
اک گھونٹ نہیں ملتا۔
اس قحطِ صدا میں دل
اب کے نہ کھلے شاید
یہ پیاس سماعت کی
جاں لے کے ٹلے شاید

غزل

صحرا کی طرح تپی ہوئی برف
کیا آگ سے ہے بنی ہوئی برف!

پتھر کی سیاہ رو سڑک پر
شیشے کی طرح بچھی ہوئی برف

urdunovelist.blogspot.com

ہے شام کی سرمئی ردا پر
چمپا کی طرح ٹکی ہوئی برف

اندر سے سراپا آگ ہوں میں
باہر سے مگر جمی ہوئی برف

ہیں چست قبا شجر ہی ، یا ہے
ہمراہ بدن سلی ہوئی برف

لگتا ہے کہ شب دمک رہی ہے
مہتاب ہے اور کھلی ہوئی برف

مجھ پر کوئی ریت آ کے ڈالے
ویرانے میں ہوں پڑی ہوئی برف

غزل

ظلم کے ہاتھوں اذیت میں ہے جس طرح حیات
ایسا لگتا ہے کہ اب حشر ہے کچھ دیر کی بات

روز اک دوست کے مرنے کی خبر آتی ہے
روز اک قتل پہ جس طرح کہ مامور ہے رات

خیمۂ غیر سے منگوائے ہوئے یہ مخبر
رن پڑے گا تو گھڑی بھر کو نہ دے پائیں گے سات

کس طرح جان سکے طائرِ نو آموز
کون ہے جال کشا' کون لگائے ہوئے گھات!

آستینوں میں چھپائے ہوئے ہر اک خنجر
اور گفتار کی بابت میں ہیں سب قند و نبات

urdunovelist.blogspot.com

غزل

سلگ رہا ہے مرا شہر' جل رہی ہے ہوا
یہ کیسی آگ ہے جس میں پگھل رہی ہے ہوا

یہ کون باغ میں خنجر بدست پھرتا ہے
یہ کس کے خوف سے چہرہ بدل رہی ہے ہوا

شریک ہو گئی سازش میں کس کے کہنے پر
یہ کس کے قتل پہ اب ہاتھ مل رہی ہے ہوا

پرندے سہمے ہوئے ہیں درخت خوف زدہ
یہ کس ارادے سے گھر سے نکل رہی ہے ہوا

غزل

نہ بجھ رہی ہے نہ اب کے بھڑک رہی ہے ہوا
ہمارے دل کی طرح سے تپک رہی ہے ہوا

urdunovelist.blogspot.com

رکھی ہوئی ہے ہر اک گھر کے صحن میں میت
سو وقفے وقفے سے جیسے سسک رہی ہے ہوا

رکھی تھی شہر کی بنیاد کیسے لوگوں نے
یہ کون لوگ ہیں جن میں بھٹک رہی ہے ہوا !

سحر کچھ اور تھا اور اب یہ حال باغ کا ہے
کہ پاؤں رکھتے ہوئے بھی ٹھٹھک رہی ہے ہوا

یہ باغباں ہیں کہ گل چیں، ندیم یا صیاد
کہ ان سے ہاتھ ملاتے جھجک رہی ہے ہوا

بریدہ جانی پہ بھی شہر سانس لیتا ہے
بہت سے لوگوں کے دل میں کھٹک رہی ہے ہوا

غزل

کیوں مجھ پہ ہوا ہے مہرباں تُو
اک ذرۂ خاک، اور کہاں تُو

میں دھوپ کی عادی ہو چلی تھی
کیوں مجھ پہ بنا ہے سائباں تو

urdunovelist.blogspot.com

میں تیری زمینِ نصف شب ہوں
تاروں بھرا میرا آسماں تو

ایسے ہی ہماری سوچ یکجان
میں نطق ترا، مری زباں تو

تیار ہوں میں سفر کو لیکن
کشتی کا اٹھائے بادباں تو

کتنا بھی ہو میرا سخت لہجہ
دیبا و حریر و پرنیاں تو

اک عام غریبِ شہر ہوں میں
کیا سن کے کرے گا داستاں تو

پتھر میں گلاب دیکھتا ہے
کس درجہ ہے مجھ سے خوش گماں تو

اب تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے
ضائع کروں میں، نہ رائیگاں تو

غزل

رکی ہوئی ہے ابھی تک بہار آنکھوں میں
شبِ وصال کا جیسے خمار آنکھوں میں

مٹا سکے گی اسے گردِ ماہ و سال کہاں
کھنچی ہوئی ہے جو تصویرِ یار آنکھوں میں

بس ایک شب کی مسافت تھی اور اب تک ہے
مہ و نجوم کا سارا غبار آنکھوں میں

ہزار صاحبِ رخشِ صبا مزاج آئے
بسا ہوا ہے وہی شہ سوار آنکھوں میں

وہ ایک تھا پہ کیا اس کو جب تہہ تلوار
تو بٹ گیا وہی چہرہ ہزار آنکھوں میں

urdunovelist.blogspot.com

ایک خالی دوپہر

میں باہر کی تمازت سے
جھلس کر آئی تو دیکھا
مرے گھر میں بھی ویسی دھوپ میری منتظر تھی!
کسی آواز نے ماتھا مرا چوما
نہ کوئی دلربا لہجہ
مجھے بانہوں میں لے پایا
حصولِ رزق کی گہری مشقت میں
اٹھائے جانے والے زخم پر
کوئی صدا مرہم فشاں تھی
اور نہ کوئی لفظ ہی اس کا رفوگر تھا
میں جس آواز سے لبریز رہتی تھی
اسی کے ایک جرعے کو ترستی تھی
مرے ہاتھوں میں اک ٹوٹی ہوئی پوجا کی تھالی تھی
مری شاموں کی طرح آج میری دوپہر بھی
تجھ سے خالی تھی!

نظم

آغازِ بہار سے ہی اب کے
یہ کیسا گلاب کھل گیا ہے
سارے جنگل میں روشنی ہے
پتے پتے پہ تازگی ہے
ہر نوک گیاہ پہ ہے شبنم
اک نغمگی ہے ہوا کے تن میں
اک رقص کی کیفیت بدن میں

نظم

ترے لہجے میں اب کی بار
ایسی شانتی تھی
جو اک گہرے تذبذب سے نکل کر
ذہن میں اک فیصلے کے بعد آتی ہے
تذبذب سے نکلنا اسقدر آساں نہیں جاناں!
یہ وہ جنگل ہے
جس میں راستے اک دوسرے کو کاٹ دیتے ہیں
مسافر اک قدم آگے بڑھاتا ہے
تو سو خدشات دامن تھام لیتے ہیں
کوئی رستہ دکھانے کا کہاں سوچے
چراغوں کا تو کیا کہنا
یہاں تو جگنوؤں پہ شک گزرتا ہے
سو ایسے گھپ اندھیرے میں
یقیں کی شمع کس نے آکے تیرے دل میں روشن کی
ترے چہرے پہ اب کی بار
کیسی روشنی تھی!

urdunovelist.blogspot.com

نظم

جان!
کیا بات ہے
کس تذبذب میں ہو
فیصلے پر پہنچنے میں کیا بات مانع ہوئی
اور اگر فیصلے پر پہنچ ہی گئے ہو
تو پھر اس کا دکھ تو نہیں
اور دکھ ہے تو پھر
لوٹنے کی گھڑی
ہاتھ میں ہے ابھی
گرچہ اب شام ہے
اور جنگل قریں
پھر بھی تنہائی کا وقت کٹ جائے گا

urdunovelist.blogspot.com

راستے میں اب اتنی مسافت نہیں
عمر کی رات کے
آخری پہر میں
میں بھی ہوں
تم بھی ہو!

نظم

"دعا کرنا
مرے حق میں دعا کرنا"
بچھڑتے وقت اس نے ایک ہی فقرہ کہا تھا
اسے کیا علم
میرے حرف سے تاثیر کب کی اٹھ چکی ہے!
دعا کا پھول
میرے لب پہ کھلتے ہی
اچانک ٹوٹ جاتا ہے
میں کس خوشبو کو اس کے ہاتھ پر باندھوں
مجھے خوشبو سے ڈر لگنے لگا ہے!

نظم

گلے سے اپنے لگائے مجھ کو
سمیٹ کر اپنے بازوؤں میں
وہ ایک بچے کی طرح مجھ کو تھپک رہا تھا
اور اپنی خواب آفریں سرگوشیوں میں مجھ سے یہ کہہ رہا تھا
ابھی نہ تھکنا!
ابھی نہ تھکنا!

مرے مسافر!
میں جانتی ہوں
ابھی سفر ابتدا ہوا ہے
ابھی مسافت کی حد بھی لکھی نہیں گئی ہے
ابھی تو جنگل میں راستہ ڈھونڈنا پڑے گا

urdunovelist.blogspot.com

ابھی تو رستے میں شام ہو گی
یہ شام بھی بے چراغ ہو گی!
ابھی تو صحرا کی دھوپ میں ننگے پاؤں چلنا پڑے گا مجھ کو
شجر ملے گا نہ سر پہ بادل کا سائباں کوئی تان دے گا
تری جھلک کا ابھی بہت انتظار کرنا پڑے گا مجھ کو
ابھی تو کچے گھڑے پہ دریا کو پار کرنا پڑے گا مجھ کو

مرے مسافر!
میں جانتی ہوں
سفر کی ساری صعوبتوں کو میں جانتی ہوں
مگر مری آنکھ میں جو یہ راکھ اُڑ رہی ہے
یہ گرد جو میرے خال و خد پر جمی ہوئی ہے
قبائے تن تک نہیں رکی ہے
شکستگی میری روح میں ہے!
تھکن جو پچھلے سفر کی ہے
میری ہڈیوں میں اتر چکی ہے!

سیمیا

چارہ گر حیران ہے!

تپ سے تن جھلسا ہوا
نبض ناہموار' دل ڈوبا ہوا
ضعف سے سر اک طرف
زخم سارے تازہ رو
پھر بھی چہرہ پھول کی صورت مرا شاداب ہے!

اس کو کیا معلوم
کس شبنم نے اس پر رات بھر
اپنے لب رکھے رہے
اس کو کیا معلوم
کس بارش نے اس کو سارا دن
اپنے ہاتھوں پر رکھا
اس کو کیا معلوم
اک صحرا نصیب

urdunovelist.blogspot.com

اک توجہ کی نظر سے کس قدر سیراب ہے!
زندگی کا حسن سارا
روح کی ساری نمو
عشق کا اعجاز ہے!
خار سے لے کر
رگِ گل
اور رگِ جاں سے دلِ جاناں تلک
نامیہ کی ایک ہی قوت بروئے کار ہے
عشق اور اس کا فسوں!
"آگ کو گلزار کر سکتا ہے"
موت کو انکار کر سکتا ہے!

غزل

دیکھ کر دانہ جو آئے ہیں سرِ شاخ پرند
رت بدلنے پہ تو یوں بھی نہیں رہنے والے

شہر ویرانی میں صحرا و بیاباں سے بڑھا
اب تو یاں اہلِ جنوں بھی نہیں رہنے والے

خاک ہو جائیں گے قاتل بھی یہاں تیغ بدست
اور غلطیدہ بخوں بھی نہیں رہنے والے

نیم بسمل ہی سہی ہیں تو میسر تجھ کو
پھر تو یہ صید زبوں بھی نہیں رہنے والے

وقت ایسا ہے کہ اب حشر ہے کچھ دیر کی بات
مطمئن اہلِ سکوں بھی نہیں رہنے والے

urdunovelist.blogspot.com

غزل

جز طلب اس سے کیا نہیں ملتا
وہ جو مجھ سے ذرا نہیں ملتا

جان لینا تھا اس سے مل کے ہمیں
بخت سے تو سوا نہیں ملتا

urdunovelist.blogspot.com

زخم کھلنے کے منتظر کب سے
اور لمسِ ہوا نہیں ملتا

کس قدر بدنصیب بادل ہیں
جن کو دستِ دعا نہیں ملتا

میرا مسلک نہیں قصاص مگر
کیا مجھے خوں بہا نہیں ملتا

بستیاں آخری دموں پر ہیں
اور حرفِ شفا نہیں ملتا

ایک آسیب کے مکان میں ہوں
اور ردِّ بلا نہیں ملتا

دیکھوں گی میں آج اس کا چہرہ
کل خواب میں روشنی بڑی تھی

تھا جھوٹ امیر و تخت آرا
سچائی صلیب پر گڑی تھی

غزل

تاروں کے لئے بہت کڑی تھی
یہ رخصتِ ماہ کی گھڑی تھی

urdunovelist.blogspot.com

ہر دل پہ ہزار نیل نکلے
دنیا کسے پھول کی چھڑی تھی!

واں ڈھیر تھا پتھروں کا تیار
یاں پھول کی ایک پنکھڑی تھی

دریا مرے سامنے تھا لیکن
میں پیاس سے جاں بلب کھڑی تھی

غزل

رخصت کی کسک رہی ہے اب تک
اک شام سلگ رہی ہے اب تک

شب کس نے یہاں قدم رکھا تھا
دہلیز چمک رہی ہے اب تک

ماتھے پہ وہ لب تھے ثانیہ بھر
اور روح مہک رہی ہے اب تک

دیکھا تھا یہ کس نظر سے اس نے
تصویر دمک رہی ہے اب تک

urdunovelist.blogspot.com

جو بات کہی نہیں تھی اس سے
لہجے میں کھنک رہی ہے اب تک

کب کا ہوا خالی ساغرِ شام
مے ہے کہ چھلک رہی ہے اب تک

بن عکس یہ کیسی جگمگاہٹ
شیشے سے جھلک رہی ہے اب تک

وہ چشم کہ باغ آشنا ہے
جنگل میں بھٹک رہی ہے اب تک

دونوں کے لبوں تک آتے آتے
اک بات اٹک رہی ہے اب تک

بارش کی ہے چاہ شاخ کو اور
بادل سے جھجک رہی ہے اب تک

شانوں پہ نہیں وہ ہاتھ لیکن
چادر سی سرک رہی ہے اب تک

غزل

لَو چراغوں کی کل شب اضافی رہی
روشنی تیرے چہرے کی کافی رہی

اپنے انجام تک آگئی زندگی
یہ کہانی مگر اختلافی رہی

urdunovelist.blogspot.com

ہے زمانہ خفا تو بجا ہے کہ میں
اس کی مرضی کے بالکل منافی رہی

ایسے محتاط ' ایسے کم آمیز سے
اک نظر بھی توجہ کی کافی رہی

صبح کیا فیصلہ حاکمِ نو کرے
جشن کی رات تک تو معافی رہی

غزل

تارِ مژگاں نہیں مل رہا تھا
زخم کس یاد کا سل رہا تھا

برف میں روشنی گھل رہی تھی
وہ مجھے خواب میں مل رہا تھا

کچھ عجب روشنی باغ میں تھی
پھول کس رنگ کا کھل رہا تھا

سامنے تھا وہ اور دونوں چپ تھے
اب نہ ہم تھے نہ وہ دل رہا تھا

رنگ و روغن کی باتیں محل میں
شہر بنیاد سے ہل رہا تھا

urdunovelist.blogspot.com

غزل

آنکھوں نے کیسے خواب تراشے ہیں ان دنوں
دل پر عجیب رنگ اترتے ہیں ان دنوں

رکھ اپنے پاس اپنے مہ و مہر اے فلک
ہم خود کسی کی آنکھ کے تارے ہیں ان دنوں

دستِ سحر نے مانگ نکالی ہے بارہا
اور شب نے آکے بال سنوارے ہیں ان دنوں

اس عشق نے ہمیں ہی نہیں معتدل کیا
اس کی بھی خوش مزاجی کے چرچے ہیں ان دنوں

اک خوشگوار نیند پہ حق بن گیا مرا
وہ رت جگے اس آنکھ نے کاٹے ہیں ان دنوں

وہ قحط حسن ہے کہ سبھی خوش جمال لوگ
لگتا ہے کوہ قاف پہ رہتے ہیں ان دنوں

سنڈریلا------Unvisited

کھلی آنکھوں یہ کیسا خواب میرے سامنے ہے
دیئے آنگن سے لے کر آسماں تک
گلابِ تازہ کی خوشبو چمن سے صحنِ جاں تک
بلوریں جام
اور اس میں دمکتی سرخ مے
اور اس کے نشّے سے فروزاں ان کا چہرہ
ستاروں سے بنا میرا لبادہ
سراپا اضطراب اک شاہزادہ
فرش پر شمعیں جلاتا ایک وعدہ
دلوں کے وائلن پر
والز کرتے دو بدن
اور اس کے شانوں پر رکھے سر
زندگی سے
نیم سرگوشی میں اک ہی بات دہراتی ہوئی
خوشبوئے لب
اور اس کا جادو

urdunovelist.blogspot.com

گجر بجتے ہی آدھی رات کا
یہ خواب یکدم ٹوٹ جاتا ہے
ستاروں سے بنا ملبوس میرا
پھر خس وخاشاک ہو جاتا ہے
میرا رتھ اچانک ٹوٹ جاتا ہے
مری شیشے کی جوتی رقص کہ میں چھوٹ جاتی ہے!
مگر اگلی سحر
میری طرف
شاہی محل سے
کوئی قاصد
دوسرے پاؤں کی فرقت میں نہیں آتا!

urdunovelist.blogspot.com

نظم

چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں کو یہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ چاہے سے نہیں آتا
بہت سے نقش، نقاشِ ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشیہ گہرا سیہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زاویے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
یہ خاکہ بھی
کسی ایسی ہی ساعت میں بنا ہوگا

ہماری آنکھ میں جو خواب اترا تھا
بہت خوش رنگ لگتا تھا

مگر اس کے دمکنے میں
کئی آنکھیں لہو ہوتیں
کتابوں اور پھولوں سے سجے جس گھر کے آنگن میں
ہم اپنے آپ کو کھلتے ہوئے محسوس کرتے تھے
وہاں اک اور گھر بنیاد سے یوں سر اٹھاتا تھا
کہ ہم اندر سے ہل جاتے
مگر چپ چاپ رہتے تھے
یہ چپ دیمک کی صورت ہم کو اک دن چاٹ جاتی!

urdunovelist.blogspot.com

تمہارے دکھ سے میں واقف ہوں
اور اپنے مقدر کی لکیروں کی بھی محرم ہوں
ہمارے بس میں رنگوں کا چناؤ ہے
نہ خط کا
سو اس تصویر کو تحلیل کر دیں
ہم اپنا کینوس تبدیل کر لیں!

نظم

منوہر

کیا واروں تجھ پر
میری جیون تھالی میں تو
شیش نہیں کوئی دیوٹ
بس نیناں رہتے ہیں
جلے ہوئے سپنوں کا تٹ
ماتھے ترے کیا تلک لگاؤں
راکھ بھئی مری مانگ
اوک میں تیری کیا جل ڈاروں
میں سمپورن پیاس!
کچھ شبدوں کے موتی ہیں
پر کیا اس چندر مکھ آگے
تیری جنم گرہ میں موہن

کونسا پھول میں ٹانکوں
من بگیا سونی ہے
اور پرائے پھولوں پر سے
کیا میرا ادھیکار
بس اک آتما رہتی ہے
جو دان کروں تجھ پر!
منوہر
کیا واروں تجھ پر؟

نظم

میں اپنی پیاس پر خاموش تھی
اور ریگ صحرا کی طرح سے زندگی کو دھوپ کا ٹکڑا سمجھتی تھی
کبھی سیراب ہونے کی تمنا نے
بدن میں سر اٹھایا بھی
تو اپنے دل سے میں نے معذرت کر لی
کہا اس سے
کہ اندر آگ کیسی ہی بھڑکتی ہو
مجھے بارش کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حق نہیں ہے
زباں پر آبلے پڑتے رہیں
لیکن مجھے شبنم نہیں چکھنی
مجھے بادل کے ہاتھوں سے کوئی تحفہ نہیں لینا
نمی کی ایک ہی صورت ہے میری زندگی میں
اور وہ آنسو ہے!

urdunovelist.blogspot.com

مگر جب سے کسی لہجے کے نم نے
میرے دل کی ریت کو آ کر چھوا ہے
مرے اندر
مکمل بھیگ جانے کی تمنّا جاگ اٹھی ہے
لہو میں اب مرے بس آتشِ سیّال ہے
اور جسم انگارے کی طرح سے دہکتا ہے
مگر کیا بخت ہے میرا
کہ دریا چوم کر میرا کنارہ
چھوڑ دیتا ہے
سراپا تشنگی ہوں
اور بھرا پیالہ لبوں تک لا کے کوئی
کھینچ لیتا ہے!

urdunovelist.blogspot.com

غزل

ایک ہی ہاتھ میں سب کچھ سمٹ آیا شاید
بادشاہت کا زمانہ پلٹ آیا شاید

دل کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں پڑنے دی
تیرے لشکر سے اکیلے نبٹ آیا شاید

دفن کر آئی میں جنگل میں خزانہ لیکن
سانپ سا پھر کوئی دل سے لپٹ آیا شاید

اس قدر بھیڑ تھی اس بار بھی رستے میں ترے
کوئی چہرہ، کسی کھڑکی سے ہٹ آیا شاید

لوٹنے والے کو پہچاننا مشکل ٹھہرا
ایک چہرہ، کئی چہروں میں بٹ آیا شاید

کسی صورت سے ابھی سر کو بچا رکھا تھا،
جنگ بے صرفہ میں لیکن وہ کٹ آیا شاید

نثری نظم

ان دنوں
میری اپنے آپ سے بول چال بند ہے!
میرے اندر ایک بانجھ غصّہ
پھنکارتا رہتا ہے
نہ مجھے ڈستا ہے
نہ میرے گرد اپنی گرفت ڈھیلی کرتا ہے
نینوا کی سرزمین
ایک بار پھر سرخ ہے
فرات کے پانی پر
ابن زیاد کے طرفداروں کا ایک بار پھر قبضہ ہے
زمین اور آسمان
ایک بار پھر ششماہے کا لہو
وصول کرنے سے انکاری ہیں

urdunovelist.blogspot.com

اور میرے چہرے پر اب مزید لہو کی جگہ نہیں!
فاتح فوج روشنی اور آگ کے فرق کو نہیں سمجھتی!
صحرا کی رات کاٹنے کے لئے انہیں الاؤ کی ضرورت تھی
سو انہوں نے میرے کتب خانے جلا دیئے!
لیکن میں احتجاج بھی نہیں کر سکتی
میرے بالوں میں سرخ اسکارف بندھا ہے
اور میرے گلاس میں کوکا کولا ہنس رہا ہے
میرے سامنے ڈالر کی ہڈی پڑی ہوئی ہے!

urdunovelist.blogspot.com

تمہاری سالگرہ پر

یہ چاند اور یہ ابر رواں گزرتا رہے
جمالِ شام تہہ آسماں گزرتا رہے

بھرا رہے تری خوشبو سے تیرا صحنِ چمن
بس ایک موسمِ عنبر فشاں گزرتا رہے

سماعتیں ترے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا رہے

خدا کرے تری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیارِ وقت سے تو شادماں گزرتا رہے

میں تجھکو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملال نہیں
کہیں بھی ہو تو، ستارہ نشاں گزرتا رہے

میں مانگتی ہوں تری زندگی قیامت تک
ہوا کی طرح سے تو جاوداں گزرتا رہے

مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے
فلک سے تیرا خطِ کہکشاں گزرتا رہے

میں تیری چھاؤں میں کچھ دیر بیٹھ لوں اور پھر
تمام راستہ بے سائباں گزرتا رہے

urdunovelist.blogspot.com

یہ آگ مجھکو ہمیشہ کئے رہے روشن
مرے وجود سے تو شعلہ ساں گزرتا رہے

میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک سماں گزرتا رہے

ہمارا نام کہیں تو لکھا ہوا ہوگا
مہ و نجوم سے یہ خاکداں گزرتا رہے

میں تیرا ساتھ نہ دے پاؤں پھر بھی تیرا سفر
گلاب و خواب کے ہی درمیاں گزرتا رہے

میں تیرے سینے پہ سر رکھ کے وقت بھول گئی
خیالِ تیزئ عمرِ رواں گزرتا رہے!

سلام

گرچہ لکھی ہوئی تھی شہادت امام کی
لیکن مرے حسینؓ نے حجت تمام کی

زینب کی بے ردائی نے سر میرا ڈھک دیا
آغازِ صبحِ نو ہوئی وہ شام، شام کی

اک خوابِ خاص چشمِ محمدؐ میں تھا چھپا
تعبیر نورِ عینِ محمدؐ نے عام کی

بچوں کی پیاس مالکِ کوثر پہ شاق تھی
ساقی کو ورنہ مے کی ضرورت نہ جام کی

حر سا نصیب بادشہوں کو نہیں نصیب
آقا سے مل رہی تھی گواہی غلام کی

دریا پہ تشنہ لب ہیں پہ صحرا میں شاد کام
دنیا عجب ہے ان کے سفر اور قیام کی

دے کر رضا جو چہرۂ شبیر زرد ہے
تھی التجائے جنگ یہ کس لالہ فام کی

urdunovelist.blogspot.com